MOULANA ABDUL HAKEEM SIALKOTI (d-1067 A. D.)
LIFE AND WORKS

THESIS SUBMITTED FOR THE DEGREE OF

Doctor of Philosophy

IN

Arabic Literature

BY

NAHIM-UN-NISA

Under the Supervision of

DR. MASUD ANWAR ALAVI

(READER)

DEPARTMENT OF ARABIC
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH (INDIA)

1997

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی

حیات اور کارنامے

(مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی)

عربی ادب

مقالہ نگار : نعیم النساء

نگراں : ڈاکٹر مسعود انور علوی (ریڈر)

شعبۂ عربی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ (یو۔ پی) انڈیا

۱۹۹۷ء

انتساب :

میں اس علمی کاوش
کو
اپنے والدین
کی
ذات بابرکات کے نام
معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتی ہوں
جن کی دعاہائے نیم شبی کے فیض سے
مجھے تحصیل علم
اور
لکھنے پڑھنے کی توفیق ملی
اور
انشاء اللہ آئندہ بھی
ادبی مشاغل کی راہیں
ہموار ہوں گی۔

تلخیص

سر زمین ہندوستان ابتداء سالام ہی سے آفتاب نبوت کی کرنوں سے منور اور ہر دور میں ماہرین علوم دینیہ علماء اکرام صوفیہ اور بزرگان دین کی بڑی تعداد سے معمور رہی ہے ۔ ہندوستان میں اسلام دو راستوں سے داخل ہوا خشکی اور تری ۔ خشکی کا راستہ درہ خیبر کا تھا ۔ جہاں سے ترکوں پٹھانوں اور مغلوں نے چوتھی صدی کے آخر اور پانچویں صدی کے آغاز سے داخل ہونا شروع کیا لیکن اس سے صدیوں پہلے اہل عرب تاجر اور سوداگر کی حیثیت سے سندھ مالابار اور گجرات تک بحر ہند کے پورے ساحل پر پھیل چکے تھے چنانچہ ان مسلمانوں نے جگہ جگہ مسجدیں تعمیر کیں جو ابتدائی درسگاہ کی حیثیت سے استعمال ہوتی تھیں اور ان میں علماء فضلاء و درس و تدریس کی خدمت دیتے تھے ۔

12 ۔ ، 711ء میں جب سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو یہ رفتہ رفتہ اور بھی مضبوط ہوگیا ۔ غوری و غزنوں کا دور آیا تو پھر ہندوستان اور سمرقند و بخارا جو علوم و فنون کے مرکز تھے ایک ہوگئے اور اس طرح عربی علوم کے ماہرین ہندوستان جوق در جوق آنے لگے ادب فقہ حدیث تفسیر منطق اور فلسفہ وغیرہ علوم اب عرب سے نکل کر ہندوستان پہنچے اور سر زمین ہند علوم عربیہ کا عظیم ترین مرکز بن گئی ۔ تیرھویں صدی عیسوی تک یہاں ہر فن کے علماء کا اجتماع ہوگیا اور پھر خلجیوں اور تغلق خاندان کے بادشاہوں کا دور آتا ہے جنھوں نے اپنے پیش رو ظہیر الدین محمد بابر جلال الدین محمد اکبر وغیرہ جو اس خاندان کے دو معارف پرور بادشاہ ہیں اور جنھوں نے اپنی انفرادی دلچسپیوں سے ہندوستان کو علوم و فنون کا گہوارہ بنادیا تھا ۔ اسی خاندان

سے ان دو عظیم بادشاہوں کا تعلق بھی ہے جنھوں نے نہ صرف آباواجداد کی دوش پر چل کر دکھایا بلکہ ان سے بھی زیادہ علما° کی قدر و منزلت کی اور اپنی زر پاشیوں سے ماہرین علوم و فنون کو معاشی فارغ البالی عطا کرکے خدمت علوم و فنون پر لگادیا یہی وہ مبارک دور ہے جس میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی علمی صلاحیتیں ابھرتی ہیں اور وہ اپنی خدا داد ملکہ و بصیرت سے ادب اور فقہ کے قدیم سرمایہ میں اضافہ کرتے ہیں ۔

افسوس کا مقام ہے کہ ایسے فرید العصر عالم پہ ہندوستان میں کوئی تحقیقی علمی کام نہیں ہوا اور آج بھی ان کی ہمہ گیر شخصیت کہ تہ در تہ پہلو پر وہ خفا° میں ہیں ۔ میں سابق صدر شعبہ عربی پروفیسر محمد راشد صاحب کی ممنون ہوں جنھوں نے اس موضوع کی منظوری عطا کی چنانچہ میری پی۔ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ کا موضوع "مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ـــ حیات اور کارنامے" ہے مقالہ ھذا کو پانچ ابواب میں حسب ذیل عنوانات کے تحت مرتب کیا گیا ہے ۔

باب اول ۔ عہد مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے سیاسی سماجی اور علمی و ادبی حالات

باب دوم ۔ وطن خاندان ولادت تعلیم و تربیت اساتذہ علمی مشاغل وفات اولاد تلامذہ اور رفاھی یادگاریں ۔

باب سوم ۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے معاصر علما° ۔

معاصرین میں صرف چند علما° کو اولیت دی گئی ہے ۔

1 ۔ شاہ محب اللہ الہ آبادی

2 ۔ ملا عبدالسلام دیوی

3 - سعد الله خاں

4 - شیخ عبد الحق محدث دھلوی

5 - حضرت میاں میر لاھوری اور

6 - ملا محمود جونپوری

باب چہارم - علمی و ادبی کارنامے

باب پنجم - مولانا سیالکوٹی کا علمی مرتبہ اور مقام

کسی ایسے موضوع یا علمی شخصیت پر تحقیق کرنا جس پر کم سے کم ھندوستان میں کوئی کام نہ ھوا ھو نہایت مشکل مرحلہ تھا چنانچہ اس دشوار علمی کام کے لئے اللہ تعالی نے تمام دنیاوی سہولتیں اور مواقع عطا کئے - میں اپنے کرم فرماؤں جناب ڈاکٹر ظہور الحق اور ڈاکٹر مسعد انور علوی صاحب ریڈر شعبہ عربی جو میرے تحقیقی سفر کے یکے بعد دیگرے رھبر و راہ نما رھے ھیں کی انتہائی ممنون ھوں جن کی سرپرستی نے کام کرنے کا حوصلہ دیا - خاص طور پر ڈاکٹر مسعود انور علوی صاحب جن کی پر خلوص شفقت نے تحقیق و جستجو کی دشوار گذار راھوں میں قدم قدم پر میری رھنمائی کی یہاں تک کہ میرے تحقیقی سفر کی تمام مشکلیں آسان ھوگئیں -

چنانچہ اس مقالے کی تکمیل کے سلسلے میں میں نے پاکستان کا سفر بھی کیا جس میں مجھے کامیابی ملی - اور سیالکوٹ میں مجھے مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کا مزار دیکھنے کا موقع میسر ھوا اس طرح تصاویر کے ذریعہ ان کی آخری آرام گاہ کو اپنے مقالے کے لئے محفوظ کر لینے کی دیرینہ خواھش کی تکمیل ھوئی

جس کی مختلف کاپیاں مقدمے کے بعد منسلک ھیں ۔ اور اس دشوار اور اھم کام کے لئے اللّٰہ تعالی نے تمام دنیاوی سہولتیں اور مواقع عطا کئے ۔

آخر میں تمام کرم فرماؤں اور احباب کی بھی ممنون ھوں جنھوں نے اس مقالے کی تیاری میں میرے حوصلے بڑھائے ان کا شکریہ ادا کرنے کا سوچتی ھوں مگر الفاظ نہیں ملتے ۔ اس سب کے باوجود وہ تمام جانتے ھیں کہ میرے دل و دماغ کی لوح پر ان کے نام کیسے احساس تشکر کے ساتھ ثبت ھیں ۔ لہذا ان سب کے شکریے کی یہ سطور لکھ کر صحیح معنوں میں مجھے احساس ھوا کہ ھاں اب یہ مقالہ مکمل ھے ۔

باب اول — عہد مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی

سیاسی حالات —

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی پیدائش میں اختلاف ہونے کے باوجود ایک بات طے ہے کہ ان کا عہد دسویں صدی کا نصف آخر اور گیارھویں صدی کا اوائل ہے لہذا یہ عہد ہندوستان میں مغل سلطنت کا عہد ہے ۔ جس میں یکے بعد دیگرے تین نامور حکمراں جلال الدین محمد اکبر (1556ء/963ھ) تا 1605ء/1014ھ) نورالدین جہانگیر (1605ء/ 1014ھ تا 1527ء/1036ھ) اور شہاب الدین شاہ جہاں (1627ء/1036ھ تا 1658ء/1068ھ) تخت پر بیٹھے اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے ایک طویل عمر پا کے عہد شاہ جہانی کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ داعی اجل کو لبیک کہا ۔

ہندوستان میں مغلوں کی آمد سیاسی اعتبار سے ایک نئے دور کا آغاز ہے کیونکہ ہندوستان کو سیاسی اعتبار سے صحیح استحکام صرف اکبر کے دور حکومت میں نصیب ہوا اس نے کم عمری میں ہی سیاسی سرگرمیاں اپنے اتالیق بیرم خاں کی سرپرستی میں شروع کیں اور صرف چند سالوں میں اس کی سلطنت بنگال سے افغانستان تک اور کشمیر سے لے کر دکن میں دریائے گوداوری تک پھیل گئی اکبر نے اپنے پچاس سالہ عہد حکومت میں اتنی بڑی سلطنت قائم کردی تھی جس کی مثال ملنا مشکل ہے ۔

اس کا انتظام سلطنت بڑا قابل تعریف تھا اور اس نے ہر محکمہ میں بڑی مفید اصلاحات کیں اپنی حکومت کو پندرہ صوبوں میں تقسیم کیا اس نے ملکی نظام ایسے انداز سے مرتب کیا جو تمام مغلیہ دور میں برقرار رہا ۔ اس نے ہندوؤں

اور مسلمانوں کے ساتھ ایک سا سلوک کیا ۔ اکبر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلیم نورالدین جہانگیر کے لقب سے تخت نشین ہوا اسے اکبر سے وسیع و عریض سلطنت ورثے میں ملی تھی اس لئے اس نے نہایت تدبر سے کام لیتے ہوئے ملک کے اندرونی نظام کو مضبوط اور مستحکم کیا ۔ بہت سے مفید قوانین بنائے اور کئی اصلاحات جاری کیں اس کا عہد سیاسی اعتبار سے پر امن رہا ہے ۔

دسویں اور گیارھویں صدی میں ہندوستان کے افق پر شہنشاہ جہانگیر اور شاہ جہاں دو ایسے ستارے تھے جن کی وجہ سے اسے سونے کی چڑیا کا نام دیا گیا ۔ شاہ جہاں کے عہد کے اہم سیاسی واقعات میں پرتگالی ہنگامہ ہے 1633ء میں اس نے پرتگالیوں کو مستقل طور پر ہندوستان سے نکال دیا ۔ اس کے دور میں اگرچہ بلخ و قندھار میں بڑی بڑی لڑائیاں لڑی گئیں مگر سلطنت کے دوسرے حصوں میں امن و امان رہا ۔ مختصر یہ کہ دسویں اور گیارھویں صدی میں ہندوستان کا ماحول نہایت پر امن تھا ۔ اس وقت کے مغلیہ دور کو عہد زرین کہا جاتا ہے اس زمانہ کے تینوں بادشاہ اپنی مثال آپ تھے اکبر کا شمار دنیا کے بہترین سپہ سالاروں میں ہوتا تھا ۔ اس کی تیزگامی نیزہ بازی نشانہ بازی دشمنوں پر بجلی کی سرعت کے ساتھ یورش حیرت انگیز حد تک تھی جہانگیر اگرچہ ناز و نعم میں پلا بڑھا تھا لیکن ضرورت کے وقت وہ بھی بہادر سپاہی بن جاتا تھا شاہ جہاں کو اپنے جنگی تجربات پر اِس قدر بھروسہ تھا کہ جب بلخ و قندھار میں اپنے لڑکوں کو بھیجا تو دارالسلطنت دھلی میں بیٹھ کر ان کو ھدایات بھیجتا تھا ۔

سماجی و مذہبی حالات ـــ

عہد اکبری میں ہر شعبے میں قابل قدر اضافے ہوئے اس کے علاوہ یہ دور صحیح معنوں میں ٹھوس ترقی کا دور تھا ۔ لیکن اس کی ذات اس کے جاری کردہ مذہب "دین الٰہی" کی وجہ سے مجروح ہوگئی ۔ وہ ایک ذہین اور جدت پسند حکمراں تھا ۔ چنانچہ اس کے تجربات سے جہاں سلطنت کو فائدہ پہنچا وہیں نقصان بھی ہوا چونکہ اس کی سب سے بڑی حماقت صرف مذہبی امور میں ہی ہوئی تھی علاوہ ازیں اکبری دور میں مصوری اور موسیقی کو بھی بڑا فروغ ہوا اس کے درباری موسیقاروں میں تان سین بہت مشہور تھا ۔ علم وادب کی سرپرستی اس نے کی اور مختلف زبانوں سے فارسی میں کتابیں ترجمہ کرائیں ۔ چنانچہ اکبر کے بعد جب جہانگیر تخت نشیں ہوا تو ہندوستان اس وقت مذہبی اعتبار سے اکبر کے ملحدانہ طریقہ پر گامزن تھا ۔ جسے اس نے آپسی اتفاق اتحاد پیدا کرنے کے لئے اپنایا تھا ۔ چنانچہ اس نے اپنے دور میں شیخ احمد سرہندی کی مدد سے کافی حد تک مذہبی اصلاحات کیں ۔ جہانگیر کے عہد میں فن مصوری اپنے نقطہ عروج کو پہنچا اس کے علاوہ قدرتی نظاروں سے دلی لگاؤ ہونے کی وجہ سے متعدد بار کشمیر گیا اور کئی عمارات اور باغات بنوائے ۔ اس نے مجموعی طور پر اپنے بیس سالہ عہد حکومت میں زندگی کے ہر شعبے میں قابل قدر ترقی کی وہ علم و ادب کا دلدادہ موسیقی و مصوری کا شائق اور قدرتی نظاروں سے اس کی دلچسپی جنون کی حد تک تھی۔

جہانگیر کے بعد شاہ جہاں کے تیس سالہ عہد حکومت کو سلاطین تیموری کا زرین عہد کہا گیا ہے اس کے عہد میں جیسا ملک میں امن و امان

اور خوشحالی تھی پہلے کبھی نہ تھی ۔ فتوحات کا دور تو اکبر کے عہد میں ختم ہو چکا تھا اور ان کے بعد آنے والے فرمانروا ہندوستان کی ثقافتی سماجی و مذہبی حالت میں برابر سدھار کر رہے تھے صنعت و حرفت ترقی پر تھی ۔ اس دور میں تمام شعبوں کو فروغ ملا غرضیکہ ہندوستان اس وقت اپنی ثقافتی سماجی و مذہبی حالت کے لحاظ سے نقطہ عروج پر تھا ۔

علمی و ادبی حالات —

اکبر کی وفات گیارھویں صدی کے اوائل میں ہوئی اس وقت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی جملہ علوم سے فراغت کے بعد اکبر کے مدرسہ للاھور میں سرکاری مدرس کے فرائض انجام دے رہے تھے ۔ انھوں نے ہندوستان کے تینوں خوشحال دور دیکھنے کے بعد شاہ جہاں کے عہد کے خاتمہ کے ساتھ ہی رحلت فرمائی اگرچہ اکبری دور کی عظمت عام طور پر صرف سیاسی حیثیت سے مانی جاتی ہے لیکن در حقیقت یہ دور علمی حیثیت سے بھی کم درخشاں نہیں اس نے ان پڑھ ہونے کے باوجود علم و فن کی غیر معمولی سرپرستی کی ۔ اس کے عہد میں جیسے جلیل القدر علماء ہوئے ویسے ہندوستان کی تاریخ میں کسی بادشاہ کے زمانہ میں نہیں ہوئے ۔ اس کے علاوہ تصنیف و تراجم کا اس نے سلسلہ شروع کیا کہ دارالسلطنت ایک طرح کی اکاڈمی بن گئی ۔

اس کے بعد جہانگیر کے دور کو نہ صرف مغلیہ دور میں بلکہ پورے ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص مقام حاصل ہے کیونکہ اسے بابر کا علمی ذوق اور اکبر کی علمی ادبی روایات ورثے میں ملی تھیں اسی وجہ سے وہ علم و ادب

کے افق پر ماھتاب بن کر چمکا ۔ اور جب جہانگیر نے تقریباً ستر سال کی عمر میں وفات پائی اس وقت مولانا سیالکوٹی اپنے شباب کو الوداع کہہ چکے تھے ۔ اور برابر اپنے ذوق و شوق کے مطابق تدریس و تصنیف میں منہمک تھے ۔

جہانگیر کے بعد شاہ جہاں نے بھی ھندوستان میں ایسی علمی فضا قائم کی جس سے نہ صرف علمی مقام بلند ھو بلکہ ایسے یکتائے روزگار پیدا ھوں جو علوم و فنون میں کامل دستگاہ رکھتے ھوں اور اپنی اس کاوش میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی رھا ۔ اگرچہ اسے اپنے آباو اجداد کی طرح علمی انہماک نہ تھا اور نہ ھی اس نے ان کی طرح کوئی علمی یادگار چھوڑی ھے لیکن اس کے دربار کی علمی فضا ۔ اس کی فیاضیاں و زر پاشیاں اور اس کے علاوہ داراشکوہ اورنگزیب مراد اور جہاں آرا وغیرہ کی اعلی تعلیم و تربیت اس کے ذوق کی شہادت ھیں اس کا دور فارغ البالی اور خوشحالی کا دور تھا ۔ اس نے ھندوستان کو علم و ادب کا گہوارہ بنادیا ۔ اس نے اکبر و جہانگیر کے قائم کردہ مدارس کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ ان کو مزید ترقی دی ۔ مختصر یہ کہ دسویں اور گیارھویں صدی میں ھندوستان اپنی علمی و ادبی حیثیت سے نہایت ھر درخشاں دور میں داخل ھو چکا تھا ۔ امن و خوشحالی کا ھر طرف دور دورہ تھا ۔ مغلیہ خاندان کے فرمانرواؤں نے زندگی کے ھر شعبے میں ایسی بے مثال سرپرستی کی کہ اس کی مثال پوری اسلامی دنیا میں نہیں ملے گی۔

باب دوم ـــ حیات مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی

یوں تو ھر صدی میں ھندوستان میں مایہ ناز علماء و فضلاء پیدا ھوتے رھے ھیں لیکن دسویں اور گیارھویں صدی ھجری کا زمانہ ھندوستان کی علمی

تہذیبی تمدنی اور ثقافتی تاریخ کا سب سے زیادہ روشن اور تابناک باب ہے اس دور میں ہندوستان میں ایسے ایسے پھول کھلے جن کی عطر بیزیوں سے ایک زمانہ مستفید ہوا اس دور میں سب سے زیادہ شہرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو حاصل ہوئی وہ مغل شہنشاہ اکبر کے عہد میں پروان چڑھے اور جلد ہی دنیا کے سامنے ایک مصلح دین کی حیثیت سے جلوہ گر ہوئے ۔

وطـــــن ـــــ

ان کا پیدائشی وطن سیالکوٹ ہے جس کی قدیم تاریخ یوں ہے کہ پانڈوؤں نے اسے آباد کیا اور راجہ سیّانے اپنے نام کی مناسبت سے اس کا نام سیالکوٹ رکھا ۔

خـــــاندان ـــــ

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی ابتدائی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات ہیں کہ ان کے والد کا نام شمس الدین تھا ان کے علاوہ نہ تو ان کے آباو اجداد کا پتہ چلتا ہے اور نہ حسب نسب کا بہر حال انھیں یہ شرف حاصل ہے کہ اپنے خاندان کے وہ پہلے فرد ہیں جنھوں نے اپنے علمی کمالات کے سبب شہرت حاصل کی ۔

پیـــــدائـــــش ـــــ

اگرچہ ان کی پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے لیکن اس سلسلے میں عہد عالمگیری کے مشہور تذکرے "مرآۃ العالم" کے مؤلف کے بیان کو اولیت دی گئی ہے ۔ بختاور خاں اپنی تصنیف "مرآۃ العالم" میں ان کا سال پیدائش 988ھ

بتاتا ھے اور لفظ حفظ سے اس نے ان کی تاریخ ولادت نکالی ھے چونکہ بختاور خاں (م - 1094ھ) ان کے فرزند مولانا عبد اللہ اللبیب کا معاصر اور نیازمند تھا اس لئے اس کا بیان قابل قبول ھے -

تعلیم و تربیت —

مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی جیسی عہد ساز شخصیت کے استاد بھی انھی کے جیسے نامور اور مشہور زمانہ تھے اور یہ معروف ھستی ملا کمال الدین کشمیری (م - 1017ھ) کی تھی - ان کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں بہت کم معلومات ھیں خیال کیا جاتا ھے کہ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور اس کے بعد ملا کمال الدین کشمیری کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرکے جملہ علوم کی تکمیل کی -

مشاغل —

اگرچہ مولانا عبد الحکیم کی ولادت عہد اکبری میں ھوئی تھی لیکن ان کی رسائی اس کے دربار تک نہیں تھی بلکہ انھوں نے اکبرآباد کے شاھی مدرسے میں اپنے وقت کے مشہور شاعر قدسی کے ساتھ فرائض تدریس انجام دیئے اس کے علاوہ لاھور کے مدرسے میں بھی سرکاری مدرس مقرر کئے گئے اور اسی دوران وہ "فاضل لاھوری" کے لقب سے مشہور ھوئے اس کے علاوہ جہانگیر اور شاہ جہاں نے اپنے اپنے عہد میں بہت سے علماء و فضلا کی قدر شناسی کی انھیں میں ملا سیالکوٹی کی ذات بابرکات بھی تھی انھوں نے ان کی علمی کاوشوں کو تسلیم کیا - اگرچہ ان کا دربار متعدد اسلامی ممالک کا ملجاو ماوا بنا ھوا تھا مگر ان میں ان کا مرتبہ بہت بلند اور نمایاں تھا -

وفــــات ـــ

بالآخر 12 یا 18 ربیع الاول 1067ھ/1656ء میں وہ آفتاب غروب ہوگیا جس کی ضوفشانیوں سے پورا ھندوستان منور تھا - اگرچہ ان کی وفات کے سلسلہ میں تذکرہ نگاروں کے یہاں متضاد رائیں ملتی ھیں لیکن معاصر ھونے کی بنا پر محمد صالح کنبوہ کی تصنیف "عمل صالح" کے بیان کو فوقیت دی گئی ھے۔

اولاد ـــ

تاریخ و تذکرہ کی کتب میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے صرف ایک بیٹے "عبداللہ اللبیب" کا نام ملتا ھے ۔اس کے علاوہ کشمیر کی بعض تاریخوں میں ان کے بعض ورثا کے نام ملتے ھیں - ان کے علاوہ ایک اور نامور عالم محی الدین کشمیری اور مولوی غلام مصطفی کا ذکر بھی ملتا ھے -

تــــلامـــذہ ـــ

خیال کیا جاتا ھے کہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی جیسی عہد ساز شخصیت کے ھزاروں تلامذہ ھوں گے لیکن جو فہرست دستیاب ھوئی وہ بہت مختصر ھے لہذا ان میں سے چند شخصیات کا قدرے تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ھے ـــ

1 - قاضی عبدالرحیم مرادآبادی

2 - سید اسماعیل بلگرامی (متوفی - 1088ھ)

3 - مولانا شیخ محمد افضل جونپوری (977ھ تا 1062ھ/1651ء)

4 - شیخ عبدالعزیز اکبرآبادی (متوفی - 1088ھ)

5 - چندربھان برھمن (متوفی - 1073ھ/1663ء)

6 - ملا عصمت الله سہارنپوری (متوفی - 1039ھ/30-1629ء)

7 - مولوی محمد معظم ساکن بنه (متوفی - 1158ھ/1745ء)

8 - ملا عبدالوہاب پیر سروری (متوفی - 1059ھ)

9 - مولوی محمد قنوجی (متوفی - 1007ھ)

رفاہی یادگاریں —

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو شاہ جہاں کی طرح تعمیرات اور رفاہ عامہ کے کاموں کا بھی شوق تھا - اور اس کی شہادت ان کی تعمیر کردہ وہ عمارتیں ہیں جو سیالکوٹ میں آج تین سو سال گذرنے کے باوجود بھی قائم ہیں انھوں نے اپنی قیام گاہ کے قریب ہی ایک عظیم الشان مسجد اور مدرسہ تعمیر کرائے تھے مولانا کی یہ مسجد آج بھی تحصیل بازار سیالکوٹ میں موجود ہے - اس کے علاوہ انھوں نے مسافروں کےلئےکارواں سرائے اور حمام بھی تیار کرائے 1275ھ میں انگریزوں نے اس عمارت کو خیراتی شفا خانے میں بدل دیا اور بعد میں اسی شفاخانے نے موجودہ سول ہسپتال کی صورت اختیار کی انھوں نے ایک خوبصورت باغ کی بنیاد بھی ڈالی تھی - اس کے علاوہ ان کی یادگاروں میں سیالکوٹ کا تالاب بھی ہے لیکن ان کی سب سے خوبصورت یادگار وہ عیدگاہ ہے جس میں آج بھی ہزاروں بندگان خدا سال میں دو مرتبہ اپنے معبود حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں -

باب سوم - معاصرین مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی

کسی شخصیت کے علمی مقام کو سمجھنے کے لئے اور اس کے علمی مقام کے تعین کے لئے صرف واقعات کی فہرست اورسنین و اعداد کا مجموعہ کافی نہیں

ھے بلکہ اس کے عصری رجحانات اور معاصرین کی علمی و تحقیقی خدمات کا تفصیلی جائزہ بھی لیا جانا ضروری ھے ۔

چونکہ ھندوستان میں دسویں اور گیارھویں صدی ھجری کا زمانہ سلطنت مغلیہ کا وہ زریں دور ھے جس نے سیکڑوں نہیں علماء و فضلا پیدا کئے ھیں جن میں سے بیشتر آسمان علم و معرفت کے آفتاب و ماھتاب بن کر چمکے چنانچہ ان کے علمی مقام کو اور ان کے علمی کارناموں کی قدروقیمت کا اندازہ کرنے کے لئے ان کے معاصرین کا مطالعہ ازحد ضروری ھے چنانچہ اس باب میں صرف انھیں چند نابغہ روزگار ھستیوں کے حالات قدرے وضاحت سے بیان کئے گئے ھیں جو ان سے کسی نہ کسی اعتبار سے قریب رھے یا اپنے تبحر علمی اور تصنیفی و تالیفی کارناموں کی وجہ سے نمایاں شہرت کے حامل ھیں ـــــ

1 - شاہ محب اللہ الہ آبادی (996ھ/1587ء تا 1057ھ/1648ء)

2 - ملا عبدالسلام دیوی (متوفی - تقریباً 1070ھ/1659ء)

3 - شیخ عبدالحق محدث دھلوی (958ھ/1551ء تا 1054ھ/1642ء)

4 - علامہ سعد اللہ خاں (999ھ/1591ء تا 1066ھ/1656ء)

5 - حضرت میاں میر لاھوری (957ھ تا 1045ھ)

6 - ملا محمود جونپوری (1015ھ تا 1062ھ)

باب چہارم - علمی و ادبی کارنامے ـــــ

جیسا کہ گذشتہ ابواب میں عرض کیا جاچکا ھے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اپنے دور کے باکمال عالم تھے ان کا دائرہ تصنیف و تالیف خاصا وسیع تھا ۔ وہ

تفسیر فقه عقائد کلام منطق فلسفه صرف و نحو اور علم فرائض میں مہارت تامه رکھتے تھے اور ان تمام علوم میں ان کی تالیفات موجود ھیں ان کا تصنیفی میدان بیشتر شروح و حواشی کا رھا ھے اور انھی کی وجه سے وہ علمی دنیا میں مشہور و معروف ھیں ۔ ان کی تالیفات عام طور پر ان کے مربی و قدردان مغل شہنشاہ شاہ جہاں کے نام معنون ھیں اگرچه ان کے شروح و حواشی متداول درسی کتابوں پر ھی ھیں مگر یه محض رسمی نہیں تھے بلکه اپنے اپنے فنون کے اندر ادبیات عالیه کی حیثیت رکھتے ھیں ان سے اسلامی فکر کی ثروت میں بیش بہا اضافے ھوئے مختلف مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کی نگارشات کی مدد سے ان کی تصنیفات درج ذیل ھیں ۔

فـــن تـفـسـیر ــــ

حاشیه تفسیر بیضاوی ــــ

مولانا عبدالحکیم اپنے مدرسے میں تفسیر بیضاوی کا درس دیتے تھے اور اس کی اھمیت سے بھی خوب واقف تھے اسی لئے انھوں نے اس پر اپنا شہرہ آفاق حاشیه لکھا جو نامکمل ھے یعنی پہلے ڈھائی پاروں کی شرح ھے چونکه یه حصه اھم مسائیل سے متعلق ھے اس لئے انھوں نے اس کی تشریح کو ضروری سمجھا ۔ ان کے حاشیه کی اھمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ھے که یه آج بھی مختلف عربی مدارس میں شامل نصاب ھے اس کے مخطوطات مختلف لائبریریوں میں موجود ھیں اس کے علاوہ یه طبع بھی ھوچکا ھے۔

حاشیہ علی الکشاف یہ اب ناپید ھے ۔

فـقـہ ـــ

حاشیہ علی التلویح ـــ

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے اصول فقہ کی مستند کتاب " التلویح " پر حاشیہ لکھا "تلویح توضیح" کا سب سے اہم حصہ "مقدمات اربعہ" ھیں اور مولانا عبدالحکیم اس باب میں منفرد ھیں انھوں نے صرف اس کے مقدمات اربعہ کو ھی اپنی کاوش فکر کا موضوع بنایا ھے ۔

حـــاشیہ علی الحســـامی ـــ

تلویح توضیح کے بعد اصول فقہ کی دوسری متداول کتاب " الحسامی " ھے اس پر بھی بہت سے علماء نے حواشی لکھے لیکن ان تمام میں صرف مولانا سیالکوٹی کو اس درجہ مقبولیت حاصل ھے کہ ان کا حاشیہ مطبوعہ ھے اس کے علاوہ اس کا ایک قلمی نسخہ پشاور میں موجود ھے ۔

عـــلم کلام ـــ

حاشیہ علی الخیالی (حاشیہ شرح عقائد النسفیہ) ـــ

اس حاشیہ کے قلمی نسخے دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاھور رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال لائبریری اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لائبریری میں ھیں ۔ اس کے علاوہ 1235ء میں آستانہ سے 1297ھ میں مصر سے 1870ء میں دھلی سے اور 1901ء میں قازان سے شائع ھو چکا ھے ۔

حاشیہ علی شرح عقائد جلالی (حاشیہ شرح العقائد العضویہ)

ان کا یہ حاشیہ اب ناپید ھے

حاشیه علی المواقف —

المواقف جو قاضی عضد الدین الایجی کی شہرہ آفاق تصنیف ہے لیکن مولانا سیالکوٹی نے یہ میر سید شریف جرجانی کی شرح المواقف پر تحریر کیا ان کا یہ حاشیہ مکمل نہیں بلکہ پانچویں وقف تک ہے مصر و استنبول میں غالباً تین حاشیے "شرح المواقف" کے طبع ہوئے ان میں سے ایک مولانا سیالکوٹی کا بھی ہے ۔

منطق و فلسفہ —

حاشیہ علی میر قطبی و حاشیہ علی قطبی —

بر عظیم پاک و ہند میں منطق و فلسفہ کے موضوع پر بےشمار کتابیں لکھی گئیں یہ واحد غیر دینیاتی موضوع ہے جس پر عربی زبان میں کتب تحریر ہوئیں اور ہندوستانی علماء نے اس میں دلچسپی لی ۔ چونکہ عہد مغلیہ میں معقولات نے بڑی اہمیت حاصل کی اس لئے مولانا سیالکوٹی نے میر قطبی پر حاشیہ تحریر کیا اور اسے بھی دیگر تصنیفات کی طرح شاہ جہاں کے نام معنون کیا ۔

حاشیہ شرح مطالع

حواشی در کنار حکمتہ العین

حاشیہ علی میبذی (حاشیہ شرح ھدایتہ الحکمتہ)

نحو بلاغت

حاشیہ شرح مراح الارواح

حاشیہ علی حاشیہ عبدالغفور

تکلمہ حاشیہ عبدالغفور علی الجامی

حاشیہ علی المطول

حاشیہ شریفیہ ـــ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی تصنیف میں حاشیہ شریفیہ کا بھی ذکر کیا ھے مگر یہ نام مبہم ھے انھوں نے اس کا نام حاشیہ مطول کے فوراً بعد کیا ھے اس لئے خیال کیا جاتا ھے کہ شائد اس سے مراد میر سید شریف کا حاشیہ مطول ھو جو عام طور پر "میر مطول" کے نام سے مشہور ھے ۔

مستقل تصانیف ـــ

الرسالتہ الخاقانیہ ـــ

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے زیادہ تر علوم مروجہ کی مشہور درسی کتب کے حواشی ھی لکھنے پر اکتفا کیا اور ان کی مستقل تصانیف کی تعداد بہت کم ھے لیکن بیشتر ازیں ان شروح و حواشی کی قدرو منزلت بھی جیسے "الدارتہ الثمینہ فی علم الواجب تعالیٰ" کے نام سے یاد کیا جاتا ھے چونکہ اسلامی عقائد و نظریات کی تشریح و توضیح سے ان کو خاص دلچسپی تھی اسی لئے انھوں نے اس موضوع پر بہت سی کتابوں پر قابل قدر حواشی تحریر کئے کہا جاتا ھے کہ انھوں نے بعض مستقل تصانیف چھوڑی ھیں لیکن جہاں تک راقمہ کی معلومات کا تعلق ھے ان کی مستقل تصانیف میں "الرسالتہ الخاقانیہ" ھی واحد تصنیف ھے جس کے قلمی نسخے دنیا کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ھیں ۔

<u>متفرق ـــ</u>

مولانا سیالکوٹی کی اس شہرہ آفاق تصنیف کے بعد ان کی دوسری تصنیفات میں "دلائل التجدید" رسالہ کا ذکر بھی ملتا ھے اس کے علاوہ ان کی دوسری

تصنیفات میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے منسوب ان کی مشہور عالم تصنیف "غنیتہ الطالبین" کا فارسی ترجمہ بھی ھے انھوں نے یہ ترجمہ اپنے وقت کے ولی کامل اور شیخ عارف " بلاول لاھوری"کی فرمائش پر کیا تھا ۔ ان کے علاوہ تذکرہ نگاروں نے ان کتب کا بھی تذکرہ کیا ھے مگر یہ کتابیں نہ کہیں طبع ھوئیں اور نہ ھی ان کے مخطوطات کا پتہ چلتا ھے ۔

زبدتہ الافکار

القول المحیط

حاشیہ شرح تہذیب

کتاب شھود وغیرہ

باب پنجم — علمی مرتبہ اور مقام —

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی عہد شاہ جہانی کی ان مایہ ناز ھستیوں میں سے ھیں جن کا علمی بتحر دینی بصیرت مجتھدانہ ذوق اور احکام اسلامی کی کلیات و جزئیات پر کامل دسترس عوام و خواص کے نزدیک مسلم تھی ان کی شخصیت اپنے معاصرین میں اس حیثیت سے ممتاز ھے کہ انھیں علوم عقلیہ و نقلیہ میں بڑی مہارت تھی وہ ایک فاضل مصنف اور انشا پرداز بھی تھے جس طرح وہ درس و تدریس میں مہارت فن کا ثبوت دیتے تھے اسی طرح تصنیفات و تالیفات میں زور قلم اور متانت بیان کا پورا دھیان رکھتے تھے ۔ ان کے ذاتی کمالات ان کا تقوی نیز ان کا علمی بتجر معاصرین میں ان کے علمی مرتبہ و مقام کو متعین کرنے کے لئے کافی ھے ان کی شہرت ان کی زندگی میں ھی قسطنطنیہ

ایران ترکی وغیرہ میں پہنچ چکی تھی ان کا تصنیفی میدان شروح و حواشی
کا رہا ہے ۔

استـــاذ کی حیثیت سے ـــ

مولانا سیالکوٹی کو شاہ جہاں نے سیالکوٹ میں ایک بہت بڑی جاگیر عنایت کی تھی ۔ انھوں نے اپنی قیام گاہ کے قریب ہی ایک عظیم الشان مدرسہ اور مسجد تعمیر کی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ مدرسہ آج کی اصلاح میں اسلامی یونیورسٹی کی شکل اختیار کرگیا ۔ ایک استاد کا جو مقام اور ذمہ داریاں ہوتی ہیں وہ مکمل طور پر ان کی ذات میں پائی جاتی ہیں ۔

مصنف کی حیثیت سے ـــ

درس و تدریس کی معروف ترین زندگی گذارنے اور عوام و خواص میں گہرے مراسم ہونے کے باوجود مولانا سیالکوٹی تصنیفی و تحقیقی ذوق بھی رکھتے تھے ان کی شخصیت اس حیثیت سے بھی منفرد ہے تصنیفی میدان میں جب ہم ان کو دیکھتے ہیں تو ان کے تگ و تاز کا محور مختلف موضوعات ہیں وہ تفسیر علم کلام منطق و فلسفہ نحو بلاغت اصول فقہ وغیرہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے ان تمام علوم میں آپ کی یادگار تصانیف ہیں ۔

مفـــسر کی حیثیت سے ـــ

ان کی شہرت دیگر حثیات کے علاوہ ایک مفسر کی حیثیت سے بھی ممتاز ہے "تفسیری خدمات میں جہاں انھوں نے ایک طویل عرصہ تک طالبان علوم

نبوت کو قرآنی علوم سے فائدہ پہنچایا وہیں ان سورتوں کی تفسیر لکھکر اپنے موضوع پر منفرد تفسیر تیار کی - ان کا حاشیہ بیضاوی دوسرے مفسرین کے مقابلے میں آسان ہے ان کا یہ حاشیہ دوسرے پارے کے 3/4 تک ہے علامہ بیضاوی چونکہ شافعی مکتب کے پیرو تھے چنانچہ فقہ حنفی سے وابستگی ہونے کی وجہ سے وہ اپنے مکتب فکر کے تمام دلائل و شواہد کا پورا دفاع کرتے ہیں گویا ان کا یہ حاشیہ بیضاوی کا سنی ایڈیشن ہے -

اصول فقہ کے ماہر کی حیثیت سے

ان کی شہرت ایک اصولی کی حیثیت سے بھی بہت زیادہ ہے فقہ کے موضوع پر ان کے مشہور حواشی نے ان کو حیات جاوداں عطا کردی ہے اس کے علاوہ ان کے علمی مقام کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی تمام کتب خواہ وہ کسی بھی موضوع پر ہوں اپنی معلومات اور انداز بیان کے اعتبار سے بے نظیر ہیں اور تین صدیاں گذرنے کے باوجود قدیم یا جدید کتابوں میں سے کوئی بھی ان کا بدل نہ بن سکیں - ہندوستانی علماء میں صرف مولانا عبدالحکیم ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کا نام ہی اس تالیف کی عمدگی و برتری کا بذات خود ضامن ہے -

ادیب کی حیثیت سے

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی تحریروں کا مطالعہ جب ہم اس حیثیت سے کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ مفسر مجتہد کلام و فلسفہ کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ زبان و ادب کے نشیب و فراز سے بھی واقف تھے -

مندرجہ بالا سطور میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے علمی مرتبہ و مقام کے تعین کیلئے ہم نے ان کی شخصیت کا مطالعہ جن مختلف پہلوؤں سے کیاہے ان سے بآسانی یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ واقع ہر حیثیت سے انکا علمی مقام بہت بلند ہے -

MOULANA ABDUL HAKEEM SIALKOTI (d-1067 A. D.)
LIFE AND WORKS

ABSTRACT

THESIS SUBMITTED FOR THE DEGREE OF

Doctor of Philosophy

IN

Arabic Literature

BY

NAHIM-UN-NISA

Under the Supervision of

DR. MASUD ANWAR ALAVI

(READER)

DEPARTMENT OF ARABIC
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH (INDIA)

1997

مولانا عبد الحکیم سیالکوٹیؒ

حیات اور کارنامے

(مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی)

عربی ادب

مقالہ نگار :

نعیم النساء

نگراں :

ڈاکٹر مسعود انور علوی (ریڈر)

شعبہ عربی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ (یو۔پی) انڈیا

۱۹۹۷ء

Phones [External : 7162
Internal : 234

DEPARTMENT OF ARABIC
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH—202 002

Dated ....

TO WHOM IT MAY CONCERN

This is to certify that the thesis entitled ***"Maulana Abdul Hakeem Sialkoti (D.1067 A.D.) Life and Works"*** submitted by ***Ms. Nahim-un-nisa***. This is original contribution to the field of literature. Therefore it is now forwarded for the award of Ph.D. in Arabic.

Dr. M.A. Alavi
SUPERVISOR

بسم الله الرحمن الرحيم

انتساب :

میں اس علمی کاوش
کو
اپنے والدین
کی
ذات بابرکات کے نام
معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتی ہوں
جن کی دعاہائے نیم شبی کے فیض سے
مجھے تحصیل علم
اور
لکھنے پڑھنے کی توفیق ملی
اور
انشاء اللہ آئندہ بھی
ادبی مشاغل کی راہیں
ہموار ہوں گی۔

فہرست عنوانات :

صفحہ نمبر

مقدمه

مقدمہ

سر زمین ہندوستان ابتدا' اسلام ہی سے آفتاب نبوت کی کرنوں سے منور رہی اور ہر دور میں ماہرین علوم دینیہ علما' صوفیا' کرام اور بزرگان دین کی بڑی تعداد سے معمور رہی ہے ۔ حضرت عمر فاروق رض کے دور خلافت سے مسلمان اس سر زمین کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور پھر انفرادی اور اجتماعی طور پر ائمہ محدثین اور علما' و صوفیہ اور فقہا یہاں تشریف لاتے رہے ۔

یہاں جن علما' اسلام نے علم و عمل اور زہد و تقوی کی قندیلیں روشن کیں ان میں تبع تابعین کے زمرہ میں کئی اہم شخصیتوں کے نام ملتے ہیں ۔

"اسرائیل بن موسی " تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے تھے ۔

"ربیع بن صبیح ۔ ایک اسلامی فوج کے ہمراہ مجاہد کی حیثیت سے وارد ہوئے تھے اور ایک بیماری کے سبب یہیں ان کا انتقال ہوا اور اسی سر زمین میں مدفون ہوئے ۔

ابو معشر نجیح سندھی الاصل تھے لیکن سندھیوں اور مسلمانوں کی ایک جنگ میں گرفتار ہوکے حجاز چلے گئے تھے اور وہیں کے ہوکر رہ گئے ۔

عربوں کے عہد میں سندھ علم و ادب کا گہوارہ بن چکا تھا ۔ محمد بن قاسم جو سندھ کا فاتح تھا اس کی معارف پروری اور علم دوستی کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ اس نے سندھ میں جگہ جگہ مساجد تعمیر کروائیں تھیں ۔ اور اس کی یہاں سے واپسی کے بعد ان مساجد نے درس و تدریس کے مراکز کی حیثیت اختیار کرلی جنھوں نے دنیا کو ایسے صاحب بصیرت علما' دیئے جنھوں نے

عالم اسلام میں اپنی عظمت کا سکہ جمایا ۔

عربوں کے عہد میں دیبل کا شمار اسلام کے عظیم علمی مراکز میں ہوتا تھا ۔ دیبل میں بڑے نامور علماء حفاظ قراء محدثین اور مفسرین مقیم تھے ۔ اور ایک عالم ان کے فیضان علم سے سیراب ہو رہا تھا ۔ یہاں کے مشہور ترین علماء میں احمد بن محمد بن ہارون المقری الدیبلی ۔ علی بن موسی محدث ۔ خلف بن محمد الموازینی ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ دیبلی ۔ ابو العباس احمد بن نصر بن الحسینی القاضی الدیبلی ۔ ابوالقاسم شعیب بن محمد بن احمد بن سعید علی بن احمد بن محمد دیبلی وغیرہ ہیں ۔

دیبل کے بعد سندھ میں علم و ادب اور صنعت و تجارت کا دوسرا مرکز منصورہ تھا ۔ دیبل کی طرح منصورہ بھی اہل علم و فضل کا مرکز تھا ۔ منصورہ کے علماء میں ابو جعفر عبداللہ بن اسماعیل بن ابراہیم المعروف بابن بویہ ابو محمد عبداللہ بن جعفر بن حرہ اور ابوبکر احمد بن محمد منصوری بکرآبادی وغیرہ کافی شہرت رکھتے ہیں (1)

الغرض ہندوستان میں عربوں کی آمد کے بعد ہی سے اسلامی علوم و فنون اور عربی زبان و ادب کی ترویج و اشاعت شروع ہوگئی تھی چنانچہ ہندوستان کے مختلف گوشوں میں ایسے بڑے بڑے نامور اور نابغہ روزگار علماء فقہاء ادباء اور شعراء پیدا ہوئے جنھوں نے نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ بیرون ملک خصوصاً عرب

---

(1) قاضی اطہر مبارکپوری ۔ رجال السند و الہند : 284 ۔ یاقوت الحموی معجم البلدان: 258 محمد معصوم بھکری تاریخ سندھ : 23 سید سلیمان ندوی ۔ عرب و ہند کے تعلقات : 14 - سید سلیمان ندوی ۔ عربوں کی جہاز رانی : 59

دنیا میں اپنے متجر اور علمی فضیلت کا سکہ جمایا اور خراج تحسین حاصل کیا۔

علامہ حسن صغانی لاہوری (570/1174ء) — 650ھ/1252ء)
صاحب مشارق الانوار طنبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ اور العباب الزاخر
علاء الدین علی بن احمد مہائمی (م 835ھ/1431ء) صاحب تبصیر الرحمان و
تیسیر المنان - شیخ مبارک ناگوری (1001ھ/1592ء) صاحب منبع عیون المعانی
شیخ ابوالفیض فیضی (1004ھ/1595ء) صاحب سواطع الالہام شیخ احمد بن
ابو سعید (1130ھ/1718ء) صاحب تاج العروس فی شرح القاموس۔ علامہ غلام
علی آزاد بلگرامی (1200ھ/1785ء) صاحب سبحتہ المرجان فی آثار ھندوستان
اور السبحتہ الیسارتہ نیز بانی درس نظامی ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی
(1161ھ/1748ء) ملا عبد العلی بحرالعلوم (1225ھ/1810ء) لکھنؤ کے
خاندان اجتہاد کے افراد خیرآبادی خاندان کے نامور حضرات اور دھلی کے
ولی اللھی خاندان کے بزرگوں کے علاوہ لاتعداد مشاہیر ایسے ھیں جن کے
علم و فضل کا اعتراف اپنوں بیگانوں سبھی نے کیا ھے۔

موجودہ ھندوستان کے مسلمانوں پر لازم ھے کہ وہ اس خیال کو مدنظر رکھیں کہ آج دنیا بھر میں مسلمانوں کو جو بھی تھوڑی بہت سرفرازی حاصل ھے وہ بڑی حد تک اسلاف کے عظیم الشان کارناموں اور علمی وقار کی بناء پر ھے چنانچہ یہ وقت کا اھم تقاضا ھے کہ ایسی مایہ ناز ھستیاں جو گوشہ گمنامی میں ھیں اور لوگ ان کے کارناموں کو تو کیا ناموں سے بھی بس یونہی واقف ھیں ان پر تحقیقی کام کرکے ان کی شخصیت کو اجاگر کیا جائے تاکہ ان کے علمی و ادبی سرمایہ سے لوگ زیادہ سے زیادہ مستفید ھوسکیں ۔ ھندوستان کے فارسی علی و شعرا پر تو کچھ کام ھوا ھے مگر عربی علماء میں سے بکثرت ابھی بھی گوشہ گمنامی میں ھیں ۔

ڈاکٹر زبید احمد نے ھندوستانی عربی ادب میں —
The Contribution of India to Arabic Literature
کے نام سے کام کیاتھا - اور اسی طرح ماضی قریب میں سید عبدالحئی رائے بریلوی مرحوم نے " الثقافتہ الاسلامیتہ فی الھند " اور "نزھتہ الخواطر" مرتب کرکے اس میدان میں قابل قدر پیش رفت کی تھی لیکن ڈاکٹر زبید احمد کا کام اس وقت کے لحاظ سے تو بہت اھمیت کا حامل تھا - چونکہ جس وقت انھوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا تھا اس وقت وسائل بہت محدود تھے - تمام کتب خانوں سے استفادہ کرنا انتہائی دشوار تھا - لیکن دور حاضر میں یہ کتاب اراتہ الطریق کا فریضہ انجام دے رھی ھے البتہ سید عبدالحئی نے اھل علم اور تحقیق کے طالب علموں کے لئے نمایاں کارنامہ انجام دیا ھے - اس کے بعد ھندوستان میں اس موضوع پر سست رفتاری سے کام ھوتا رھا اور موجودہ دور میں بھی اھل علم و تحقیق نے اس جانب کچھ توجہ دی ھے لیکن ابھی تک ھندوستان میں عربی ادب کا یہ بیش بہا خزانہ پردہ" خفا میں ھے اور اس کو منظر عام پر لانے کی سعی مسلسل جاری ھے - شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں بھی اس پر تحقیق کا سلسلہ تیزی کے ساتھ جاری ھے - جناب ڈاکٹر مسعود انور علوی ریڈر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی نے اس سلسلہ میں "عربی زبان و ادب میں اودھ کا حصہ" "کواکب" اور " اودھ کے چند عربی علما" جیسی کتب تحریر کرکے اس کام کو مزید آگے بڑھایا ھے -

ھندوستان میں مغلوں کی آمد بلا شبہ تاریخ عالم کا ایک عظیم الشان واقعہ ھے تعلیمی و تہذیبی نقطہ نظر سے مغلوں کی آمد نے ھندوستان کی حیات اجتماعیہ کے دامن کو بےشمار گل ولالہ سے بھر دیا تھا - اور ان کی آمد سے

معیشت و معاشرت اور تعقل و تفلسف کی ایسی ایسی لہریں اٹھیں جن سے صدیوں پہلے اور بعد کے دور دراز گوشے تک متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے -

ظہیر الدین محمد بابر اور اس کا جانشین ہمایوں دونوں معارف پروری اور علماؑ نوازی میں نمایاں مقام رکھتے تھے اس دور کے جن مقتدر علماؑ نے ہندوستان کے علمی افق کو تابناک بنائے رکھا ان میں ملا حسین واعظ کاشفی شیخ سیف الدین تفتا زانی میر جمال الدین محدث شیخ زین الدین خوانی خاں شیخ عبدالقدوس گنگوہی شیخ امان اللہ پانی پتی شیخ محمد غوث گوالیاری کافی مشہور ہیں -

عہد اکبری کی علمی سرگرمیاں بھی کچھ کم نہیں ہیں بلکہ بعض فنون میں اس دور میں خاص طور سے کام ہوا ہے - جو سلسلہ پہلے سے یہاں چلا آرہا تھا وہ یہاں بھی جاری رہا اور اکبر نے اپنی حکومت کے ابتدائی سالوں میں علماؑ نوازی کی بہترین مثال قائم کی تھی اگرچہ بعض اسباب کی وجہ سے اس کی یہ خصوصیت باقی نہ رہ سکی - تاہم اس کے دور میں بڑے بڑے ماہرین فن موجود تھے - اور ہر سطح پر علوم دینیہ کی خدمت کر رہے تھے - شیخ عبدالنبی گنگوہی شیخ الاسلام عبداللہ سلطانپوری ابوالفضل اور فیضی وغیرہ اس دور کی مشہور شخصیات ہیں - عہد جہانگیری علوم و فنون کی سرپرستی کے لئے کافی شہرت رکھتا ہے - بادشاہ نے چونکہ تعلیم و تربیت اچھی پائی تھی اس لئے اس کے گرد علماؑ و فضلاؑ کا اجتماع رہتا تھا - عبدالحق محدث دہلوی اور شیخ احمد سرہندی عہد جہانگیری کی ممتاز ہستیاں ہیں - جن کے اثرات ہندوستان کے ذہن و فکر پر بڑے دور رس پڑے -

جہانگیر کے بعد جس علم پرور بادشاہ اور تہذیب و تمدن کے معمار کے ہاتھوں میں حکومت آئی وہ شاہ جہاں ہے اس نے خاندان مغلیہ کی روایت کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اس میں تنوع بھی پیدا کیا ۔ جہاں تک عہد شاہ جہانی کا تعلق ہے وہ اپنی علمی جدوجہد اور معارف پروری کے لئے ہر دور سے نمایاں ہے تاریخ شاہد ہے کہ عہد شاہ جہانی نے دنیا کو وہ جلیل القدر فقیہہ مفسر محدث اور ماہرین علم و فن عطا کئے جو اپنی متجر علمی اور دینی بصیرت کے لئے منفرد مقام رکھتے ہیں ۔ اسی علمی و دینی فضا میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی صلاحتیں ابھرتی ہیں مسند درس و تدریس اگرچہ انھوں نے بہت پہلے عہد اکبری ہی میں سنبھال لی تھی اور ہزاروں تشنگان علم و معرفت ان کی طرف رجوع بھی کر رہے تھے اور ان کا قائم کردہ مدرسہ اس وقت کے ہندوستان کی اسلامی یونیورسٹی میں تبدیل ہو چکا تھا ۔ لیکن ان کو صحیح عروج عہد شاہ جہانی میں حاصل ہوا ۔

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی زندگی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو وہ عزم و استقلال اور ہمت و حوصلے کے کوہ ہمالیہ پر نظر آتے ہیں جو کام بھی انجام دیا پورے عزم و استقلال کے ساتھ انجام دیا ۔ انھوں نے الحاد اکبری کا جس شان سے مقابلہ کیا اور ہندستانی مسلمانوں کو ذہنی طور پر بلندی کے اس مقام پر لاکھڑا کیا کہ زمانہ قال اللہ و قال الرسول کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھا ۔

ان کو شیخ کمال الدین کشمیری نے ابتدائے تعلیم سے ہی خصوصی تربیت میں رکھ کر اس نہج سے سنوارا تھا کہ انھوں نے تا عمر مسلمانان ہند

کی قیادت کی - وہ اپنے جملہ اوصاف کے لحاظ سے بدیع الزماں نادرالعصر اور یکتائے روزگار اور محاسن اعمال اور بلند اخلاق و کردار کے لحاظ سے بالکل منفرد اور بے مثال تھے ان کا علمی ذوق اور خوب سے خوب تر کی تلاش و جستجو انھیں درس و تدریس کے علاوہ جب تصنیف و تالیف کی طرف بھی متوجہ کرتی ہے تو کئی قابل قدر کتب کی شرحیں اور حواشی عالم وجود میں آتے ہیں جن کی علمی شہرت اور ادبی و دینی مقام بڑے بڑے نامور علماء کو خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور کردیتا ہے -

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے اپنی فقہانہ عقدہ کشائیوں اور مفسرانہ نکتہ سنجیوں کی بدولت دنیائے علم و ادب میں ایک بلند مقام حاصل کرلیا - اور ان کی علمی بصیرت نے ان میں قرون اولی کے اسلاف کا رنگ پیدا کردیا تھا- لیکن افسوس کا مقام ہے ایسے فرید العصر عالم (جن کی فقیہانہ موشگافیوں اور مفسرانہ نکتہ سنجیوں سے آج بھی عربی مدارس کی فضائیں اور در و دیوار گونج رہے ہیں) پر ہندوستان میں کوئی تحقیقی علمی کام نہیں ہوا اور آج بھی ان کی ہمہ گیر شخصیت کے تہ در تہ پہلو پردۂ خفا میں ہیں میں سابق صدر عربی پروفیسر محمد راشد کی بھی ممنون ہوں جنھوں نے اس موضوع کی منظوری عطا کی - چنانچہ میری پی - ایچ - ڈی کے تحقیقی مقالہ کا موضوع "مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی حیات اور کارنامے" ہے - مقالہ ھذا کو پانچ ابواب میں حسب ذیل عنوانات کے تحت مرتب کیا گیا ہے -

باب اول - عہد مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے سیاسی سماجی اور علمی و ادبی حالات -

باب دوم - وطن خاندان ولادت تعلیم و تربیت اساتذہ علمی مشاغل وفات اولاد تلامذہ اور رفاھی یادگاریں -

باب سوم - مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے معاصر علماء (معاصرین میں صرف چھ علماء کو اولیت دی گئی ھے) -

1 - شاہ محب اللہ الہ آبادی

2 - ملا عبدالسلام دیوی

3 - سعد اللہ خاں

4 - شیخ عبدالحق محدث دھلوی

5 - حضرت میاں میر لاھوری اور

6 - ملا محمود جونپوری ھیں

باب چہارم - علمی و ادبی کارنامے

تفسیر فقہ عقائد و علم کلام منطق و فلسفہ علم نحو و بلاغت مستقل تصانیف متفرق

باب پنجم - مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا علمی مرتبہ و مقام

مقالہ کے آخر میں ان کتب کی فہرست بھی دیدی گئی ھے جن سے بالواسطہ استفادہ کیا گیا یا جن سے حوالہ کا کام لیا گیا -

کسی ایسے موضوع یا علمی شخصیت پر تحقیق و جستجو کا عزم کرنا جس پر آج تک کم سے کم ھندوستان میں کوئی تحقیق و تلاش کا کام نہ ھوا ھو جوئے

شہر لانے سے کم نہیں ھے اور ایک ادنی طالب علم کے لئے تو سخت آزمائشی مرحلہ ھے لیکن جب فضل ایزدی شامل حال ھو تو دشوار گذار راستوں کے لئے خضر راہ بھی میسر ھو جاتے ھیں ۔

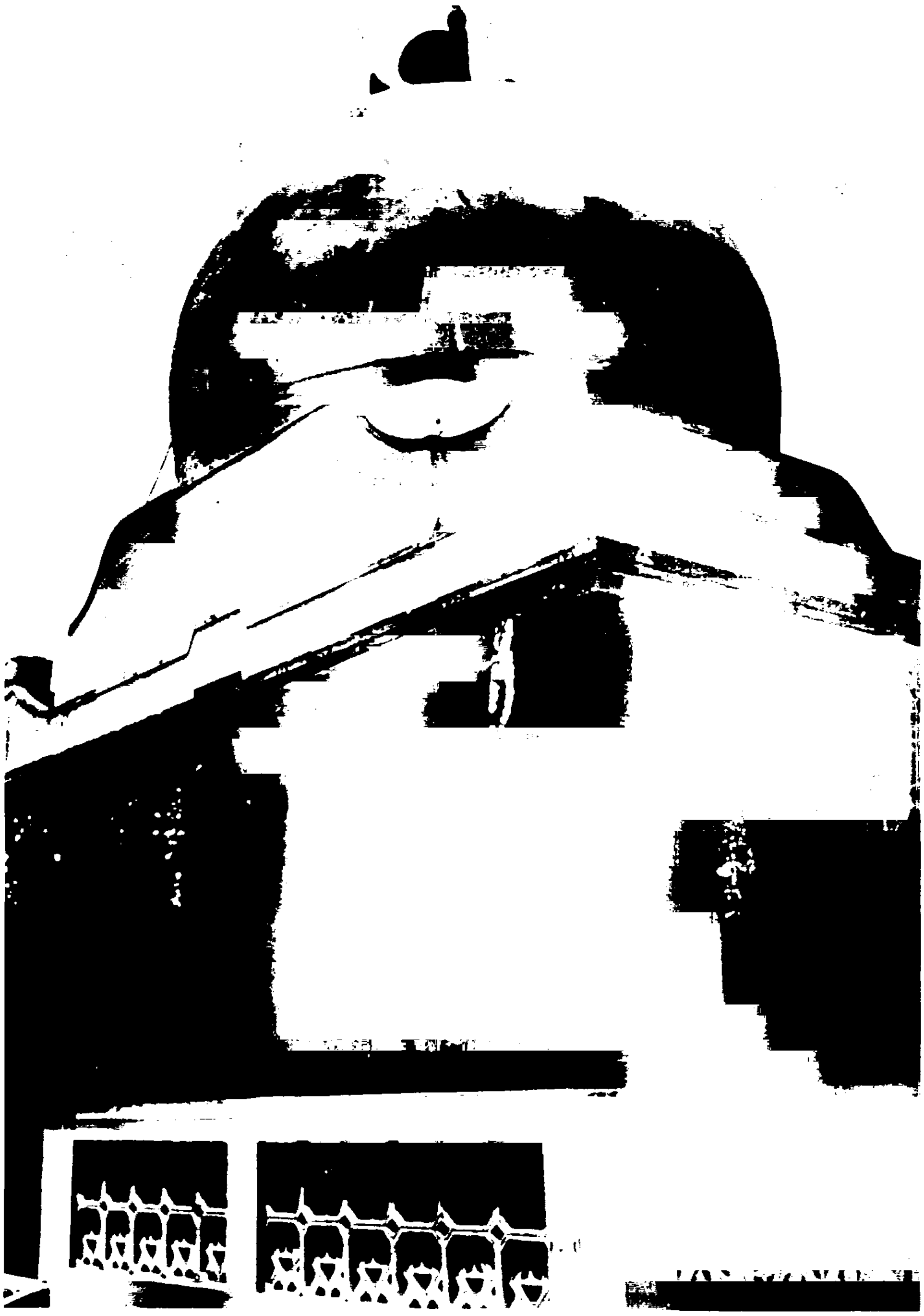
چنانچہ اس مقالے کی تکمیل کے لئے میں نے پاکستان کا سفر بھی کیا جس میں مجھے کامیابی ملی ۔ اور سیالکوٹ میں مجھے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا مزار دیکھنے کا موقع ملا اس طرح تصاویر کے ذریعہ ان کی آخری آرام گاہ کو اپنے مقالے کے لئے محفوظ کرلینے کی دیرینہ خواھش کی تکمیل ھوئی جس کی مختلف کاپیاں مقدمے کے بعد منسلک ھیں ۔ اور اس دشوار اور اھم کام کے لئے اللہ تعالی نے تمام دنیاوی سہولتیں اور مواقع عطا کئے اور ان کے لئے ضروری وسائل بھی مہیا کئے اور آج جب تحقیقی کام اپنے اختتامی مراحل طے کر چکا ھے تو بے ساختہ اپنے رب کریم کے لئے زبان پر شکر و احسان کے کلمات جاری ھیں ۔

میں اپنے کرم فرماؤں جناب ڈاکٹر ظہور الحق صاحب ریڈر شعبہ عربی اور جناب ڈاکٹر مسعود انور علوی صاحب ریڈر شعبہ عربی جو میرے تحقیقی سفر میں یکے بعد دیگرے رھبر و راہ نما رھے ھیں کی انتہائی ممنون ھوں جن کی سرپرستی نے کام کرنے کا حوصلہ دیا اور جن کے قیمتی مشوروں نے سمت سفر کے تعین میں آسانی فراھم کی ۔ میں خاص طور پر ڈاکٹر مسعود انور علوی صاحب کی تہہ دل سے مشکور ھوں جن کی پر خلوص شفقت نے تحقیق و تلاش کی دشوار گذار راھوں میں قدم قدم پر میری رھنمائی فرمائی اور اپنے علمی و تحقیقی کرم بے پایاں سے اتنا نوازا کہ میرے تحقیقی سفر کی تمام مشکلیں آسان ھوگئیں ۔

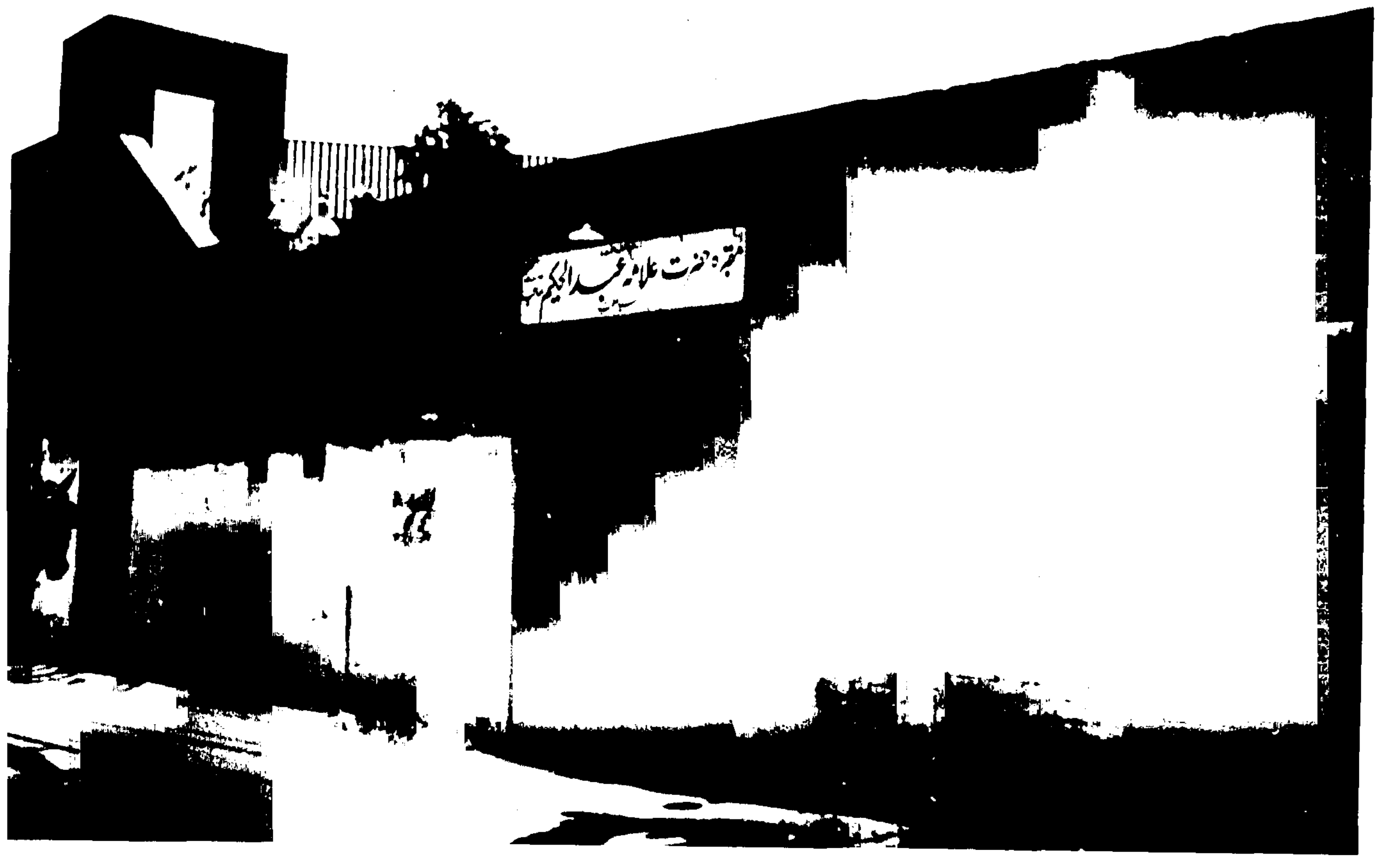
آخر میں ان تمام کرم فرماؤں اور احباب کی بھی ممنون ہوں جنھوں نے اس مقالے کی تکمیل اور تحقیقی سفر کے لئے میرے حوصلے بڑھائے اور مجھے امنگ عطا کی ۔ ان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے سوچتی ہوں مگر الفاظ نہیں ملتے اس سب کے باوجود وہ تمام احباب اور کرم فرما جانتے ہیں کہ میرے دل و دماغ کی لوح پر ان کے نام کیسے احساس تشکر کے ساتھ ثبت ہیں -

اس مقالے کی ترتیب و تحریر میں ان سب ساتھیوں عزیزوں دوستوں کی مجھ پر بڑی عنایات ہیں لہذا ان کے شکریے کی یہ سطور لکھ کر صحیح معنوں میں مجھے احساس ہوا کہ ہاں اب یہ مقالہ مکمل ہے -

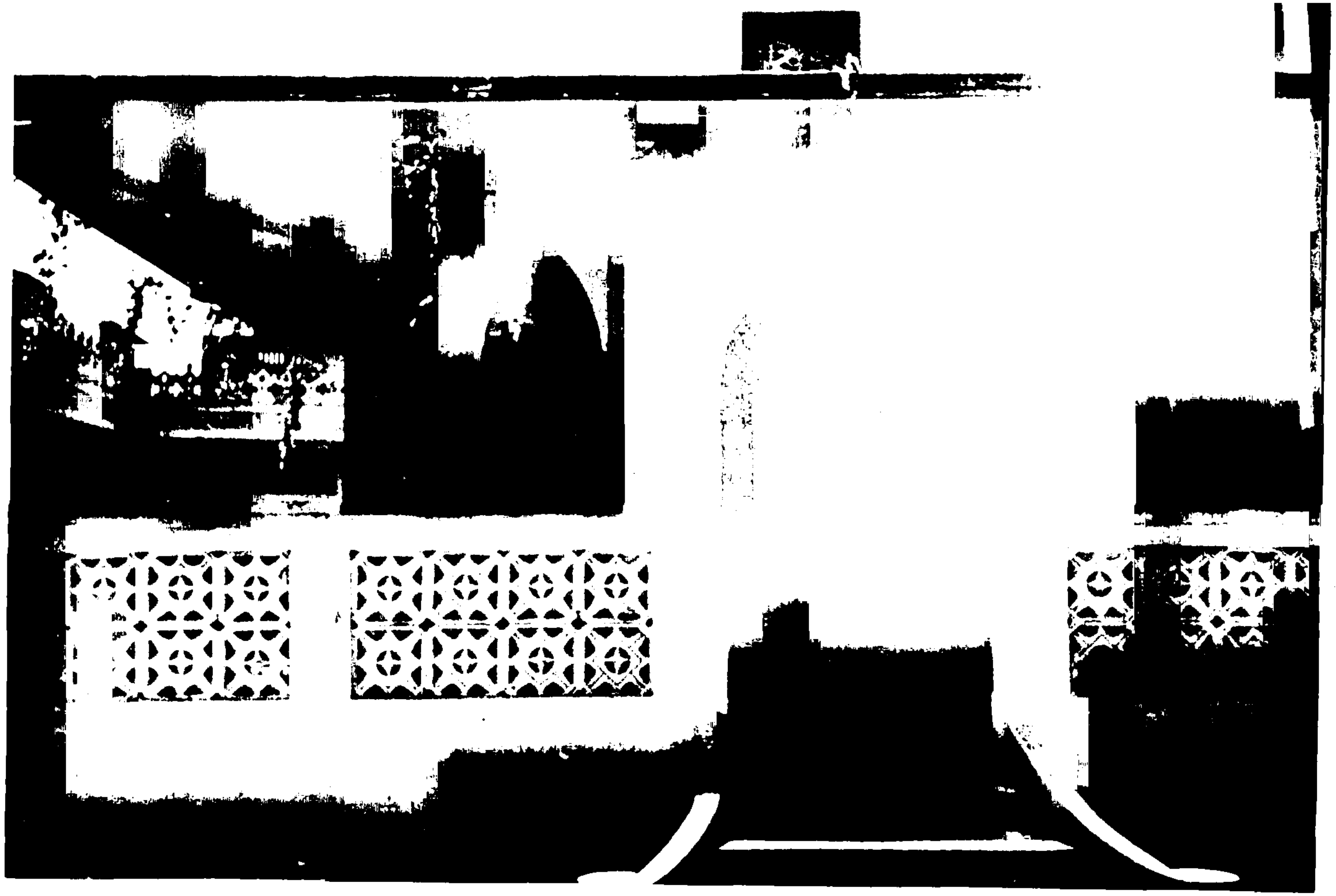
نسیم النساء



مزار مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی



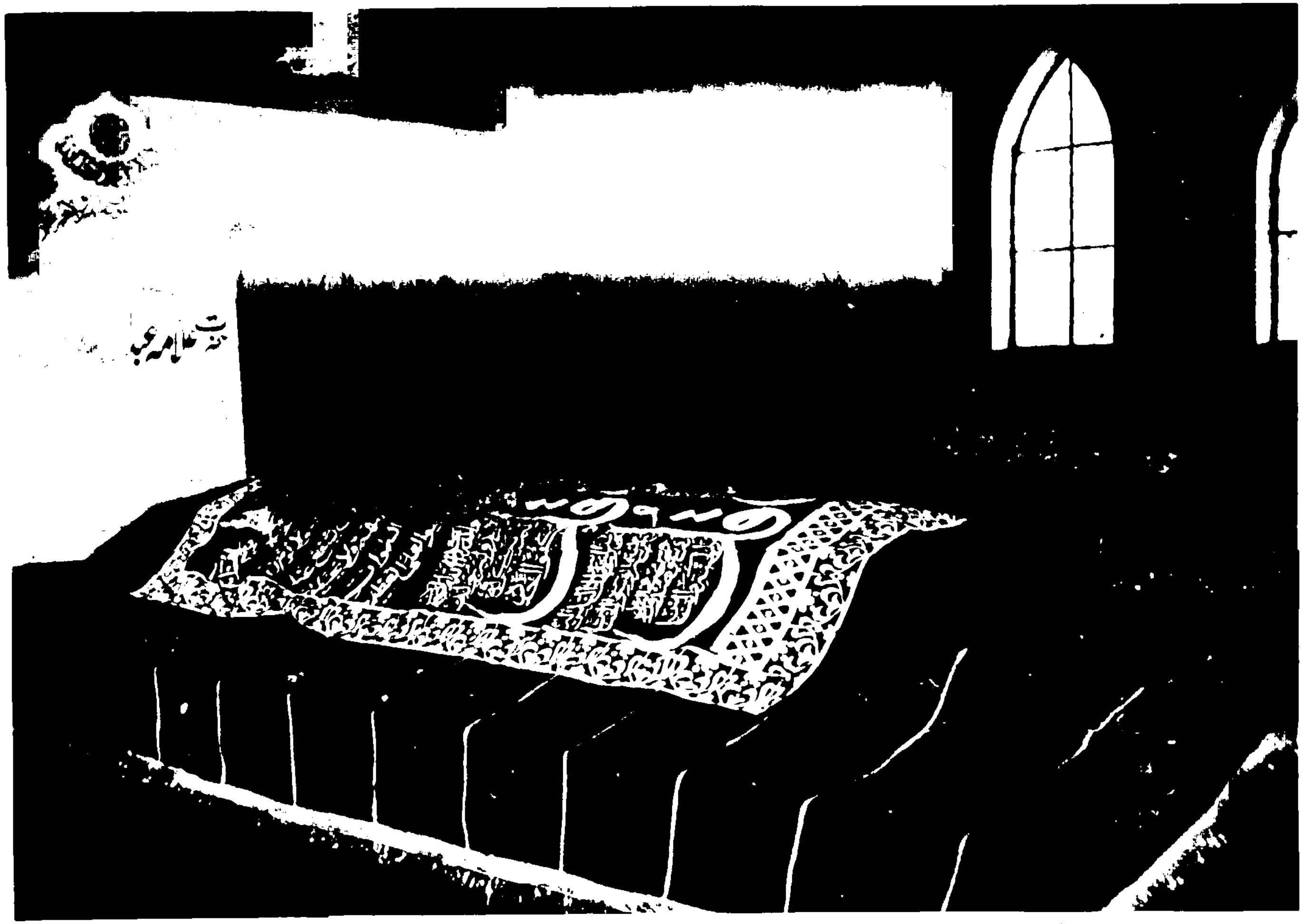
مزار کا صدر دروازہ



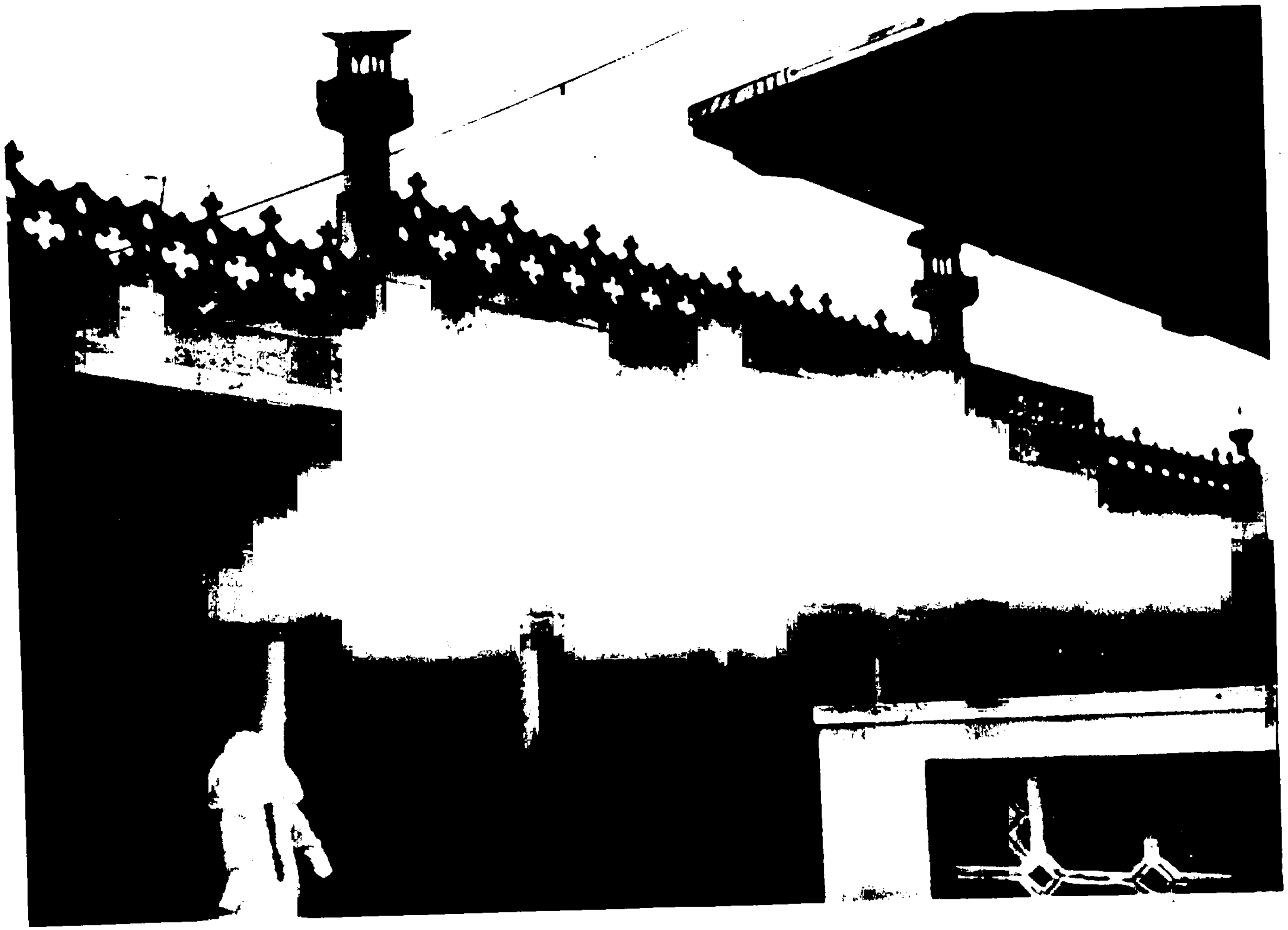
داخلے کا راستہ



مزار پر نصب شدہ کتبہ



مولانا کی آخری آرام گاہ۔ پس منظر میں ان کے صاحبزادے مولوی عبداللہ کا مزار



مزار سے ملحقہ مسجد

بابِ اوّل :

عہد مولانا عبد الحکیم سیالکوٹیؒ

— سیاسی حالات
— سماجی و مذہبی حالات
— علمی و ادبی حالات

سیاسی حالات

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے ۔ تذکرہ کی مختلف کتابوں میں یہ اختلاف اس قدر ہے کہ کہیں عہد عالمگیری کا مشہور مؤرخ بختاور خاں اپنی تصنیف "مرآتہ العالم" میں 988ھ میں لکھتا ہے تو دوسری طرف ڈاکٹر محی الدین صوفی ان کی تاریخ پیدائش 968ھ لکھتے ہیں مگر ایک بات طے ہے کہ ان کا عہد دسویں صدی کا نصف آخر اور گیارھویں صدی کا اوائل ہے [1]

دسویں صدی کے اوائل میں لودھی خاندان کی حکومت تھی جس کا آخری حکمراں ابراھیم لودھی 932ھ میں سلطنت مغلیہ کے بانی ظہیرالدین محمد بابر (888ھ تا 939ھ) کے ھاتھوں قتل ھوا ۔ اور سلطنت مغلیہ جو ھندوستان کی مسلم سلطنتوں میں سب سے وسیع مستحکم و منظم اور طویل العمر سلطنت تھی کی بنیاد پڑی ۔ لودھی خاندان اپنی افغانی روایات کی بنا پر اسلام کا حلقہ بگوش اور حنفی مذھب کا پابند تھا اسی صدی کے پانچ خوش نصیب سال شیرشاہ سوری (م 1545ء) کے زیر حکومت گزرے جس سے زیادہ صاحب علم اور دیندار حکمراں نہیں گزرا ۔ اس کے انتقال کے بعد سے اکبر کی تخت نشینی تک ھندوستان کو سیاسی و انتظامی استحکام اور رعایا کو فارغ البالی نصیب نہ ھوئی [2]

لہذا دسویں صدی ھجری کا نصف آخر اور گیارھویں صدی کا عہد ھندوستان میں مغل سلطنت کا عہد ھے جس میں یکے بعد دیگرے تین نامور

---

(1) دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) (ص۔ العجلی) ج - 12 ص 835

(2) سید ابوالحسن ندوی ۔ تاریخ دعوت و عزیمت ج - 4 ص 28

حکمراں تخت پر بیٹھے ـــ

جلال الدین محمد اکبر (1556ء / 963ھ تا 1605ء / 1014ھ)

نور الدین جہانگیر (1605ء/1014ھ تا 1627ء / 1036ھ)

شہاب الدین شاہ جہاں (1627ء/1036ھ تا 1658ء / 1068ھ)

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے ایک طویل عمر پا کر عہد شاہ جہانی کے خاتمے کے ساتھ ساتھ ھی داعی اجل کو لبیک کہا ۔ ھندوستان میں مغلوں کی آمد بلا شبہ ایک تاریخ ساز واقعہ ھے اور سیاسی اعتبار سے ھندوستان میں ایک نئے دور کا آغاز بھی ۔ ھندوستانی سیاسی نظام کا تعین جغرافیائی معاشی اور ذھنی ماحول سے کیا جاسکتا ھے ۔ یہاں سماج کی تنظیم شہری ریاست پر نہیں بلکہ ملکی سیاست کی بنیاد پر تھی اور شہنشاھیت کا رواج محض اس وجہ سے تھا کہ یہاں جنگ کا رواج عام تھا اور اس کا تقاضا قوت کی فراھمی اور اپنی فوجی طاقت بڑھانا تھا ۔ ملک کی بنیادی جغرافیائی اور تہذیبی وحدت کا نتیجہ یہ ھوا کہ ریاستوں کی تعداد بڑھتی گئی اور آپسی جنگ و جدل اور لڑائی نے حکومت کو واضح طور پر شہنشاھیت کی شکل اختیار کرنے اور عوام کو مضبوط نظام حکومت قبول کرنے پر آمادہ کیا ۔ چنانچہ ھندوستانی سماج نے خود کو اس کے تحت منظم کیا اور چونکہ مغل حکومت اپنی فطرت کے لحاظ سے مطلقاً شہنشاھیت پسند تھی ۔ لہذا اس کی بنیاد نہ ذات پر تھی اور نہ قوت پر کیونکہ یہ بات ناممکن تھی کہ ایک وسیع و عریض ملک جس کی آبادی کے باشندوں کی کثیر تعداد جو لاکھوں دیہاتوں اور قصبوں پر مشتمل تھی محض قوت کے زور پر اس پر زیادہ عرصہ تک تسلط قائم رکھا جاتا اور مغل حکومت کو ڈیڑھ صدی سے زیادہ قائم رکھنے

کے لئے اس سے زیادہ مضبوط بنیاد کی ضرورت تھی ۔ لہذا انھوں نے خلافت سے ملتے جلتے اختیارات اپنا کر ایک عظیم الشان اسلامی حکومت کا آغاز کیا ۔

بابر نے دسویں صدی کے شروع میں لودھی خاندان کو شکست دے کر دھلی سلطنت پر قبضہ کیا لیکن دھلی کی فتح کے چار سال بعد ھی وفات پا گیا اس طرح اسے استحکام سلطنت کا پورا موقع ھی نہ ملا چنانچہ اس کا جانشین ھمایوں (937ھ تا 963ھ) تخت پر بیٹھتے ھی شورشوں کا شکار ھوگیا اور صرف دس سال کے بعد ھی شیرشاہ سوری نے اسے شکست دے کر ملک بدر کردیا ۔ اس کے بعد ھمایوں نے اپنی عمر کے آخری ایام میں شاہ ایران کی مدد سے تخت دھلی دوبارہ حاصل کیا ۔ وہ ابھی ھندوستان کو پوری طرح متحد بھی نہ کر پایا تھا کہ چند ماہ بعد اپنے کتب خانے کی سیڑھیوں سے گر کر 1556ء / 963ھ میں ھلاک ھو گیا ۔ (3)

اس کی موت کے ساتھ ھی ھندوستان ایک بار پھر شورشوں کا شکار ھو گیا کیونکہ اس وقت تک ھندوستان میں امن و امان کی فضا قائم نہ ھو پائی تھی ھمایوں کی وفات کے وقت اکبر دھلی میں نہ تھا بلکہ اپنے اتالیق بیرم خاں کے ساتھ پنجاب میں بچے کھچے سوری افغانوں کے ساتھ لڑائی میں شریک تھا ۔ وھیں کلانور کے مقام پر بیرم خاں نے اس کی رسم تاج پوشی کی اور خود اس کا سرپرست بنا ۔ ھمایوں اگرچہ دھلی پر قابض تھا لیکن سوری افغان بدستور اپنی سازشوں اور شورشوں میں مصروف تھے ۔ چنانچہ جیسے ھی ھمایوں کا انتقال ھوا ھیمو بقال نے فوراً دھلی اور آگرہ پر قبضہ کرلیا اور بکرماجیت کے نام سے بادشاہ بن بیٹھا ۔ لہذا اکبر تخت نشیں ھوتے ھی ھر طرف سے مشکلات میں گھر گیا ۔

---

(3) محمد اکرام ۔ رود کوثر ص 78

شروع شروع میں اکبر کے ہر طرف دشمن ہی دشمن تھے ۔ پنجاب میں سکندر سور کا زور تھا مشرق میں عادل شاہ سور تخت پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھا ۔ کابل میں اکبر کا سوتیلا بھائی مرزا حکیم بیگ خود مختار بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کر رہا تھا ۔ لیکن اس کا سب سے بڑا دشمن عادل شاہ سور کا وزیر تھا ۔ جو دھلی و آگرہ پر قابض تھا ۔ غرض اس وقت ھندوستان میں ایک عجیب سیاسی افرا تفراتفری پھیلی ہوئی تھی چنانچہ اکبر نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے اتالیق بیرم خاں کی سرپرستی میں 1556ء میں پانی پت کے تاریخی میدان میں بکرماجیت کو شکست فاش دے کر دھلی اور آگرہ کو دوبارہ حاصل کیا اور ھندوستان میں مغل حکومت کی دوبارہ بنیاد ڈالی ۔ اور مغل حکومت کا بانی کہلایا ۔ کیونکہ جب وہ تخت نشین ہوا تو اس وقت ھندوستان لاتعداد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا ۔ اکبر کی نو عمری کی وجہ سے کئی سال تک اس کی سلطنت کا انتظام اس کے قابل اور وفادار اتالیق بیرم خاں نے سنبھالا ۔ تخت نشینی کے فوراً بعد اکبر نے اس کی سرپرستی میں دھلی آگرہ اور پنجاب 1556ء میں فتح کئے ۔ اس کے بعد ابتدائی چار سال میں گوالیار ۔ اجمیر اور جونپور کے علاقے فتح کرکے مغل سلطنت کی سرحدوں کو تیزی سے بڑھانا شروع کیا اور چند سال میں ہی بیرم خاں نے اپنی کاوشوں سے اکبر کی سلطنت کی بنیادیں نہایت مضبوط کردیں ۔

چنانچہ جب 1560ء میں اکبر نے عنان حکومت باقاعدہ اپنے ھاتھ میں لی تو اس وقت سلطنت کافی حد تک مضبوط ہو چکی تھی لہذا اس نے اپنی فتوحات کا آغاز کرتے ہوئے 1562ء میں مالوہ اور 73 - 1572ء میں گجرات فتح

فتح کئے اس کے بعد مسلسل فتوحات کے ذریعہ بنگال کشمیر سندھ بلوچستان اور کابل کو بالترتیب 1579ء 1586ء 1592ء 1595ء اور 1585ء میں اپنی قلمرو میں شامل کرلیا ۔ قندھار کو اس کے گورنر نے خود ھی مغل حکومت کی سرپرستی میں دے دیا اور دکن اور احمد نگر کا حصّہ اس کے بالکل آخری دور میں یعنی 1600ء میں فتح ھوا لے (4)

اس طرح اس کی سلطنت بنگال سے افغانستان تک اور کشمیر سے لیکر دکن میں دریائے گوداوری تک پھیل گئی ۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ھے کہ ھندوستان کی سرحد ایران کی مشرقی سرحد سے لے کر موجودہ آسام اور ھمالیہ سے مہاندی اور گوداوری تک پھیل چکی تھی ۔ اس وقت ھندوستان کی کل آبادی نو سے دس کروڑ کے درمیان تھی ۔ اکبر نے اپنے پچاس سالہ عہد حکومت میں اتنی بڑی سلطنت قائم کردی تھی جس کی مثال ملنا مشکل ھے ۔ اس کا انتظام سلطنت بڑا قابل تعریف تھا ۔ اس نے سِول مالی فوجی ھر محکمہ میں بڑی مفید اصلاحات کیں ۔ شیخ محمد اکرام اپنی شہرہ آفاق تصنیف "رود کوثر" میں اس کی تعریف میں یوں رطب اللسان ھیں ـــــ

"اکبر کی مسلسل فتوحات اسے تاریخ میں ایک خاص درجہ دیتی ھیں لیکن ملک گیری آسان ملک رانی مشکل ۔ اکبر کا اس سے بھی اھم کام اس وسیع سلطنت کا کامیاب نظم و نسق تھا ۔ اور ملکی حکومت کے لئے نظام مرتب کرنا تھا ۔ جو معمولی تبدیلیوں کے ساتھ تمام مغلیہ دور میں

---

(4) شیخ محمد اکرام ۔ رود کوثر ص 81

> برقرار رہا - - - - - اکبر کی مسلسل فتوحات اور اس کا
> کامیاب نظم و نسق کا راز سب سے زیادہ ان امرا٫ و
> اراکین سلطنت کی قابلیت اور فرض شناسی اور وفاداری
> میں پنہاں ہے جو اکبر نے اپنے گرد جمع کرلئے تھے۔(5)

اکبر مطلق العنان بادشاہ تھا ۔ وہ سول گورنمنٹ کا اعلی افسر ہونے کے علاوہ فوج کا سپہ سالار اعظم بھی تھا ۔ انتظام حکومت کے لئے اس نے اپنی وسیع سلطنت کو 15 صوبوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور ہر صوبہ ایک صوبیدار کے ماتحت تھا جو یا تو بادشاہ کا کوئی رشتہ دار یا اعلی رتبہ کا کوئی امیر ہوتا تھا ۔ اس کی مدد کے لئے ایک دیوان ایک فوجدار ایک عامل اور دیگر کئی افسر مقرر ہوتے تھے ۔ شہروں میں مقدمات سننے کے لئے قاضی اور قیام امن کے لئے کوتوال مقرر تھے ۔ اسی لئے دور دراز صوبوں پر مغل سلطنت کی مسلسل گرفت تھی اور بغاوتوں کا بھی فقدان تھا ۔ لہذا اسی نظام کے اراکین ان صوبوں کی تمام اہم اسامیوں پر فائز ہوتے تھے ۔ اچھا کام کرنے کی بنا پر ان کو ترقی بھی دی جاتی تھی اور ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں ان کے تبادلے بھی ہوتے رہتے تھے اس کے دور میں سزائیں بڑی عبرتناک تھیں اپیل کی آخری عدالت بادشاہ تھا ۔ اس کے علاوہ اس کا فوجی انتظام نہایت اعلی تھا ۔ فوجی افسروں کو منصب دار کہا جاتا تھا اور ان کے 33 درجے ہوتے تھے چھوٹے سے چھوٹا منصب دار دس سوار اور بڑے سے بڑا دس ہزار سوار اپنی کمان میں رکھ سکتا تھا ۔ منصب دار کے بڑے درجے صرف شہزادوں اور اعلی رتبہ کے افسروں کے لئے

---

(5) شیخ محمد اکرام ۔ رود کوثر ص 81

مخصوص تھے - تمام منصب دار اپنے علاقوں میں قیام امن اور لگان کی فراھمی کے ذمہ دار تھے - جن کو عموماً تنخواھیں نقد دی جاتی تھیں لیکن بعض کو جاگیریں بھی عطا کی جاتی تھیں - شاھی فوج میں پیادے رسالہ ھاتھی توپ خانہ اور بحری جہاز بھی تھے -

اس کے عہد کا سب سے شاندار کارنامہ زمین کا بندوبست تھا - جو معمولی تبدیلیوں کے ساتھ آج بھی رائج ھے - ایک زراعتی ملک ھونے کی وجہ سے ھندوستان میں اس مسئلہ کی اھمیت صاف ظاھر ھے اور جس کا بہترین حل اس کے سب سے زیادہ تجربہ کار وزیر راجہ ٹوڈرمل اور امیر فتح اللہ شیرازی نے کیا تھا - راجہ ٹوڈر مل شیرشاہ کے زمانے میں بھی یہ کام کرچکا تھا - لہذا عہد اکبری میں تمام قابل کاشت زمین کی پیمائش کی گئی اور زرخیزی کے لحاظ سے اسے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا اور کل پیداوار کا 1/3 حصہ لگان مقرر کیا گیا - اکبر جنس کے مقابلے میں نقدی کو ترجیح دیتا تھا اسی لئے لگان عام طور پر نقدی پر مشتمل ھوتا تھا - اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ھے کہ اھم امور میں کتنی عرق ریزی سے کام لیا گیا - اور اسی وجہ سے مغل حکومت میں ایک اعتدال اور توازن و پائداری آگئی -

نظام سلطنت کے سلسلے میں اکبر میں بہت سی خوبیاں تھیں وہ منظم فاتح جنگجو اور قابل حکمراں تھا - اس میں ملک گیری اور ملک رانی کی صلاحتیں بدرجہ اتم موجود تھیں - اس نے جس طرح ھندوستان کو وسعت دی اور جس انداز سے مرتب کیا وہ اسی کا حصہ ھے اس نے ملکی نظام ایسے انداز سے مرتب کیا

تھا جو تمام مغلیہ دور میں برقرار رہا اور جس پر ہندوستان و پاکستان آج بھی بڑی حد تک عمل پیرا ہیں ۔ اس کی سلطنت کے قواعد و قوانین نہایت مضبوط اور مثالی تھے بر صغیر کا وسیع و عریض خطہ دور دراز صوبوں میں بٹا ہوا تھا۔ اور مرکز کی گرفت اس پر اس قدر مضبوط تھی کہ کہیں بغاوت یا نافرمانی کا خطرہ نہ تھا ۔ اسی وجہ سے انگریزی دور کا نظام حکومت بہت حد تک اکبر ہی کے نظام حکومت سے ہم آہنگ تھا ۔

اکبر اگرچہ زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا مگر مردم شناس اور جوہر قابل کا قدردان تھا ۔ اس نے لائق اور فرض شناس افراد اپنے دربار میں جمع کئے اور اسی لئے اس کی بےپناہ فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھا ۔ وہ پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے یہ محسوس کیا کہ سلطنت کی پائیداری اور مضبوطی تمام رعایا کی خلوص دلی اور خوش نودی پر منحصر ہوتی ہے ۔ اسی لئے اس نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرتے ہوئے ہندوؤں پر سے جزیہ ہٹا دیا اور یہ بات قابل تعریف ہے کہ جب یورپ کے حکمراں مخالف مذہب کے ماننے والوں پر ظلم کر رہے تھے اکبر نے مذہبی رواداری اور آزادی کی اشاعت کی تاریخ میں وہ پہلا شخص ہے جس کے دور میں رعایا فارغ البال اور خوشحال تھی ۔ اس نے ازسر نو ہندوستان کو فتح کرکے اپنی بہادری اور حکمت عملی سے ان مفتوحہ علاقوں میں ایک نہایت اعلی حکومت قائم کرکے سلطنت مغلیہ کی بنیادیں اتنی پختہ کردیں کہ اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ صدی تک اس کے جانشین بلاخوف و خطر حکومت کرتے رہے ۔

چنانچہ اگر دیکھا جائے تو اکبر ہی ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا بانی تھا اس نے تقریباً 50 سال حکومت کی اور ان پچاس سالوں میں اس نے ایسی مضبوط و مستحکم حکومت قائم کی جس کی مثال رہتی دنیا تک قائم رہے گی اس نے 62 سال کی عمر میں 1014ھ / 1605ء میں وفات پائی اور اپنے دارالخلافہ آگرہ سے دو کوس دور سکندرہ میں دفن کیا گیا ۔ اور مقبرے کی عمارت 20 سال میں 20 لاکھ روپیہ کی لاگت سے تیار ہوئی (6)

جلال الدین محمد اکبر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلیم نورالدین جہانگیر کے لقب سے تخت نشیں ہوا جسے اکبر سے وسیع و عریض سلطنت ورثے میں ملی تھی اگرچہ اکبر نے اس کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا مگر باقاعدہ تخت نشینی 8 جمادی الآخر 1014ھ / 1605ء میں ہوئی جہانگیر کی عمر اس وقت 36 برس تھی وہ 977ھ / 1569ء میں فتح پور میں پیدا ہوا اور 1014ھ میں جب عمر عزیز کے 36 برس گزر چکے تھے تو تخت ہند پر جلوہ افروز ہوا اسے جنگ و جدل اور فاتحانہ سرگرمیوں کی خاص ضرورت نہ تھی اسی لئے اس نے نہایت ہوشمندی اور تدبر سے کام لیتے ہوئے ملک کے اندرونی نظام کو مضبوط اور مستحکم کیا ۔ بہت سے مفید قوانین بنائے اور کئی مفید اصلاحات جاری کیں اس نے وحشیانہ سزائیں منسوخ کیں ۔ شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کا استعمال قانوناً بند کیا ۔ خاص خاص دنوں میں ذبح کرنا ممنوع قرار دیا اور اپنی رعایا سے براہ راست تعلق پیدا کرنے کے لئے قلعہ آگرہ میں زنجیر عدل

---

(6) ممتاز لیاقت ۔ شاہ جہاں نامہ ص 20

لگوادی تاکہ اسے کھینچ کر فریادی اپنی فریاد بادشاہ کے حضور پیش کر سکے ۔ اس کی سیاسی پالیسی بیشتر وہی تھی جو اکبر کی تھی ہندوؤں اور راجپوتوں کو بہت نوازتا تھا اور ملکی مفاد کے لئے اسے ضروری خیال کرتا تھا اس کا عہد فرقہ پرستی سے الگ رہا ہے ۔

جہانگیر کا عہد سیاسی طور پر امن رہا ہے مگر چونکہ مغل بنیادی طور پر ایک مہم جو قوم تھی اسی لئے اس نے بھی اپنے والد کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے کئی چھوٹی بڑی لڑائیاں لڑیں ۔ سب سے پہلے اپنی تخت نشینی کے چند ماہ بعد ہی اپنے بڑے لڑکے خسرو سے مقابلہ کرنا پڑا جس نے چند درباریوں کے کہنے میں آکر بغاوت کردی تھی لہذا جہانگیر نے اسے للاهور کے قریب شکست دے کر کابل کی طرف بھگادیا ۔ اس کے علاوہ 1614ء میں اس نے مہاراجہ میواڑ رانا امر سنگھ کو شکست دی ۔ 1610ء میں احمدنگر اور 1620ء میں کانگڑہ فتح کیا ۔ ان تمام فتوحات پر اسے بڑا ناز تھا کیونکہ ان قلعوں پر اکبر بھی اپنی فتح کا پرچم بلند نہ کرسکا تھا ۔ البتہ اس کے عہد میں قندھار کو 1622ء میں ایرانیوں نے دوبارہ واپس لے لیا تھا ۔ ان فتوحات کے علاوہ جہانگیر کا عہد سیاسی لحاظ سے پر امن تھا (7)

انگریز جو مغل سلطنت کے خاتمہ کے بعد وراثت کے حقدار ہوئے ان کی سرگرمیوں کا آغاز جہانگیر کے عہد حکومت ہی سے شروع ہوا جس نے انھیں ہندوستان میں تجارت کی اجازت دے کر ایسی غلطی کی جس نے بعد

---

(7) ثروت صولت ۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ص 284

میں ایک سیلاب کی شکل اختیار کرلی اور پورے هندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ۔ انگریزوں نے پرتگالیوں کی طرح پہلے هی هندوستان کے ساحلی علاقوں پر آباد هونا شروع کردیا تھا ۔ اور آئینی طور پر THOMAS RAO (تھامس رو) نے جہانگیر کے دربار میں رسائی حاصل کرنے کے بعد اپنے قدم هندوستان میں پوری طرح جما دیئے ۔ تھامس رو 1024ھ /1615ء میں جہانگیر کے دربار میں سفیر کی حیثیت سے آیا اور تین سال تک هندوستان میں رہا غور کیا جائے تو وہ هندوستان میں برطانوی حکومت کا معمار اول تھا جس نے تجارت کے نام پر هندوستان میں انگریزوں کے قدم ایسے جمائے کہ مغلیہ حکومت کے خاتمہ کے بعد وهی ان کے جانشین بنے ۔

دسویں اور گیارھویں صدی میں هندوستان کے افق پر شاهنشاہ جہانگیر اور شاہ جہاں دو ایسے تابندہ ستارے تھے جن کی وجہ سےهندوستان کو سونے کی چڑیا کا نام دیا گیا ۔ بےشک مغل سلطنت کے اوائل یعنی عہد اکبری میں هندوستان کی سیاسی حالت کچھ ابتر رهی مگر مسلسل کوششوں اور جنگی سرگرمیوں کی وجہ سے جلد هی امن و امان قائم هوگیا جس کے نتیجے میں جہانگیر کو ایک وسیع و عریض سلطنت ورثے میں ملی پھر جہانگیر کے بعد اس کے بیٹے شاہ جہاں نے تھوڑی سی رد و قدح کے بعد سلطنت حاصل کی جہانگیر کی زندگی کا مجموعی طور پر جائزہ لینے سے معلوم هوتا هے کہ وہ سمجھدار اور نیک دل بادشاہ تھا ۔ ظلم سے اسے شدید نفرت اور انصاف سے قلبی لگاؤ تھا ۔ اس کی سلطنت کا نظم و نسق اکبر اعظم هی کے اصولوں پرتھا۔ اس نے بڑی جوانمردی اور بہادری سے اتنے بڑے ملک کا انتظام خوش اسلوبی

سے چلایا ۔ ساست عالیہ میں اس کی پالیسی بنگال اور میواڑ میں حق بجانب ثابت ھوئی اور مجموعی طور پر اس کی حکومت سلطنت کے امن و امان اور بہبودی کے لئے مفید رھی ۔ جہانگیر اگرچہ آرام طلب اور عیش پسند تھا لیکن نظام سلطنت میں اس سے کبھی کوتاھی نہ ھوئی ۔ راجپوتانہ اور بنگال میں اس نے دھلی کا اقتدار مستحکم کیا ۔ اور ھر قسم کی مخالفت کو کچل دیا اگرچہ اس کے زمانے میں بھی دکن کا نظام شاھی حکومت سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری رھا اس کے عہد میں ھمالیہ کے دامن میں کانگڑہ 1620ء کو فتح ھوا اور بنگال کا شہر ڈھاکہ بھی اسی زمانہ میں آباد کیا گیا (8)

ڈاکٹر بینی پرشاد اپنی تصنیف "تاریخ جہانگیر" جس کا اردو ترجمہ رحم علی ھاشمی نے کیا ھے صفحہ 421 میں جہانگیر کی وفات کے بارے میں لکھتے ھیں ـــــ

> "27 صفر 1037ھ / 29 اکتوبر 1627ء کو جہانگیر کشمیر کی سیر سے واپس آرھا تھا کہ راستے میں بیمار پڑا اور لاھور پہنچنے سے پہلے ھی انتقال کرگیا ۔ لاھور میں اس کو دفن کیا گیا اور اس کے بیٹے شاہ جہاں نے بعد میں اس کی قبر پر شاندار مقبرہ تعمیر کرادیا۔ جو آج لاھور کی شاندار تاریخی یادگاروں میں سے ایک ھے۔" (9)

---

(8) ثروت صولت ۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ص 284

(9) ڈاکٹر بینی پرشاد ۔ تاریخ جہانگیر ص 421

اس کے انتقال کے تین ماہ بعد 8 جمادی الآخر 1037ھ / 1627ء کو
شاہ جہاں تخت نشین ہوا اس نے تخت نشینی کے بعد محمد شہاب الدین
شاہ جہاں غازی کا لقب پایا ۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً 37 سال تھی ۔ اس
کا دور عجیب حالات سے گزرا جس کی شروعات سوتیلی ماں نورجہاں کی شورش
اور سازش سے شروع ہوکر بیٹوں کی آپسی رسی کشی پر ختم ہوا ۔ وہ ملکی انتظام
عہدوں اور مناصب وغیرہ کے لئے باصلاحیت افراد کا انتخاب اور تقرری کرتے وقت
نہایت سوجھ بوجھ سے کام لیتا تھا ۔ اور امور سلطنت میں وہ خاطر خواہ
صلاحیت کا مالک تھا اس کے عہد کا ابتدائی دور تو سیاسی اعتبار سے نہایت
خوشگوار رہا لیکن آخری دور میں ولی عہدوں کی رسی کشی شروع ہوچکی تھی
اس کی اولاد ذھنی و فکری اعتبار سے ایک دوسرے سے یکسر مختلف تھی
اورنگ زیب قرآن و سنت کا پابند تھا دارا ایک آزاد خیال صوفی منش اور صلح
کل انسان تھا ۔ اس پر اکبری ذھنیت غالب تھی ۔ شاہ جہاں نے بھی دارا
میں خاص دلچسپی لی اور اسے اپنا مقرب خاص بنایا ۔ اس نے اسے حکومت کے
معاملات و مسائل میں دخل اندازی کی اجازت دی ہوئی تھی ۔ اگر شاہجہاں
دارا پر اس قدر نوازشیں نہ کرتا تو خانہ جنگی کے اسباب پیدا نہ ہوتے اور اس
کا عہد شورشوں سے بچ سکتا تھا ۔

بہرحال شاہ جہاں کی پوری سلطنت کی بنیاد ایک مکمل نظام پر تھی
اس کا حکم بشرطیکہ وہ اسلامی شریعت کے خلاف نہ ہو آخری سمجھا جاتا تھا
بادشاہ کا رعایا سمیت روایتی اور رسمی قوانین کا احترام کرنا لازمی تھا ۔ نظری
اعتبار سے اگرچہ بادشاہ کے اختیارات غیرمحدود تھے مگر عملی طور پر ان پر پابندی

تھی ۔ حالانکہ اگر بادشاہ چاہے تو فوج کے ذریعہ اپنا حکم نافذ کراسکتا تھا ۔ لیکن ایسا کرنا ناممکن تھا ۔ اس زمانہ میں ان قوانین کی حیثیت موجودہ دور کے قوانین کے برابر تھی ۔ عہد مغلیہ میں اگرچہ باقاعدہ تحریری قوانین نہ تھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بادشاہ جابرانہ حکومت کرتے تھے ۔ بلکہ یہ بات غور طلب ہے کہ اگر مغلوں کی حکومت ظالمانہ یا مستبدانہ ہوتی تو اتنے دنوں قائم نہ رہ سکتی تھی ۔

مغلیہ حکومت کی تمام تفصیلات ایک کاغذ پر درج ہوتی تھیں اور انھیں کے مطابق نظم و نسق قائم تھا ۔ روایتی قانون کی پابندی سے بڑی سے بڑی پیچیدگیاں اور الجھے ہوئے مسائل حل ہو جاتے تھے ۔ شاہ جہاں کا دور حکومت مجموعی طور پر سلطنت مغلیہ کی خوش حالی کی معراج تھا ۔ اس کے زمانے میں شاہی خزانہ اس قدر پر تھا کہ کروڑوں روپیے خرچ کردینا معمولی بات تھی ۔ اکبر و جہانگیر کی طرح شاہ جہاں نے بھی سرکاری عہدوں کی تقسیم میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا برابر خیال رکھا اور بلا لحاظ مذہب و ملت یکساں سلوک کیا مغل بادشاہ مطلق العنان ضرور رہے مگر رعایا کی فلاح و بہبودی کا خیال ان سب پر حاوی رہا ۔

شاہ جہانی عہد کے اہم سیاسی واقعات میں پرتگالی ہنگامہ ہے ۔ 1632ء میں شاہ جہاں نے پرتگالیوں کو مستقل طور پر ہندوستان سے نکال دیا اس کے بعد 1638ء میں قندھار جس پر عہد جہانگیری میں ایرانیوں نے قبضہ کرلیا تھا پھر واپس لے لیا ۔ اس سے قبل شاہ جہاں نے تین مرتبہ قندھار لینے

کی کوشش کی مگر اسے کامیابی نہ ملی جب وسط ایشیا کے حکمراں امام قلی کے بعد ازبکوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو شاہ جہاں نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے 1646ء میں بدخشاں اور اپنے آبائی وطن بلخ پر قبضہ کرلیا ۔ لیکن دھلی کے سپاھی موسم کی شدت سے گھبرا کر واپس آگئے ۔ اس دور کی نمایاں کامیابیوں میں 1632ء میں احمد نگر پر قبضہ تھا ۔(10)

شاہ جہاں کے عہد میں اگرچہ بلخ و قندھار میں بڑی بڑی لڑائیاں لڑی گئیں مگر سلطنت کے دوسرے حصوں میں امن و امان رھا ۔ اسی لئے اس کے پورے نظام حکومت میں ایک قوت و زندگی محسوس ہوتی ھے ۔ ڈاکٹر بنارسی پرشاد نے بھی عہد شاہ جہانی پر تبصرہ کرتے ہوئے رواداری کا ثبوت دیا ھے اور اگر یہی رویہ دوسرے ھندو مؤرخین بھی اپناتے تو آج ملک مذھبی تعصب سے بڑی حد تک پاک ھوتا ۔ ڈاکٹر بنارسی پرشاد کی طرح بنارس ھندو یونیورسٹی کے سابق پروفیسر ڈاکٹر جی سرن نے اپنی کتاب "مغلوں کی صوبائی حکومت" میں اسی قسم کی رواداری کی مثال قائم کی ھے اور یہ عدل پروری اسی وقت ممکن ھے جب سیاسی طبقاتی و مذھبی رواداری ذھن پر چھائی ھو ۔ وہ لکھتے ھیں ـــ

"مغل بادشاہ منصفانہ فیصلہ کرنے میں بڑے سخت تھے
اگر مجرم بڑا عہدیدار یا بادشاہ کا رشتہ دار بھی ھوتا
تو بھی اس کو سخت سے سخت سزا دینے میں تامل نہ

---

(10) ثروت صولت ۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ۔ ص 285

کیا جاتا ۔ غلط قسم کے رعب کو انصاف میں حائل نہ ہونے
دیا جاتا تھا ۔ ہر حالت میں حکومت کی نیک نامی کا خیال
ہوتا ۔ مغل حکمراں عوام کا اعتماد حاصل کرکے اپنا وقار قائم
رکھنا بہتر سمجھتے تھے ۔ وہ بیجا رعب بٹھانے کے قائل
نہ تھے ان کو جب کسی حاکم کے ظلم اور غیر منصفانہ رویہ
کی خبر ملتی تو اس کو سخت سزا دینے میں مطلق تامل نہ
کرتے تمام مغل بادشاھوں کا یہی طریقہ رھا ۔" (11)

شاہ جہاں کو عوام کے حقوق و انصاف کا بڑا خیال تھا اگرچہ جہانگیر وشاہجہاں نے اپنے دور حکومت اور اس کے نظم و نسق میں اکبر جیسی مستعدی ظاھر نہ کی مگر عدل پروری میں انھوں نے کسی قسم کی نا انصافی نہ کی مغلوں کے عہد میں جب نظم و نسق میں ھلکا سا انتشار پیدا ھوتا تو اس وقت بھی عوام کے مفاد کی نگہداشت کی جاتی ۔ دارالسلطنت سے دور دراز علاقوں میں بھی رائے عامہ کا لحاظ رکھا جاتا ۔ مختصر یہ کہ دسویں اور گیارھویں صدی کے زمانے میں ھندوستان کا ماحول نہایت ھی پر امن تھا ۔ اس وقت کے مغلیہ دور کو عہد زریں کہا جاتا ھے ۔ فتوحات کا دور اکبر کے زمانے میں ختم ھو چکا تھا ۔ اس زمانے کے تینوں بادشاہ اپنی مثال آپ تھے ۔ اکبر دنیا کے بہترین سپہ سالاروں میں شمار ھوتا تھا ۔ اس کی تیز گامی شمشیر زنی نیزہ بازی نشانہ بازی دشمنوں پر بجلی کی سرعت کے ساتھ یورش حیرت انگیز حد تک تھی ۔ جہانگیر اگرچہ ناز و نعم میں پلا بڑھا تھا لیکن ضرورت کے وقت وہ بھی ایک

---

(11) صباح الدین عبدالرحمان ۔ مسلمان حکمرانوں کی مذھبی رواداری ص 190

بہادر سپاھی بن جاتا تھا ۔ شاہ جہاں کو اپنے جنگی تجربات پر اس قدر بھروسہ تھا کہ جب اس نے بلخ و قندھار میں اپنے بیٹوں کو بھیجا تو دارالسلطنت دھلی میں بیٹھ کر ان کو ھوایات بھیجتا اس کے علاوہ مغل بادشاھوں کے فوجی سرداروں کے کارنامے بھی فخر کے ساتھ لکھنے کے لائق ھیں ۔

اکبری عہد میں بیرم خاں ۔ خان خانان ۔ منعم خاں ۔ مظفر خان ۔ خان اعظم مرزا شمس الدین ۔ کوکہ خان ۔ لشکر خان ۔ اور فتح اللہ شیرازی جیسے فوجی سرداروں نے اس دور کی تاریخ میں اپنے نام سنہرے حرفوں میں لکھوائے ۔ عہد جہاں گیری میں امیر الامراؑ شریف خان ۔ شیخ فرید ۔ آصف خان قزوینی ۔ صادق خان ۔ اعتماد الدولہ ۔ مرزا غیاث بیگ طہرانی اور احمد خان نیازی وغیرہ قابل ذکر ھیں ۔ ان کے علاوہ عہد شاہ جہانی میں علامہ شکر اللہ ۔ افضل خان ۔ جعفر خان اور خلیل خان کے نام قابل ذکر ھیں غرض یہ کہ اکبری عہد سے لیکر شاہ جہانی عہد تک نہ جانے کتنا نامور اور نابغہ روزگار ھستیاں تھیں جنھوں نے ان مغل بادشاھوں کی شاھانہ سرپرستیوں میں ایسے ایسے بہادری کے کارھائے نمایاں انجام دیئے کہ ان کے کارنامے سنہرے حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ھیں ۔

سماجی و مذہبی حالات

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (1067ھ / 1657ء) کے عہد میں ہندوستان کی سماجی و مذہبی حالت مختلف حیثیتوں سے دوسرے مغل ادوار سے امتیازی خصوصیات کی حامل ہے کیونکہ انھوں نے اپنی اصلی سماجی زندگی کا آغاز اکبر جیسے الوالعزم بہادر فرمانروا کے عہد سے کیا جس نے ہندوستان میں ایک باقاعدہ اور منظم حکومت قائم کی اور سماج کو بہتر بنانے کے لئے مناسب اقدامات کئے ۔ عہد مغلیہ کا فنی انتظامی اور معاشرتی نظام اکبر کے پچاس سالہ دور حکومت 963ھ / 1556ء سے لے کر 1014ھ / 1605ء میں ایک نئے سانچے میں ڈھالا گیا ۔ شیخ محمد اکرام یوں رقمطراز ہیں ـــــ

> "مغلیہ نظام اور تہذیب و تمدن اپنے دور میں کسی دوسری مشرقی حکومت کے نظام سے پیچھے نہ تھا ۔ بلکہ روسی مؤرخ بارٹولڈ لکھتا ہے کہ فقط ہندوستان میں مغلوں کے تابع حالات مختلف تھے ۔ اور اس ملک کی اسلامی حکومت مال و ثروت اور مذہبی رواداری میں معاصرانہ یورپ سے بڑھ کر تھی ۔" (12)

اکبر نے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں جس رواداری کا ثبوت دیا وہ مؤرخین کی نظر میں قابل ستائش ہے اور ایسے حکمراں ملک و قوم کے لئے مایہ ناز سمجھے جاتے ہیں۔ اس زمانے میں ہندوستان میں امراء کی بنیادی حقیقت ان

---

(12) شیخ محمد اکرام ۔ رود کوثر ص 166

کی سرکاری حیثیت تھی ہر امیر کے انتقال پر اس کی جائداد سرکاری خزانے میں جمع ہوتی اور اس جائیداد میں سے اس کی اولاد کو صرف کاروبار کے لئے ہی حصہ ملتا ۔ وراثت وغیرہ کا کوئی عنصر نہ تھا نہ ہی خطاب باپ سے بیٹے میں منتقل ہوتا بلکہ یہ سب کچھ اپنی ذاتی قابلیت کی بنیاد پر حاصل کیا جاتا تھا ۔

عہد اکبری میں ہر شعبہ میں قابل قدر اضافے ہوئے اس کے علاوہ یہ دور صحیح معنوں میں ٹھوس ترقی کا دور تھا مگر اکبر کی ذات اس کے جاری کردہ مذہب سے مجروح ہوکر رہ گئی اس کا یہ نیا مذہب "دین الہی" کے نام سے مشہور ہے ۔ معاصر تاریخوں میں ملا عبدالقادر بدایونی کی " منتخب التواریخ" اور ابوالفضل کے "اکبر نامہ" کے ذریعہ ہی اس مذہب کو سمجھا گیا ہے کہا جاتا ہے کہ اکبر کے خیالات بگاڑنے میں عبداللہ سلطانپوری جن کا عہدہ اور خطاب مخدوم الملک تھا اور جنھوں نے محض اس وجہ سے حج کو جاتے ہوئے سفر کی طوالت سے بچنے کے لئے حیلہ شرعی سے کام لیتے ہوئے فریضۂ حج ساقط کردیا تھا ان کے علاوہ شیخ مبارک ناگوری ابوالفضل حاجی ابراھیم سرھندی اور ملا ابو سعید وغیرہ کو بہت دخل تھا ۔ بعض بزرگ علماؑ نے بادشاہ کو سمجھایا اور قربانیاں بھی دیں مگر ناکام رہے اور ناکامی کے بعد انھوں نے اکبر کی مذہبی بےقاعدگی کو دربار سے باھر عام ہونے سے روکنے کی بھرپور کوشش کی ۔

اشاعت علوم اسلامی اور توسیع معقولات کے علاوہ اکبر کا زمانہ فنون لطیفہ کی ترقی کے لئے بھی نمایاں ہے فن تعمیر موسیقی شاعری اور مصوری

وغیرہ کو اس کے زمانے میں فروغ حاصل ہوا فتح پور سیکری جو مدتوں اکبر کی حکومت کا دارالخلافہ رہا ہے وہاں کی اکثر عمارتیں سرخ پتھر کی ہیں لاہور کا قلعہ اٹک آگرہ میں شیخ سلیم چشتیؒ کا بلند دروازہ اور دوسرے کئی اہم مقامات اکبری عہد کی ہی دین ہیں لیکن اکبر سے سب سے بڑی غلطی مذہبی امور میں ہوئی وہ ایک ذہین اور جدت پسند حکمراں تھا ۔ اسے نئے نئے تجربے کرنے کا شوق تھا اور اس کی اسی جدت پسندی سے جہاں سلطنت کو فائدہ پہنچا وہاں بعض تجربوں سے نقصان بھی ہوا ۔ شروع شروع میں اکبر نہایت راسخ العقیدہ مسلمان تھا ۔ نماز باجماعت پابندی سے پڑھتا اور علماء کا بےحد احترام کرتا تھا ۔ اس کی مذہبی دلچسپی کا ثبوت یہ ہے کہ 1575ء میں اس نے ایک عمارت "عبادت خانہ" کے نام سے تعمیر کرائی جس میں ہر ہفتے علماء و فضلاء کا اجتماع ہوتا اور مذہبی اور علمی مسئلوں پر بحثیں ہوا کرتیں لیکن درباری علماء کی تنگ نظری نے اکبر کی نظر میں اپنا بھرم ختم کیا اور اسلام کے بارے میں اس کے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے اور اپنی علماء کی آپسی لڑائیوں تعصب اور تنگ نظری نے بالآخر اکبر کو بےدینی کی طرف مائل کردیا اور 1582ء میں اس نے ایک نئے مذہب "دین الہی" کی بنیاد ڈالی اس مذہب کے تحت اکبر کو امام عادل امام مجتہد اور معصوم قرار دیا گیا ۔ اس کا یہ نیا دین زیادہ نہیں چلا مگر اس کی وجہ سے ایک نیا فتنہ پیدا ہوگیا شاہی محل میں بہت سی خلاف شرح بدعتیں رواج پاگئیں اس کے اس نئے مذہب کو سوائے چند خوشامدی امراء کے علاوہ کسی نے بھی قبول نہ کیا ۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات کے ذریعہ اس کے خلاف

آواز اٹھائی اور انھوں نے دینی علوم کو ھندوستان میں عام کیا ۔(13)

اکبر کے اس نئے مذھب کے بارے میں امریکن مؤرخ پوویل پرائس (POWEEL PRICE) نے جن خیالات کا اظہار کیا ھے وہ زیادہ صحیح ھیں وہ لکھتا ھے ۔

" 1582ء میں دین الٰہی کی بنیاد رکھی گئی یہ (مذھب نو) نظریہ توحیدی کی ایک مبہم اور غیر واضح شکل ھے جس میں مختلف ادیان و مذاھب کے معتقدات شامل ھیں زروشتی جینی ھندو بدھ وغیرہ سب کا معجون مرکب ھے اور اسلام کے نظریہ توحید کو اس میں برائے نام جگہ دی گئی ھے۔(14)

اس نے ان تمام ملحدانہ بدعات اور کافرانہ معتقدات کی انتہا کرتے ہوئے یہ حکم دیا کہ کلمہ "لا الہ الا اللہ" کے ساتھ لوگ "اکبر خلیفتہ اللہ" کہا کریں دین اسلام سے بیگانہ ھونے کے بعد اس نے ھر وہ چیز پسند کی جو مذھب اسلام کے خلاف تھی اس کی زندگی کے تینوں ادوار کا مطالعہ کرنے سے معلوم ھوتا ھے کہ وہ ابتداً میں دیندار تھا پھر رفتہ رفتہ لامذھب ھوگیا ۔

اکبری دور میں مصوری کو بڑا فروغ ھوا اس عہد میں اس فن کی رنگ آمیزی لطافت صفائی تازگی نزاکت اور ھاتھ کی مہارت کو وہ مرتبہ حاصل ھوا جو فنون لطیفہ کی تاریخ کا ایک روشن باب بن گیا ۔ اس کا آغاز اگرچہ ھمایوں

---

(13) ثروت صولت ۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ص 282

(14) معارف ج 88 اگست 1961ء ص 104

نے اپنی صحرانوردی کے دوران تبریز سے دو فنکاروں کو ساتھ لاکر کیا تھا۔
اکبر کے زمانے میں بھی کئی مصور ایران سے ہندوستان آئے اور جن سے
ہندوستانی مصوری و صناعی کی تکمیل ہوئی اور رفتہ رفتہ ہندوستان نے فن
مصوری میں اسقدر شاندار ترقی کی کہ ایران بھی پیچھے رہ گیا ۔ اس کے
دور حکومت میں اس فن کو درجہ کمال تک پہنچانے میں سید علی تبریزی۔
خواجہ عبدالصمد شیرازی۔ محمد شریف شیریں۔ احمد کشمیری ۔ جمشید جمال۔
دولت فرخ ۔ قلمان اور منصور وغیرہ کے علاوہ دسونت ساون لعل۔ بھیم کرن۔
جگن ۔ بھوانی نرائن۔ تلسی ۔ دھن رلج ۔ دھرم داس ۔ شیو داس ۔ شنکر سورداس
وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں ۔ قدیم تاریخوں میں دیئے گئے ناموں سے اندازہ
ہوتا ہے کہ دربار شاہی میں ہندو مسلمان مصوروں کے ملے جلے کمالات سے وہ
آرٹ پیدا ہوا جو مغل آرٹ کہلایا ۔

اکبر کے نو رتنوں میں تان سین بھی فن موسیقی میں بہت
مشہور تھا اس کے علاوہ اکبر نے علم و ادب کی بھی سرپرستی کی مختلف
زبانوں میں مثلاً ترکی سنسکرت یونانی اور عربی سے فارسی میں کتابیں ترجمہ
کرائیں ۔ سنسکرت کی مشہور کتابوں رامائن مہابھارت بھگوت گیتا اور لیلاوتی
وغیرہ کا ترجمہ فارسی میں کرایا گیا ۔ اس عہد میں ہندی کو بہت فروغ حاصل
ہوا اور ہندی کے مشہور شاعر سور داس اور تلسی داس ہمعصروں میں تھے
عہد اکبری میں ہی ملک الشعراء کا عہدہ شروع ہوا اور فیضی کو اس عہدہ
جلیلہ پر مامور کیا گیا ۔ اس عہد میں خان خانان جیسے ادب نواز بھی تھے۔
اس کے علاوہ معاصر تاریخوں میں ابوالفضل اور مولانا عبدالقادر بدایونی کے نام

بھی قابل ذکر ھیں کیونکہ انھوں نے فن تاریخ کو اوج کمال تک پہنچادیا ملا بدایونی کی "منتخب التواریخ" اور ابوالفضل کی "اکبر نامہ" دور اکبری کی دو مشہور تاریخیں ھیں ۔ ملا بدایونی نے اکبر کے مذھبی رجحانات اور بدعات کی سخت مخالفت کرتے ھوئے اس کے خود ساختہ مذھب کو برا بھلا کہا ھے ۔ مگر ابوالفضل دین الٰہی کا علمبردار ھوتے ھوئے اس مذھب کی تفصیلات بیان کرنے میں بظاھر خود ھی معجوب معلوم ھوتا ھے مجموعی طور پر اکبر کے عہد میں یہ تمام علوم و فنون ترقی کے مدارج بتدریج طے کر رھے تھے اور ھر طرف سلطنت مغلیہ کی شہرت پھیل چکی تھی ۔ مگر اکبر کی اولاد دربار کے غیر مذھبی ماحول کی وجہ سے کافی بگڑ چکی تھی اس کے تمام بیٹے رند بلا نوش تھے اور کثرت شراب نوشی سے شہزادہ مراد اور دانیال عین عالم شباب ھی میں انتقال کرگئے ۔ اس کے علاوہ جہانگیر بھی شراب نوشی کیا کرتا تھا ۔ جہانگیر فطری طور پر اپنے باپ کے برعکس آرام طلب اور عیش پسند تھا ۔ مگر سلطنت کے نظام میں اس نے کبھی غفلت نہ کی۔ اس نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ھوئے مذھبی رواداری کا اصول اپنایا ۔ لیکن اکبر کی مذھبی پالیسی کو اپنانے سے گریز کیا ۔ اس کے دور میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے احیائے دین کے کاموں میں بڑی کامیابی حاصل کی شروع میں جہانگیر کو ان کے بارے میں غلط فہمی ھوئی مگر بعد میں وہ ان کا مرید بن گیا ۔

جہانگیر فن مصوری کا بہت شوقین تھا ۔ اس کے زمانے میں مصوری نے بہت ترقی کی اور مصوری کا وہ دبستان جس کو مغل مصوری کہا

جاتا ہے اس کے عہد میں اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گیا ۔ استاد ابوالحسن
نادرالزماں استاد منصور استاد گوردھن داس اور بشن داس اس دور کے
ممتاز مصور تھے ۔

اس کے علاوہ باغات اور قدرتی نظاروں سے بھی جہانگیر کو خاص
دلچسپی تھی کشمیر کو وہ اس قدر پسند کرتا تھا کہ اکثر سیر و سیاحت کے
لئے کشمیر جاتا ۔ وہاں اس نے کئی باغات اور عمارتیں بنوائیں جن میں شالیمار
باغ نشاط باغ چشمہ شاہی اور ویری ناگ قابل ذکر ہیں ۔ ان جگہوں کا
حسن صرف ان کی نہروں اور پھولوں میں نہیں بلکہ طلوع و غروب آفتاب کی
کیفیتوں میں ہے جس کا لطف صرف انہیں مخصوص جگہوں یعنی ان باغات میں
بیٹھ کر ہی اٹھایا جاسکتا ہے ۔ جہانگیری عہد کے حسین و دلکش تحفے
آج تقریباً تین صدی بعد بھی اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں اور سری نگر
کے قابل دید مقامات میں سے ہیں ۔

تعمیرات میں آگرے کے قریب سکندرہ میں اکبر کا مقبرہ لاھور اور
آگرے قلعے کے علاوہ اعتماد الدولہ کا مقبرہ وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ جہانگیر نے
تیموری حکمراں بابر کی روایت کو قائم رکھتے ہوئے فارسی میں اپنی زندگی کے
حالات لکھے جو "تزک جہانگیری" کے نام سے مشہور ہے ۔ "تزک بابری" کی
طرح یہ بھی فارسی کی ایک دلکش کتاب ہے جس میں بناوٹ کے بجائے سلاست
و روانی اور سادگی پائی جاتی ہے ۔ اس نے اپنے والد کی طرح کارآمد
جانوروں کی نسل کو ترقی دینے میں زیادہ دلچسپی تو نہ لی مگر اکبر کے

ادھورے کاموں کو پورا کیا ۔ ھاں جانوروں کی نئی نئی نسلیں تیار کرانا
اور عجیب عجیب جانور اکٹھا کرنا اس کا شوق تھا ۔ اس نے ھندوستان میں
جانوروں کی مختلف قسموں کو جمع کیا اور بہت سی نسلیں تیار کرائیں ۔

جس وقت جہانگیر تخت نشیں ھوا اس وقت ھندوستان مذھبی اعتبار
سے اکبر کے ملحدانہ طریقہ پر گامزن تھا ۔ اور اکبر نے اس ملحدانہ روش کو
آپسی اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کے لئے اپنایا تھا جس کی وجہ سے عوام
مذھب سے متنفر ھوگئے تھے اور اسلامی فرائض کی ادائیگی میں کوتاھی برتنے
لگے تھے ۔ مسلمانوں نے ھندوؤں کی بیشتر رسوم کو اپنا لیا تھا اور ھندوستان
مذھبی لحاظ سے انتہائی نازک مرحلے پر تھا ۔ جس کی اصلاح کے لئے ایک
طویل مدت درکار تھی ۔ جہانگیر نے اپنے مختصر دور میں کافی حد تک
مذھبی اصلاحات کیں جن میں سب سے بڑا حصہ حضرت مجدد الف ثانی
شیخ احمد سرھندی" کا تھا ۔ جنھوں نے انتھک محنت کرکے ھندوستان کو
اس ملحدانہ روش سے نجات دلائی البتہ مغل حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے
جہانگیر نے غیر مسلموں کو دل کھول کر نوازا اور اکبر کی پالیسی پر عمل کیا۔
غیر مسلموں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس نے ان کے تہواروں کو
دربار میں منایا اور جانوروں کو ذبح نہ کرانا و قربانئی گاؤ کو برقرار رکھا وہ
اکبر کی صلح کل کی پالیسی کا دل سے معترف تھا ۔ اور اسی پر عمل پیرا
تھا ۔ البتہ وہ خود وسیع النظر سنّی مسلمان تھا ۔ وہ خود تو ارکان اسلام
پر پوری طرح عامل نہ تھا ۔ مگر اسلامی ارکان کو درست خیال کرتا تھا اور
جو لوگ ان پر عمل پیرا تھے ان سے خوش ھوتا تھا ۔ وہ اسے الحاد و

بے دینی پسند نہ تھی تاہم وہ مذہبی افکار کے لحاظ سے بابر اور ہمایوں کے دور سے بہت دور تھا مگر اس میں اکبر کی سی بے راہ روی نہ تھی ۔ اور اس کا سب سے بڑا سبب نواب فرید خان کی حکمت تھی ۔ انھوں نے اس کے خیالات پر گہرا اثر ڈالا اکبر کے آخری دور میں ان کی دربار شاہی میں کافی قدرومنزلت تھی ۔ اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی رح کے اثر سے شیخ فرید نے جہانگیر پر دباؤ ڈالا کہ وہ اسلامی شعار کے ساتھ حکومت کرے اور اس نے شیخ فرید سے وعدہ کرتے ہوئے چار علماء کو مدعو کرنے کے لئے کہا۔ تاکہ وہ مسائل شرعیہ بیان کرتے رہیں ۔ شیخ فرید نے خوشی میں اس کی اطلاع حضرت مجدد رح کو دی تو انھوں نے فرمایا کہ اس مقصد کے لئے ایک ہی عالم کا انتخاب کیا جائے ایسا نہ ہو کہ چار علماء کے اختلاف سے مقصد فوت ہو جائے ۔

اور ان سب باتوں کی وجہ سے جہانگیر نے ایک ملے جلے ماحول میں پرورش پائی تھی یعنی دربار تو دین سے برگشتہ تھا مگر عوام دین کے دلدادہ تھے یہی وجہ ہے کہ اس کے خیالات میں اعتدال پایا جاتا ہے اس نے اپنے بیس سالہ عہد حکومت میں مجموعی طور پر زندگی کے ہر شعبے میں قابل قدر ترقی کی وہ علم و ادب کا دلدادہ اور موسیقی و مصوری کا شائق تھا ۔ قدرتی نظاروں سے اسے دلچسپی اور جنون کی حد تک محبت تھی ۔ اس نے کشمیر میں ایسے خوبصورت باغات تعمیر کرائے جنھیں آج کئی صدیاں گزرنے کے بعد بھی دیکھنے پر عقل دنگ رہ جاتی ہے اس کے عہد کا سب سے بڑا کارنامہ اکبر کے پیدا کردہ مذہبی الحاد کو کسی حد تک دور کردینا

ھے وہ شروع میں شیخ احمد سرھندی سے چند درباریوں کے کہنے کی وجہ سے اتنا نالاں رھا کہ انھیں گوالیار میں قید کردیا ۔ مگر بعد میں ان کے اسلامی خیالات سے متاثر ھوکر ان کا مرید بن گیا اور اپنے بیٹوں میں سے شہزادہ خرم کو ان کی شاگردی میں دے دیا ۔

جہانگیر کشمیر کی سیر سے واپسی پر طبیعت کے زیادہ خراب ھونے کی وجہ سے لاھور سے پہلے ھی 70 سال کی عمر میں 1037ھ /1627ء میں انتقال کرگیا ۔ اس کو لاھور میں دفنایا گیا ۔ شاہ جہاں نے اس کی قبر پر ایک عالیشان مقبرہ تعمیر کرایا (15)

اس کے بعد اس کا بیٹا خرم 1037ھ /1627ء میں تخت کے دوسرے دعویداروں کو شکست دے کر شاہ جہاں کے لقب سے بادشاہ بنا اس کے 30 سالہ عہد حکومت کو سلاطین تیموری کا عہد زریں کہا گیا ھے اس کے عہد میں ملک میں خوشحالی اور امن و امان تھا ۔ فتوحات کا دور اکبرکے زمانے میں ختم ھو چکا تھا ۔ اب اکبر کے بعد آنے والے فرمانروا ھندوستان کی ثقافتی سماجی و مذھبی حالت میں برابر سدھار کر رھے تھے ۔ شاہ جہاں اکبر جیسے معارف پروا دادا کا پوتا جہانگیر جیسے ادیب و شاعر کا بیٹا اور شیخ ابوالخیر شیخ وجیہہ الدین گجراتی حکیم دوائی گیلانی اور قاسم بیگ تبریزی جیسے یکتائے روزگار علماء کا شاگرد رشید تھا ۔ اسے عربی فارسی اور ھندوستانی زبانوں پر عبور اور خطاطی میں ملکہ حاصل تھا (16)

---

(15) ثروت صولت ۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ص 285

(16) ڈاکٹر شبیر احمد قادرآبادی ۔ عربی زبان عہد مغلیہ میں ص 185

شاہ جہاں کا دور حکومت خوشحالی اور فارغ البالی کا دور تھا اس دور میں باکمال ہنرمندوں نے ملکی فتوحات کے ساتھ ساتھ علمی و تحقیقی میدان میں بھی خوب نام کمایا ۔ اس نے ذاتی طور پر دلچسپی لے کر اور علماء کی قدردانی اور سرپرستی اس شان سے کی کہ اکبر و جہانگیر دونوں سے بازی لے گیا ۔ اور ہندوستان کو علم و ہنر کا گہوارہ بنادیا اس کے علاوہ مغل سلاطین امراء میں سے جب کسی کو عہدہ جلیلہ پر مامور فرماتے تو اس کا خاص خیال رکھتے کہ وہ نہ صرف سیاسی نقطہ نظر سے پختہ کار اور بیدار مغز ہو بلکہ مختلف علوم و فنون میں بھی ان کو امتیازی حیثیت حاصل ہو ۔

مغلیہ سلاطین کے دور حکومت میں شاعروں اور مصنفوں کو ان کی علمی خدمات پر انعام و اکرام سے نوازنا اور ان کے ہم وزن روپے دینا عام بات تھی اس کے علاوہ مغلیہ سلاطین اپنے زمانے کے نامور علماء و مشائخ کی علمی خدمات کے سلسلے میں ان کے وظائف مقرر کرتے اور نسلاً بعد نسل جاگیریں عطا کرتے تھے ۔ معاصر اور متاخرین تذکرے اس قسم کے واقعات سے بھرے پڑے ہیں ۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (م 1067ھ) جب بھی دربار شاہ جہانی میں باریاب ہوتے بادشاہ انھیں خوب انعام و اکرام سے نوازتا ۔ دو مرتبہ شاہ جہاں نے انھیں ان کی علمی خدمات کے صلے میں چاندی کے روپیوں میں تولوایا ۔ اور وزن میں جس قدر روپیہ تقریباً چھ ہزار (6000) چڑھا پورا انھیں بخش دیا ۔ اس کے علاوہ شاہ جہاں نے ملا میر زاھد کے والد قاضی محمد اسلم ہروی کو بھی روپیوں میں تلوایا ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد شاہ جہانی میں شاید ہی کوئی اہل علم بیکار رہا ہو(17)

---

(17) ڈاکٹر شبیر احمد قادرآبادی ۔ عربی زبان عہد مغلیہ میں ۔ ص 190

شاہ جہاں ایک دیندار اور عالم بادشاہ تھا اکبر کے دور سے جو بدعتیں چلی آرہی تھیں اس نے انھیں ختم کیا ۔ سب سے پہلے اس نے اکبر کے دور سے دربار میں ہونے والے سجدہ تعظیمی کو موقوف کیا ۔ شاہ جہاں کو بچپن ہی سے علماء و فضلاء کی صحبت میں بیٹھنے کا موقع ملا تھا اس کے علاوہ وہ شیخ احمد سرھندی رحمۃ اللہ علیہ کا ارادت مند تھا ۔ اسی لئے وہ کوئی بھی کام خلاف شرع نہیں کرتا تھا ۔ اس کا دربار ان علماء سے بھرا تھا جنھیں اعلی مناصب پر فائز کیا گیا تھا ۔ اس کے دربار میں کئی نامی امراء وزراء عالم تھے جس میں علامی محمد افضل اور سعداللہ خان قابل ذکر ہیں ان درسگاہوں کو جنھیں اکبر و جہانگیر نے قائم کیا تھا عہد شاہ جہانی میں مزید فروغ حاصل ہوا اور کئی نئے مدرسے تعمیر کرائے گئے ۔ اس نے خود تو کوئی تصنیف بابر یا جہانگیر کی طرح نہیں چھوڑی مگر وہ علماء ساز ضرور تھا اور اپنی ذاتی دلچسپی سے ہندوستان کو رشک شیراز و یمن بنا دیا تھا۔ اس کے علاوہ تہذیبی و ثقافتی حیثیت سے بھی اس کا عہد ممتاز ہے ۔ فن تعمیر کو جس قدر ترقی اس کے دور میں ہوئی وہ صرف اسی کا حصہ ہے ۔ اگرچہ شاہجہاں ایک راجپوت شہزادی جگت گسائیں معروف بہ بلقیس زمانی کے بطن سے تھا اس لئے اس کی زندگی پر راجپوت تہذیب و تمدن کا نمایاں اثر ہونا چاہئے تھا مگر عجیب بات ہے کہ وہ ان سب کے باوجود جہانگیر سے بھی زیادہ راسخ العقیدہ مسلمان ہوا اس کی زندگی کے کسی شعبہ میں بھی راجپوتوں کا اثر نہیں پایا جاتا بلکہ اس نے جس شان سے مساجد اور دیگر عمارتیں تعمیر کرائیں اور ان پر قرآنی آیات کندہ کرانے کا جو اہتمام کیا وہ ایک بہت ہی راسخ العقیدہ مسلمان ہی کرسکتا ہے ۔ آج برصغیر پاک و ہند میں اس کی

تعمیرات مغل تہذیب و تمدن کی علامت ہیں اس کے دور میں تیموری طرز تعمیر اپنے عروج کو پہنچ گیا تھا ۔ اور اس میدان میں وہ اندلس کے عبدالرحمن اعظم ترکوں کے سلیمان اعظم اور ایران کے عباس اعظم سے کم نہیں تھا ۔ پرانی دھلی کے پاس پورا شہر آباد کیا ۔ اور اس کا نام شاہ جہاں آباد رکھا یہ شہر اب پرانی دھلی کے نام سے مشہور ہے ۔ اس کے زمانے میں یہ خوبصورت ترین شہر تھا ۔ اس میں لال قلعہ جامع مسجد دنیا کی عظیم الشان عمارات میں شمار ہوتی ہیں ۔

شاہ جہاں کے عہد کی سب سے خوبصورت یادگار آگرہ کا تاج محل ہے جو اس نے 1631ء تعمیر کرانا شروع کیا یہ سنگ مرمر کا ہے اور اس کی محبوب بیوی ممتاز محل کی یادگار ہے ۔ اس کی تعمیر میں (20000) بیس ہزار مزدوروں نے سولہ سال تک برابر حصہ لیا اور اس پر تقریباً تین کروڑ روپیہ خرچ ہوئے ۔ یہ دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتا ہے شاہ جہاں خود بھی اس میں مدفون ہے (18)

شاہ جہاں اگرچہ شاہانہ زندگی گزارتا تھا مگر اپنے عہد حکومت میں اس نے عوام کا بھی برابر خیال رکھا اور اپنے نیک کاموں اور ہردلعزیزی کی وجہ سے کافی مشہور تھا ۔ اس کے عہد میں کئی سیاح باھر سے آئے جنھوں نے اس کی حکومت کو ایک مہربان باپ کی حکومت سے تشبیہہ دی ہے گھوڑوں سے قلبی لگاؤ ہونے کی وجہ سے غیر ممالک سے اس نے مختلف النسل

---

(18) ثروت صولت ۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ص 289

گھوڑوں کو منگوا کر جمع کرلیا تھا - شاہ جہانی دربار اپنی شاہانہ شوکت و حشمت کے لحاظ سے منتہائے کمال پر تھا - اس کے عہد میں دولت کی فراوانی اور خوشحالی کا شہرہ سن سن کر بیرونی ممالک سے سیاح بکثرت آتے اور شہنشاہ کے جاہ جلال کو دیکھ کر چکا چوند ہو جاتے اس کے دربار کا تزک و احتشام ان کے تخیل سے بھی زیادہ بلند ہوتا اور وہ اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاتے -

تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے شاہ جہاں کا عہد ممتاز ہے فن تعمیر کو اس کے زمانے میں بہت عروج حاصل ہوا اس کو تعمیرات سے غیر معمولی دلچسپی تھی اور اس کے زمانے میں جو عمارتیں تیار ہوئیں وہ انجینئرنگ کے اعلی کمالات کا زندہ و جاوید نمونہ ہیں اور اپنے اسی شوق کی بنیاد پر اسے انجینئر بادشاہ کہا جاتا ہے اس کے علاوہ اس نے خوبصورت باغات پارک اور سرائے وغیرہ جگہ جگہ تعمیر کرائیں اور ان سب چیزوں سے ملکی شہرت کے علاوہ اس کا مقصد ہندوستان سے بے روزگاری دور کرنا تھا - اگر شاہ جہانی عہد کا تمام لٹریچر ضائع ہو جائے اور صرف اس زمانے کی عمارتیں باقی رہ جائیں تو اس کو دیکھ کر ہی اندازہ ہو جائے گا کہ وہ دور کیسا پر شوکت تھا اور ان کے طرز تعمیر سے اندازہ ہو جائے گا کہ اس کو فن تعمیر کی سائنس میں پوری دسترس تھی اپنے اسی ذوق کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ جہاں گیا وہاں عمارتیں بنوائیں - اجمیر کشمیر لاہور فیض آباد گوالیار کابل وغیرہ میں اس کی بنوائی ہوئی عمارتیں بہت ہیں - لیکن اس کے ذوق کی تکمیل آگرہ اور دہلی میں ہوئی - اس کی بنوائی عمارتوں کو آج ایک زمانہ گزر گیا ہے لیکن ان

دلآویزی اور تازگی میں کوئی فرق نہیں آیا اور آج بھی دنیا بھر کے سیاحوں کی ذہن و فکر کی ضیافت ہوتی ہے اس کے علاوہ ان تعمیرات میں ایک عجیب سا سکون اور رفعت و شوکت پائی جاتی ہے ۔

جہانگیر اور شاہ جہاں کا پچاس سالہ عہد حکومت بلاشبہ عہد مغلیہ کا دور زریں ہے ۔ فتوحات کے خاتمے کے ساتھ ہی پورے ملک میں امن و امان تھا صنعت و حرفت ترقی پر تھی ۔ تہذیب و تمدن ترقی کے منازل طے کررہے تھے ۔ شاہ جہاں نے باہر سے ماہرین فن کو بلا کر ان کی خاطر خواہ مدد کرکے ہندستان میں تہذیبی و ثقافتی حیثیت کو بلند کیا اور ان ماہرین فن کو ان کی کاوشوں کا پورا پورا معاوضہ دے کر معاشرے اور سماج کی تعمیر میں اہم رول ادا کیا فن موسیقی کو بھی فروغ حاصل ہوا ۔ اکبری عہد میں تان سین نے جو فن موسیقی کو ترقی دی تھی اس سے زیادہ تو نہ ہوسکی لیکن عہد شاہ جہانی میں دھرپد تان سین کے داماد لال خان اور جگن ناتھ وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ اگرچہ تعمیرات کی طرف زیادہ شغف ہونے کی بناء پر اس نے مصوری کی طرف کم توجہ کی لیکن اس کی شاہانہ سرپرستی بدستور قائم رہی۔ اس کو مذہب سے اس حد تک لگاؤ تھا کہ اس نے غیر اسلامی رسومات کو مٹانے میں نمایاں حصہ لیا ۔ اس کے علاوہ جگہ جگہ مساجد تعمیر کرائیں ۔ وہ سچا عابد و زاہد تھا ۔ ظلم و ناانصافی سے سخت نفرت تھی غرضیکہ اس کے 30 سالہ عہد میں حکومت ہر طرف اسلامی ماحول تھا اور جگہ جگہ مسجدیں مدارس اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں ۔

ان حالات کے پیش نظر دسویں اور گیارھویں صدی میں ہندوستان میں ہر طرح کی آزادی تھی اور مسلمان حکمرانوں پر یہ بات آشکارا ہوچکی تھی

که بغیر مذهبی آزادی کے وہ ہندوستان جیسے وسیع و عریض اور عظیم ملک پر حکمرانی نہیں کرسکتے تھے اور اسی کے مطابق انھوں اپنی سیاسی پالیسی کی تشکیل کی جہانگیر و شاہ جہاں کے دور میں غیر ملکی سیاحوں نے مذہبی آزادی کی پر زور شہادت دی ہے ۔ مغل فرمانرواؤں نے سماجی آزادی کو بھی روشناس کرایا ۔ اکبر نے بیوہ کو زندہ جلانے جبری بیوگی بچپن کی شادی اور کثرت ازدواج کے ختم کرنے کے قوانین بنائے مگر کبھی بزور شمشیر ان قوانین کو لاگو نہیں کیا ۔ جہانگیر نے ستی کی رسم کی سختی سے ممانعت کی مگر صرف فہمائش کی حد تک مغل حکومت کا دائرہ عمل بہت وسیع ہوچکا تھا ۔ مغل سلاطین نے اپنے عہد حکومت میں سکہ کی قیمت مقرر کی ۔ تجارت و حرفت کو منظم کیا ۔ شاہراہوں کو درست رکھا شفا خانے کھولے گئے جگہ جگہ مسافروں کے لئے آرام گاہیں مسجدیں اور مدرسے تعمیر کئے گئے۔ شفاخانوں میں سرکاری خرچ پر طبیب مقرر کئے گئے ۔

اس زمانہ میں دنیا کی کسی سلطنت میں تعلیم عامہ کا کوئی مستقل محکمہ نہ تھا ۔ مغلوں نے اس کمی کو پورا کرتے ہوئے علمی قابلیت کی وسیع پیمانہ پر سرپرستی کی ۔ ہندوستان کے فن مصوری جہانگیر کی دلچسپی نے اس کو بہت بلند درجہ تک پہنچا دیا تاریخ جہانگیر میں ڈاکٹر بینی پرشاد لکھتے ہیں ——

"ہندوستان کے فن مصوری سے جہانگیر کی دلچسپی اور کوشش نے اس فن کو بہت بلند درجہ تک پہنچادیا ۔ رو (طاس)

اور شیری ۔ درباری مصوروں کی اعلی صناعی دیکھ کر حیرت
زدہ رہ گئے لاہور میں تصویروں کا کمرہ جس میں شاہی
خاندان کی اور امراء کی تصویریں ہیں دنیا کے خوبصورت
تصویر خانوں میں شمار ہوتا ہے (19)

کاغذ بھی مغلوں کے دور کی یادگار ہے اس کے علاوہ رنگ پور جونپور احمدنگر فتحپور سیکری برھانپور لاہور آگرہ گجرات الہ آباد وغیرہ اور خدا جانے کتنے قریے اور قصبات اس زمانے کے سلاطین نے ایجاد کئے پھر جویل نہریں اور سڑکیں تعمیر کرائیں گئیں ان کی تعداد ان گنت ہے ۔ اس کے علاوہ پورے ہندوستان کی پیمائش کرائی گئی قابل اور ناقابل زراعت زمینوں کی تفریق کی گئی حیوانات کی نسلوں کی ترقی میں کوشش ہوئیں نیز ہندوستان کے تعلقات بیرونی دنیا سے قائم کرائے جس کی وجہ سے بحری جہاز رانی اور بحری تجارت کو فروغ ملا ۔ مذہبی مفائد میں اختلاف کے باوجود لوگوں کے عادات و اطوار میں یک رنگی پیدا ہوئی ۔ ہندی اور اسلامی طرز کا ایک آرٹ پیدا ہوا اس کے علاوہ ایک مشترکہ زبان کی بنیاد پڑی جو ہندوستانی کہلائی وہ ایسے رعایا پرور تھے کہ اس دور میں ملک نے بےمثل خوشحالی حاصل کرلی تھی اور سونا اس قدر جمع ہوگیا تھا کہ یہ خطہ ساری دنیا میں سونے کی چڑیا کہلایا ۔

اس دور میں ملکی لٹریچر میں بھی ترقی ہوئی مذہب میں توحید کے تصور کی تجدید ہوئی تصوف پھیلا ۔ فنون جنگ اور تمام شعبوں کو فروغ ہوا مغل حکمرانوں کی ہی وجہ سے تعمیرات میں ایک نئے طرز کا اضافہ ہوا

اسی وجہ سے مغل مصوری کو فروغ ملا اور انھیں کے طفیل فن بلغرانی کا عروج ہوا ۔

غرضیکہ اس وقت ہندوستان اپنی ثقافتی سماجی اور مذہبی حالت کے لحاظ سے نقطہ عروج پر تھا ۔ اس کی خوشحالی کی شہرت دور دراز تک پھیل چکی تھی ۔ اس دور کے عدل و انصاف امن و امان اور صنعت و تجارت اور زراعت کی ترقی کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلطنت کی آمدنی میں اضافہ ہوا اکبر کے زمانے میں یہ تقریباً 20 کروڑ روپے تھی لیکن شاہجہاں کے دور کے خاتمے تک یہ مقدار تقریباً 40 کروڑ روپے ہوچکی تھی ۔ اور ہندوستان میں باہر کے ملکوں سے ہر قسم کے شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ جوق در جوق سلاطین ہند کی بزم میں آرہے تھے اور یہ سلاطین ان کو حسب منشا نواز رہے تھے۔

علمی و ادبی حالات

اکبر کی وفات گیارھویں صدی کے اوائل میں ھوئی اس وقت مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی تعلیم سے فراغت حاصل کرکے اکبر کے مدرسہ لاھور میں سرکاری مدرس کے فرائض انجام دے رھے تھے اور فاضل لاھوری کے لقب سے مشہور تھے انھوں نے ھندوستان کے تینوں خوبصورت اور خوشحال ترین دور دیکھنے کے بعد تقریباً عہد شاہ جہانی کے خاتمے کے ساتھ ھی رحلت فرمائی -

عہد اکبری کی عظمت عام طور پر صرف سیاسی حیثیت سے ھی مانی جاتی ھے کہ اکبر نے ایک مضبوط اور متحدہ ھندوستان کی بنیاد ڈالی لیکن حقیقت یہ ھے کہ یہ دور علمی حیثیت سے بھی کم درخشاں نہیں یوں تو مغل حکمرانوں کی علم پروری اور علماء نوازی ن کی حکومت کی بنیاد کے ساتھ ھی نظر آتی ھے - لیکن علوم و فنون کے اس عظیم الشان قصر نے مغلیہ ھندوستان اور بالخصوص اکبر کے دور حکومت میں تکمیل کے مراحل طے کئے - اکبر نے ان پڑھ ھونے کے باوجود علم و فن کی غیر معمولی سرپرستی کی اس کے عہد میں جیسے جلیل القدر علماء گزرے ھیں ویسے ھندوستان کی تاریخ میں کسی بادشاہ کے زمانے میں نہیں ھوئے اکبری عہد کی دو مشہور و مقبول ھستیاں شیخ مجدد الف ثانیؒ اور شیخ عبد الحق محدثؒ تھے - انھوں نے دربار سے وابستہ نہ ھونے کے باوجود آزاد رہ کر علم و فن کی غیر معمولی خدمت کی جبکہ عالموں کی ایک بڑی تعداد دربار سے وابستہ تھی اور دربار میں ان کی بےمثال قدر و منزلت بھی تھی اور انھیں وظائف بھی ملتے تھے -

اکبر نے توسیع مملکت کے علاوہ اپنے جانشینوں کے لئے شعر و ادب و فن کی باقاعدہ سرپرستی کی ملک الشعراء کا عہدہ اور درباری مؤرخ کے عہدے کا آغاز بھی اسی زمانے میں ہوا اکبر اگرچہ خود ان پڑھ تھا مگر علماء کی دل سے قدر کرتا تھا اور تمام مشہور و معروف کتابیں پڑھوا کر سنتا تھا یہاں تک کہ اس نے اپنی علمی دلچسپی سے کم علمی کی تلافی بڑی حد تک کرلی۔ تصنیف و تراجم کا ایسا سلسلہ اس کے دور میں شروع ہوا کہ دارلسلطنت ایک طرح کی اکاڈمی بن گئی جس میں ملک کے اعلی پائے کے اہل قلم تصنیف و تالیف میں لگے ہوئے تھے اور انھیں کی وجہ سے علمی/ معیار بلند سے بلند تر ہوتا گیا (20)

اکبر کے دربار سے مشہور و معروف علماء و فضلا کی ایک بڑی تعداد وابستہ تھی ۔ اس عہد کے مشہور علماء میں فیضی (954ھ - 1004ھ) سرفہرست ہے وہ فارسی کا بڑا شاعر و ادیب تھا اور اس نے تقریباً ۱۰۱ کتابیں تصنیف کیں ابوالفضل (م-1011ھ) جو فیضی (م-1004ھ) کا بھائی اور اکبر کا وزیراعظم تھا ۔ وہ اپنے زمانے کا سبسے بڑا انشاء پرداز مانا جاتا تھا اس نے "اکبرنامہ" اور "آئین اکبری" کے نام سے اس عہد کی دو تاریخیں لکھیں ۔ آئین اکبری میں ان کتابوں کی طویل فہرست دی گئی ہے جو اکبر پابندی سے دربار میں پڑھوا کر سنتا تھا ۔ اس میں تصوف - اخلاق۔تاریخ اور ادب کی مشہور کتابیں شامل رہیں مثلاً اخلاق ناصری ، کیمیائے سعادت، قابوس نامہ، گلستان، بوستاں، مثنوی مولانا روم ، ملا جامی اور امیر خسرو کی تصنیفات وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔

---

(20) شیخ محمد اکرام - رود کوثر ص 83

بلکہ ابوالفضل کے مطابق مشہور کتابوں میں سے شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو جو اس کے سامنے نہ پڑھی گئی ہو ۔ اس کے عہد میں درس و تدریس میں بھی کئی نمایاں تبدیلیاں ہوئیں اور معقولات کا بھی اضافہ ہوا ۔ اس کے علاوہ جب اس نے گجرات فتح کیا تو گجرات کی بندرگاہوں کے ذریعہ ہندوستانی طلبا٫ کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جاکر حصول علم کا موقع نصیب ہوا ۔ عہد اکبری میں خان خانان کا درجہ علمی حیثیت سے بہت بلند تھا۔ اس نے دنیا کی بیشتر زبانوں میں مہارت حاصل کی ان کے علاوہ دربار اکبری میں باکمال علمی شخصیات بڑی تعداد میں موجود تھیں اور ان ارباب کمال میں ملا عبدالقادر بدایونی (1004ھ / 1596ء) کا درجہ علمی حیثیت سے کم ممتاز نہیں تھا۔ ملا صاحب عربی فارسی سنسکرت تفسیر و تاریخ کے نامور عالم تھے ۔ شیخ عبدالنبی صدر الصدور بھی ایک عالمی شخصیت تھے ۔ اکبر نے انہیں صدر الصدور کے عہدہ پر مامور کیا ۔ اسے ان سے بےحد عقیدت تھی ۔ ان کے علاوہ حاجی سلطان تھانیسری خواجہ حسن ہروی قاضی جلال الدین حاجی ابراہیم سرہندی ملا شیری سیالکوٹی شیخ عبدالحق دہلوی قاضی نوراللہ شوستری وغیرہ کے علاوہ عہد اکبری کے تقریباً 144 شعرا٫ کے حالات بدایونی نے اپنی شہرہ٫ آفاق تصنیف "منتخب التواریخ" میں قلم بند کئے ہیں ۔ اس کے علاوہ اکبر نے ان علما٫ و فضلا کی ہمت افزائی اور قدر دانی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا ۔

عہد مغلیہ میں علما کی تعداد بہت زیادہ تھی ۔ شاہان مغلیہ کے دور میں علما٫ کی کئی قسمیں تھیں پہلی قسم کے علما٫ حکمراں طبقہ سے میل جول رکھنا پسند نہ کرتے تھے ۔ دوسری قسم میں وہ تھے جن کا مشغلہ درس

و تدریس تھا ان کے وظائف شاھی خزانہ سے مقرر تھے اور وہ اطمینان سے
تا حیات درس و تدریس میں مشغول رھتے تھے ۔ تیسری قسم میں وہ علماء
جو حکمراں طبقہ کے معاون و مددگار تھے گوشہ نشین علماء ۔ ایسے علما کو
دنیا دار اور جاہ پرست کہتے تھے۔ شاھان مغلیہ میں بابر فطری طور پر
تھا ۔ ھمایوں بھی صوم وصلوٰۃ کا پابند تھا ۔ اکبر شروع میں دیندار اور
العقیدہ مسلمان تھا اور اپنی اوائل عمری میں شہنشاہ ھند ھوتے ھوئے بھی
مسجد کی صفائی اپنے ھاتھوں سے کرتا تھا ۔ مگر بعد میں اس نے اپنی
علمی کی وجہ سے ایک نئے مذھب "دین الہی" کا آغاز کیا ۔ اور اس میں
بعض مفاد پرست علماء نے اس کی بھر پور مدد کی اس کے عہد میں کچھ
ایسے تھے جنھوں نے دربار میں سجدہ تعظیمی کرنا ضروری قرار دیا۔ اس
علاوہ شاھان مغلیہ میں علماء کی جرات اور صاف گوئی کی بہت سی مثالیں
ھیں ۔ ملا عبدالنبی صدر الصدور اکبر سے اپنی جوتیاں سیدھی کرایا کرتے
جب اکبر نے دین الہی قائم کیا تو جونپور کے ملا محمد یزدی اور بنگال کے
القضاۃ معز الملک اور قاضی یعقوب نے فتوی دیا کہ بادشاہ بدمذھب ھوگیا
اور اس پر جہاد واجب ھے جس کے نتیجے میں تینوں کو موت کے گھاٹ
اتارا گیا (21)

اکبر اگرچہ ان پڑھ تھا مگر کم علمی کے باوجود اس کے ذاتی شو
کا یہ عالم تھا کہ فارسی کی مشہور کتب میں سے شاید ھی کوئی اس کے
نہ پڑھی گئی ھو اور اس وسیع مطالعہ کے نتیجے میں کوئی تاریخی سرگزشت
فقہی مسئلہ علم و فن اور فلسفہ حکمت کا نقطہ ایسا نہیں تھا ۔ جو اس کے

---

(21) صباح الدین عبدالرحمن ۔ ھندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ

میں نہ ھو ۔ اور جس پر وہ بول نہ سکتا ھو ۔ اس کا علمی ذوق اس قدر بلند ھو چکا تھا ۔ کہ وہ خود شاعری کرتا اور اساتذہ کے اشعار پر اصلاحیں دیتا اس کو علم و ادب سے گہرا لگاؤ تھا ۔ اس کا اندازہ ان صحبتوں سے ھوتا ھے جس میں ھر فن کے ارباب و کمال جمع ھوکر مختلف مسائل پر بحث کرتے اور وہ خود بھی ان میں برابر کا حصہ لیتا تھا ۔(22)

اس کے علمی ذوق کے سبب جو کتب خانہ قائم ھوا وہ بے مثال تھا آگرہ کے قلعہ مثمن برج کے بغل والا کمرہ شاھی کتب خانہ تھا ۔ ھمایوں کے کتب خانہ کی کتابیں بھی اکبر کو وراثت میں ملی تھیں اور مختلف مقامات سے اور اشخاص سے بھی بہت سی کتابیں وقتاً فوقتاً دستیاب ھوتی رھتی تھیں اھل قلم جو کتابیں لکھتے اس کا ایک نسخہ اکبر کے کتب خانے میں بطور ھدیہ بھیجتے اس کے علاوہ درباری مصنفوں کی تصنیفات و تالیفات و تراجم بھی شاھی کتب خانہ میں رھتے اکبر کو فتوحات کے بعد جتنی کتب دستیاب ھوتیں ان کو بھی خزانۂ عامرہ میں داخل کیا جاتا تھا ۔ فیضی کے کتب خانے میں تقریباً 4600 کتابیں تھیں ۔ اس کی وفات کے بعد وہ سب بھی شاھی کتب خانہ میں جمع کردی گئیں اس کے دربار میں بےشمار خطّاط اور خوش نویس تھے۔ جنھوں نے شاھی کتب خانے کی ذھنیت اپنے کمال فن سے بڑھائی اور ان کی قدردانی اکبر نے جاگیریں، منصب اور خطابات دے کر کی ۔ ان میں ملا حسین کشمیری - خواجہ عبدالصمد - میر معصوم قندھاری - حسن بن احمد چشتی اور

---

(22) معارف ج، 37، 1936ء ص، 339

مولانا میر علی هروی قابل ذکر هیں شاهان سور کی طرح اکبر نے بھی علماٗ کو دربار میں اقتدار سے نوازا اور اس سلسلے کو بڑھاتے ھوئے مخدوم الملک اور صدر الصدور کو وہ اختیارات دئے جو اس سے پہلے کسی بادشاہ نے نہ دئے اس کے علاوہ جابجا قاضی و مفتی مقرر کئے مخدوم الملک کو سلطنت میں ایک مشیر اور رکن کی حیثیت دی ۔ صدر الصدور شیخ عبدالنبی کا وہ اس حد تک معتقد تھا کہ شہزادہ سلیم کو ان کی شاگردی میں دیا ۔ حضرت شیخ سلیم چشتی سے اکبر کو بے انتہا قلبی لگاوٗ تھا اس لئے وقتاً فوقتاً ان کے دربار میں حاضری دیتا رھتا تھا ۔

اکبر کے مذھبی خیالات سے اختلاف کے باوجود یہ بات ماننی پڑیگی کہ اس کا دور علم و فن کے لحاظ سے نہایت تابناک تھا بےشمار علماٗ و فضلاٗ اس کے دربار سے وابستہ تھے اور ملک کے مختلف علاقوں میں بھی اھل علم بہت بڑی تعداد میں علمی خدمات انجام دیتے تھے ۔ اس کی علم و فن سے اس حد تک شیفتگی کو محمد اسحاق بھٹی یوں بیان کرتے ھیں ـــ

> " اکبر کے مذھبی خیالات سے اختلافات کے باوجود یہ بات ماننی پڑےگی کہ اکبر کا دور علم و فن کے لحاظ سے نہایت زرخیز تھا ۔ بےشمار علماٗ و فضلاٗ اس کے دربار سے وابستہ تھے اور ملک کے/مختلف علاقوں میں بھی اھل علم بہت بڑی تعداد میں علمی خدمات انجام دیتے تھے ۔ بڑے بڑے شہروں مثلاً دھلی۔ جونپور ۔ آگرہ ۔ لاھور ۔ ملتان۔ سیالکوٹ اور سرھند وغیرہ

میں دینی مدارس قائم تھے اس دور کے اصحاب علم اگر ایک طرف درس و تدریس کے منصب پر فائز تھے تو دوسری طرف مسند رشد و ہدایت پر بھی جلوہ افروز تھے ان کے علاوہ مبلغین و مدرسین کی ایک کثیر تعداد ملک کے مختلف علاقوں میں مصروف اشاعت دین تھی ان حضرات کا دائرہ بہت وسیع تھا اور سرکاری دربار سے کوئی تعلق نہ تھا ۔" (23)

اکبر کی وفات کے بعد 1014ھ / 1605ء میں جہانگیر تخت نشین ہوا ۔ اس کے عہد کو نہ صرف مغلیہ دور میں بلکہ پورے ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص مقام حاصل ہے بلکہ بابر کا علمی ذوق اور اکبر کی علمی و ادبی روایات اسے ورثے میں ملی تھیں ۔ جہانگیر اپنے دادا کی طرح ادیب و فنکار اور والد کی طرح مدبرّ سیاستداں تھا ۔ اس نے جس وقت ملک کی باگ ڈور سنبھالی تو اسے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جن میں سب سے اہم مسئلہ اسلامی ہندوستان کی تعمیر و تشکیل تھا اور سوال یہ تھا کہ آئندہ مسلمانوں کا دستور حیات کیا ہوگا اور ان کی علمی و ادبی سرگرمیوں کی رفتار کیا ہوگی ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے یہ عظیم کارنامہ انجام دیا کہ اسلامی ہندوستان کو کشمکش سے بچا کر اسی صراط مستقیم کا انتخاب کیا جو سینکڑوں برسوں سے جمہور ملت اسلامیہ کی حیات کا نظام تھا ۔

---

(23) محمد اسحاق بھٹی ۔ فقہائے ہند ج چہارم ص 34

مگر وہ عظیم خیالات کا مالک تھا ۔ اس نے علمی و ادبی فضا کو منور کیا اور عدل و انصاف کی دنیا میں امن و راحت بانٹی ۔ اکبر کے عہد حکومت کے بعد علوم اسلامیہ کی ہندوستان میں دوبارہ بنیاد اسی نے رکھی ۔ حضرت مجدد الف ثانی رح اور شیخ عبدالحق محدث دھلوی اسی کے زرین عہد کے آفتاب و ماھتاب ھیں ۔

اس نے علم و ادب سے شیفتگی اور مطالعہ سے دلچسپی ورثہ میں پائی تھی اسی وجہ سے وہ علم و ادب کے افق پر ماھتاب بن کر چمکا اور بحیثیت ایک تنقید نگار وہ جس قدر باریک بین تھا اس کا اندازہ کرنا مشکل ھے ۔ اس کے علاوہ اکبر کے کتب خانے کے علمی نوادرات نے اس کی صلاحیتوں کو مزید اجاگر کیا ۔ جہانگیر نے جو کتب خانہ وراثت میں پایا تھا اس نے نہ صرف اس کی امتیازی شان کو برقرار رکھا بلکہ اس میں کئی قابل قدر اضافے بھی کئے اس مسئلے میں وہ اکبر کے مثل تھا ۔ وہ اپنے کتب خانے کا ایک حصہ سفر میں بھی ھمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا ۔ جب وہ گجرات پہنچا تو اس نے اپنے کتب خانے کی کچھ کتابیں وھاں کے علماء کو ھدیہ کیں ۔ اور ان پر گجرات پہنچنے اور کتاب دینے کی تاریخ اپنے دست خاص سے تحریر کی ۔ آزاد لائبریری علیگڑھ میں ترکی دیوان کا ایک صفحہ موجود ھے جس پر جہانگیر کے دست خاص سے یہ عبارت لکھی ھوئی ھے —

"اللہ اکبر پنجم آذر سہ داخل کتاب خانہ این نیازمند درگاہ الہی نورالدین جہانگیر اکبر بادشاہ 1014ھ ۔"

جہانگیر نے عربی مدارس پر خصوصی توجہ کی اور ہندوستان میں بہت سے ویران مدارس کو دوبارہ آباد کیا ۔ علمی و ادبی ترقی کے لئے یہ قانون وضع کیا گیا کہ اگر کوئی تاجر دیار غیر میں وفات پا جائے اور وہ لاوارث ہو تو اس کی تمام جائیداد مدارس مفید عمارتیں تعمیر کرانے میں صرف کی جائے ۔ خان خانان نے اس فرمان کو نقل کیا ہے کہ ـــــ

"حکم شد کہ ہرجا کہ مسافر تاجر و مقیم مالدار فوت شود وارث او حاضر نہ باشد مال او امانت نگاہ دارند ۔ در صورت مفقود وارث بودن وارث مال ترکہ میت را صرف تعمیر واحداث مساجد و پل مدرسہ و سرائے نمایند ۔" (24)

اکبر کے زمانے میں ہندوستان میں تعلیم کی جو اہمیت تھی جہانگیری عہد میں بھی وہ باقی رہی ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح (م۔ 1052ھ) حضرت مجدد الف ثانی رح (م۔ 1034ھ) اور شیخ عبداللہ شطاری (م۔ 1010ھ) جیسے مایہ ناز علماء جہانگیری دور میں موجود تھے ان کے علاوہ مولانا شکر اللہ شیرازی مولانا مرزا احمد قاسم گیلانی اور دوسرے علماء جو مصنف اقبال نامہ جہانگیری نے بتائے ہیں مثلاً روزبہان شیرازی، ملا مقصود علی تبریزی، قاضی نوراللہ ، ملا عبدالحکیم سیال کوٹی اور ملا محمود جونپوری قابل ذکر ہیں ۔ اپنی عمر کے آخری دور میں جہانگیر کو شیخ احمد سرہندی کی صحبت سے غیرمعمولی روحانی مذہبی فیوض و برکات حاصل ہوئیں ۔ اگرچہ شروع میں وہ بعض درباری

---

(24) مفتی انتظام اللہ ۔ سلاطین ہند ۔ ص 97

امراؑ کی سازشوں اور شر انگیزیوں کی وجہ سے ان سے برگشتہ رہا ۔ اور مشتعل ہوکر انہیں گوالیار میں قید کردیا مگر عاشق رسولؐ شریعت (مجد د الف ثانیؒ) کی قید و بند کے زمانہ میں جہانگیر نے خواب میں حضرت محمدؐ کو دیکھا۔ انھوں نے فرمایا کہ تم نے ایک بڑے آدمی کو قید کردیا ھے اس نے شرمندہ ہوکر انہیں رہا کردیا اور ان سے معافی مانگی اور پھر اس کی شیفتگی اور عقیدت ان کی ذات سے اس حد تک بڑھی کہ اپنی عمر کا زیادہ حصہ ان ھی کی خدمت بابرکت میں گزارا ۔

جہانگیر نے تقریباً 70 سال کی عمر میں وفات پائی اس وقت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی عالم شباب کو الوداع کہہ چکے تھے اور وہ برابر اپنے علمی ذوق و شوق کے مطابق درس و تدریس میں منہمک رہتے تھے ۔ چنانچہ جہانگیر نے ان کی علمی خدمات کے معاوضے کے طور پر انہیں ایک جاگیر عطا فرمائی ۔ تاکہ وہ معاشی طور پر بےفکر ہوکر اپنی عمر عزیز کو مکمل طور پر تصنیف و تالیف میں صرف کریں اس کے بعد شاہ جہاں کی ادب نوازی و علم پروری کے سلسلہ میں "بادشاہ نامہ" میں 1634ء کے واقعات میں محمد صالح کنبوہ یوں رقمطراز ھیں ــــ

"اسی دوران میں خدمت شاھی میں عرض ھوا کہ علاقہ بھنبھر کے مسلمان اپنی جہالت کی بناؑ پر ھندوؤں کو بیٹیاں دیتے اور بیٹیاں لیتے ھیں اور یہ طے کر لیا ھے کہ جو ھندو لڑکی مسلمان سسرال میں مرے گی وہ دفن کی جائیگی اور جو مسلمان لڑکی ھندو کے گھر فوت ھو وہ جلائی جائے

دربار شاہی (شاہ جہانی) سے حکم ہوا کہ جس ہندو کے گھر مسلمان عورت ہو اگر وہ مسلمان ہو جائے تو عورت سے اس کا نکاح دوبارہ پڑھایا جائے ورنہ مسلمان عورت کو اس سے جدا کردیا جائے چنانچہ راجہ جوگوی جس سے یہ فعل سرزد ہوا اپنے تمام قبیلے کے ساتھ مسلمان ہوا اور راجہ دولت مند کے خطاب سے سرفراز ہوا ۔" (25)

شاہ جہاں نے ہندوستان میں ایسی علمی فضا قائم کی جس سے نہ صرف علمی مقام بلند ہوا بلکہ ایسے یکتائے روزگار پیدا ہوئے جو علوم و فنون میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور جہاں کہیں ایسا موقع آیا کہ ہندوستانی علماء دوسرے ممالک کے علماء سے کسی مسئلے میں الجھے ہوں تو شاہ جہاں کی رگ حمیت بھڑک اٹھتی تھی اور وہ ہر جتن کرکے اپنے ملک کے علماء کو اونچا اٹھانے کی کوشش کرتا تھا ۔ وہ نہایت عالم فاضل شخص تھا اور علم و ادب سے اسے خصوصی لگاؤ تھا ۔ آگرے کے قلعے میں قید ہونے کے بعد اورنگزیب کے پوچھنے پر کہ اس دوران کونسا مشغلہ آپ کو پسند ہوگا تو اس نے جواب میں کہا کہ قیدوبند کی زندگی درس و تدریس میں گزارنا چاہتا ہوں ۔ شاہ جہاں کو جونپور کی علمی مرکزیت پر اس قدر فخر تھا کہ "جونپور شیراز مملکت ما است" کہا کرتا تھا ۔

مغل عہد حکومت میں اسلامی دنیا کے دور دراز علاقوں سے علماء و فضلا دہلی آتے اور یہاں قابل فخر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے

---

(25) ممتاز لیاقت ۔ شاہ جہاں نامہ ~~مترجم~~ مصنف محمد صالح کنبوہ ص 241

اور جس علمی تصنیف پر ہندوستانی علماء مہر توثیق ثبت کرتے وہ علمی دنیا میں معتبر مانی جاتی شاہان مغلیہ کے دور میں دہلی تھانیسر بدایوں کٹرہ الہ آباد لکھنؤ اور اس کے مضافات لاہور جونپور اور بہار وغیرہ علم و ادب کے ایسے مراکز تھے کہ ان میں صرف ہندوستان کے دوسرے حصوں سے نہیں بلکہ بیرونی ممالک مثلاً ہرات و بدخشاں وغیرہ سے بھی لوگ اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لئے آتے ۔ دور شاہجہانی میں مشہور و معروف علماء کی مسند درس بچھی ہوئی تھی اور پورے ایشیا میں ان کے علوم و فنون کو شہرت حاصل تھی ۔ ملا محمد فاضل بدخشانی تحصیل علم کی خاطر کابل سے ہندوستان آئے اور ملا میرک بھی عین عالم شباب میں ہرات سے ہندوستان آئے اور ملا عبدالسلام کے شاگرد ہوئے ۔ سیالکوٹ میں ملا کمال الدین اپنی مسند درس بچھائے ہوئے تھے ۔ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی انھیں کی درسگاہ کے ہونہار شاگرد تھے ۔ شاہ جہاں کی شیخ وجیہہ الدین گجراتی اور شیخ ابوالخیر جیسے مشہور علما و فضلاء کی نگرانی میں تعلیم و تربیت ہوئی تھی اسی لئے اسے عربی و فارسی ترکی اور ہندوستانی وغیرہ پر عبور حاصل تھا ۔ اس کے علاوہ خطاطی میں بھی اسے مہارت تھی ۔ مگر اپنے آبا و اجداد کی طرح اس کو علمی انہماک نہ تھا ۔ اور نہ ہی اس نے اپنے باپ دادا کی طرح کوئی علمی یادگار چھوڑی اس کے دماغ کی گل افشانی صفحہء قرطاس کے بجائے جامع مسجد دہلی کی تعمیری ندرت و نفاست میں ظاہر ہوئی اور اس نے محبت کا ترانہ شعر و شاعری میں نہیں بلکہ تاج محل کی صورت میں منظوم کیا ۔ اگر بابر کی ذہنی نقش آرائیاں اس کی "تزک بابری" میں ہمایوں کی تخیل آرائیاں اس کی شعر و شاعری میں اکبر کی علمی فیاضیاں اس کے دربار کی ہنر پرور فضاسیں

شاہ جہاں کے ذہن کی پرکاریاں تخت طاؤس قلعہ معلی اور روضہ تاج کے نقش و نگار میں عیاں ہیں بےشک اس نے کوئی علمی تصنیف نہیں چھوڑی پھر بھی اس کی کتاب زندگی کا کوئی صفحہ علمی دلچسپیوں سے خالی نہیں اس کے دربار کی علمی فضا اس کی فیاضیاں و زرپاشیاں اور اس کے علاوہ دارا شکوہ مراد جہاں آرا اور اورنگزیب وغیرہ کی اعلی تعلیم و تربیت اس کے ذوق کی شہادت ہیں ۔ شاہ جہاں کا دور ہندوستان کی فارغ البالی اور خوشحالی کا دور تھا ۔ اس نے ہندوستان کو علم و ادب کا گہوارا بنا دیا اور علماء و فضلاء شعراء کے ساتھ اس قدر اچھا سلوک کیا اور انہیں اسقدر انعام و اکرام سے نوازا کہ اکبر و جہانگیر سے بازی لے گیا ۔

اگر ہندوستانی علماء کی شان پر کوئی حرف آتا تو شاہ جہاں دکھی ہوتا ۔ ایک بار اس کے عہد میں کچھ علماء عراق گئے وہاں کے عالموں نے ہندوستانی علماء سے پوچھا کہ امام غزالی نے "تہافت الفلاسفتہ" میں قدم عالم اور نفی علم واجب تعالی کے سلسلہ میں شیخ ابونصر فارابی اور شیخ بوعلی سینا کی تکفیر کی ہے کیوں ؟ علماء اس کا شافی جواب نہ دے سکے تو شاہ جہاں کی رگ حمیت پھڑک اٹھی ۔ اسے خیال ہوا کہ کہیں اس کے وطن کے علماء کی سبکی نہ ہو اس لئے اس کے جواب میں ملا عبدالحکیم سیال کوٹی سے ایک رسالہ "الرسالتہ الخاقانیہ" لکھوا کر عراق بھیجا ۔

شاہ جہاں ایک غیرت مند مسلمان تھا ۔ وہ بچپن میں ہی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگیا تھا اور اس نے ان کی مذہبیت

سے متاثر ھوکر اپنے عہد میں شراب سازی شراب نوشی کی ممانعت کروادی اس نے اپنے عہد میں رسولؐ کے ساتھ گستاخی کرنے کی سزا مقرر کی وہ اہم عہدیداروں کے تقرر میں ایسے افراد کو ترجیح دیتا تھا جو عالم ھونے وزیراعظم سعد اللہ خاں حافظ قرآن ھونے کے ساتھ ساتھ معقولات و منقولات کے ممتاز عالم تھے ۔ اسی عہد میں دانشمند خان جو میر بخشی کے عہدہ پر فائز تھے ان کا علم بھی معقولات و منقولات دونوں میں کافی گہرا تھا ۔ انھوں نے اس وقت کے جید عالم ملا عبدالحکیم سیالکوٹی سے "ایاک نعبد و ایاک نستعین" کی تفسیر پر علمی مذاکرہ کیا ۔ تو شاہ جہاں کے وزیر سعد اللہ خان نے کہا کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ھے کہ دونوں میں سے کس کا علم زیادہ ھے ۔ اس سے معلوم ھوتا ھے کہ شاہ جہاں اگرچہ خود عالم و مصنف نہ ھوتے ھوئے بھی علماء ساز تھا اپنی ذاتی دلچسپی سے اس نے ھندوستان کو رشک شیراز و یمن بنادیا ۔ علماء کی مدد و معاش کرتے ھوئے اس نے کئی تعلیمی اقدام کئے اکبر و جہانگیر کے قائم کردہ مدارس کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ اس کو مزید ترقی دی جامع مسجد دھلی کے جنوبی گوشہ میں ایک نیا مدرسہ قائم کرکے اس کا نام دارالبقاء رکھا ۔

دسویں اور گیارھویں صدی ھجری میں مغل دور کئی اعتبار سے اہم ھے اس دور میں شعوری طور پر تشکیل نصاب کی کوششوں اور نصاب تعلیم کو عصری تقاضوں سے ھم آھنگ کرنے کی خواھش کا اظہار ھوتا ھے اس وقت ذھنوں میں تبدیلی آچکی تھی تخت سلطنت پر اکبر جیسا حساس بادشاہ جلوہ گر تھا جسے عصری تقاضوں کا پورا احساس تھا ۔ حالات پر مکمل گرفت رکھنے کی

خاطر نصاب تعلیم میں عصری علوم حاصل کئے جانے کا اشارہ اسی کی ذات سے ملتا ھے ۔اگرچہ مولانا عبداللہ نے دھلی میں اور مولانا عزیز اللہ نے سنبھل میں اپنے نصاب تعلیم کو درس کے ذریعہ شروع کردیا تھا ۔ اور مظبہ دور کا یہ پورا ایک تناور درخت میں تبدیل ھوگیا ۔ معقولات کا رواج ھندوستان میں پہلے بھی تھا ۔ پنجاب سندھ اور گجرات صدیوں معقولات کی تعلیم کے اھم مراکز رھے ھندوستانیوں کو فلسفہ سے بھی خصوصی لگاؤ تھا ۔ امیر فتح اللہ شیرازی نے آگرہ پہنچ کر دربار اکبری میں قیام کیا اور بڑی محنت سے درس تدریس کا سلسلہ شروع کیا ۔ ساتھ ھی ایران کے متاخرین علماء محقق دوانی میر صدر الدین شیرازی میر غیاث الدین منصور اور مرزا جان کی کتابوں کو نصاب میں داخل کیا گیا ۔ شیخ وجیھہ الدین کے بارے میں مشہور ھے کہ درس کی کوئی کتاب ایسی نہ تھی جس پر انھوں نے حاشیہ نہ لکھا ھو ان کے بےشمار تلامذہ میں قاضی ضیاء الدین اور ملا جیون امیٹھوی خاص طور پر قابل ذکر ھیں ۔ حدیث کا پہلو اس سے زیادہ تابناک ھے جو لوگ حجاز سے فن حدیث حاصل کرکے آئے ان میں شیخ طاھر پٹنی شیخ یعقوب صرفی کشمیری ملا عبدالنبی گنگوھی شیخ عبداللہ شیخ رحمت اللہ وغیرہ قابل ذکر ھیں ۔ مکمل نصاب کا نقشہ حسب ذیل ھے یہ تسلیم شدہ نصاب تھا جو عربی مدارس میں جاری و ساری تھا ۔

"نحو" میں۔کافیہ شرح جامی" منطق میں "شرح شمسیہ "شرح مطالع فلسفہ میں۔شرح ھدایت الحکمتہ کلام میں۔شرح عقائد نسفی معہ حاشیہ خیالی شرح مواقف فقہ میں۔ھدایتہ کامل و شرح وقایہ ۔ اصول فقہ میں حسامی

توضیح تلویح بلاغت میں- مختصر مطول ھئیت و نصاب میں- بعض رسائل مختصرہ طب میں- موجز القانون تفسیر میں- مدارک، بیضاوی، حدیث میں- صحیح بخاری مشکواتہ المصابیح شمائیل ترمذی تصوف و سلوک میں- عوارف - رسائل نقشبندیہ شرح رباعیات جامی مقدمہ شرح لمعات مقدمہ شرح النصوص وغیرہ منتخب التواریخ "مآثر الکرام" وغیرہ کے مطالعہ سے کچھ زائد کتابوں کے نام ملتےھیں جو عہد اکبری میں شامل نصاب رھیں -

مغلیہ خاندان کے فرمانرواؤں نے دینی علوم کی ترویج و اشاعت کے لئے جگہ جگہ مدارس تعمیر کرائے ان میں مفت تعلیم دی جاتی - طلبا٘ کے قیام کےلئے خانقاھیں و سرائے تعمیر کرائیں ان میں کھانا مفت ملتا - ھونہار اور ذھین طلبا٘ کو وظائف بھی ملتے اور مفت کتابیں تقسیم کی جاتیں - درس و تدریس کےلئے متعین اساتذہ و علما٘ کی تنخواھیں شاھی خزانے سے دی جاتیں اس کے علاوہ دیگر تمام مصارف بھی حکومت برداشت کرتی اس دور کے علما٘ اپنے طور پر مسجدوں گھروں خانقاھوں میں تفسیر حدیث فقہ عربی زبان اور دیگر علوم کی تعلیم دیا کرتے اور طلبا٘ ان محفلوں میں دور دور سے آکر استفادہ کرتے ان کے علاوہ درباری امرا٘ بھی ان محفلوں میں شریک ھوتے اور فائدہ اٹھاتے تھے -

مختصر یہ کہ ھندوستان اس صدی میں اپنی علمی و ادبی حیثیت سے ایک نہایت ھی درخشاں دور میں داخل ھوچکا تھا - امن و خوشحالی کا ھر طرف دور دورہ تھا - عدل پروری کی روایت کو شاھان مغلیہ نے نہایت شاندار طریقے سے برقرار رکھا اس کے علاوہ ایک بادشاہ اسی وقت ایک قابل

حکمراں کہلایا جاسکتا ہے جب وہ مذہبی ہونے کے ساتھ ساتھ حکمرانی کے بھی تمام اوصاف سے آشنا ہو ۔ اور یہ بات اس وقت کے مغل حکمرانوں میں بدرجہ اتم موجود تھی خصوصاً شاہ جہاں نے ہر شعبہ زندگی میں خواہ وہ فن تعمیر ہو یا علماء کی قدر و منزلت اس نے اپنی قابلیت کا لوہا منوالیا ۔

مغل سلطنت کے عروج کے دور کی سب سے بڑی علمی و فکری شخصیت حضرت مجدد الف ثانی رحؒ کی تھی لیکن اس دور میں بلند پایہ ادیبوں مصنفوں اور شاعروں کی کمی نہیں تھی ۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی(م-1052ھ) نے سب سے بڑا کارنامہ ہندوستان میں علم حدیث کو رواج دے کر کیا ۔ انھوں نے عربی و فارسی میں تقریباً 100 کتابیں اور کتابچے لکھے پھر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (م-1067ھ) جو سیالکوٹ اور آگرے کے مدارس میں پڑھاتے رہے انھوں نے تفسیر و فقہ اور علم کلام کی مشہور کتابوں پر حواشی لکھے ہیں ۔ سب سے مشہور تفسیر "بیضاوی" پر بہت علماء نے حاشیے لکھے لیکن کہا جاتا ہے کہ سب سے اچھا اور مقبول حاشیہ مولانا سیالکوٹی کا ہے ان کو سب سے زیادہ شہرت ان کی تصنیف "الرسالہ الخاقانیہ" کی وجہ سے ملی ان کے علاوہ مولانا محمود جونپوری (م-1062ھ) بھی اس عہد کے ممتاز عالم ہیں ۔ ان کی شہرت ان کی تصنیف "شمس بازغہ" کے ذریعہ ہوئی ۔ یہ فلسفہ کی شاہکار کتابوں میں شمار ہوتی ہے ۔ اس عہد کے ایک اور ممتاز عالم شیخ محب اللہ الہ آبادی (م-1058ھ) نے زیادہ تر تصوف پر لکھا اور مشہور صوفی ابن عربی کی کتاب "فصوص الحکم" کی شرح لکھی اس کے علاوہ علم تاریخ میں ابوالفضل کا "اکبرنامہ" اور "آئین اکبری" اور بدایونی کی "منتخب التواریخ" قابل ذکر ہیں ۔ شاہجہانی عہد کے عبدالحمید لاہوری (م- 1065ھ) کی "بادشاہ نامہ" اور محمد صالح

کنبوہ م 1085ھ کی "عمل صالح" جو شاہ جہاں کی پیدائش سے لے کر وفات تک کے حالات پر مشتمل ہیں ۔ قابل ذکر ہیں ۔ اس کے علاوہ اس عہد میں ملا محمد فاضل بدخشانی ، قاضی محمد اسلم ہروی ، قاضی محمد سعید ، ملا میرک شیخ ہروی ولد عبداللطیف سلطانپوری ، میر محمد ہاشم گیلانی ، ملا فرید دہلوی ۔ ملا یوسف ، ملا عبدالسلام لاہوری ، مولانا محب علی ، مولانا سید محمد رضوی ، ملا محمود جونپوری اور ملا عبدالسلام اعظمی دیوی وغیرہ اسلام کی عزت و ناموس کے محافظ بھی رہے اور شاہ جہاں نے ان علماء کی قدر و منزلت ہرطریقہ سے کی ان کی عالمانہ سرگرمیوں پر ان اصحاب کو جاگیروں اور بھاری بھرکم انعام و اکرام سے نوازا اورنگ زیب نے مولانا عبداللطیف سہارنپوری مولانا محمد گیلانی اور علامہ سعد اللہ خاں اور شیخ احمد المعروف ملا جیون جیسے جلیل القدر علماء سے تعلیم حاصل کی ۔ یہ علماء اپنے علم و فضل ذہانت و ذکاوت اور فطرت عالی کی وجہ سے عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے ۔

حقیقت یہ ہے کہ تیموری دور میں علم و ادب صنعت و حرفت موسیقی باغبانی مصوری اور ہر قسم کے ہنر کی ایسی بےمثال سرپرستی کی گئی کہ اس کی مثال پوری اسلامی دنیا میں نہیں ملے گی ۔

باب دوم :

حیات مولانا عبد الحکیم سیالکوٹیؒ

— وطن
— خاندان
— ولادت
— تعلیم و تربیت
— اساتذہ
— علمی مشاغل
— وفات
— اولاد
— تلامذہ
— رفاہی یادگاریں

حسیات مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی

سر زمین ہند ابتداءؑ سے ہی علماءؑ و فضلاءؑ مشائخ طریقت اور بزرگان دین کا گہوارہ رہی ہے اس مادر گیتی سے ایسے ایسے علماءؑ و فضلاءؑ پیدا ہوتے رہے ہیں جن کی تحقیقی کاوشوں اور علمی کارناموں کو دیکھ کر عصر حاضر کے لوگ انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں ۔ ایسے ہی افراد قوم و ملت کی تاریخ بناتے ہیں اور تاریخ ان کا ذکر اقوام و ملل کے ساتھ کرتی ہے کہ آوؑ دیکھو میرے دامن میں ایسے ایسے نایاب لعل و گہر ہیں جن کی ضیا پاشیوں سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں ۔ یوں تو تقریباً ہر صدی میں ہندوستان میں مایہ ناز علماءؑ و فضلا پیدا ہوتے رہے ہیں مگر دسویں اور گیارھویں صدی ہجری کا زمانہ ہندوستان کی علمی تہذیبی تمدنی اور ثقافتی تاریخ کا سب سے زیادہ روشن اور تابناک دور ہے ۔ اس زمانہ میں مادر ہند کی آغوش میں ایسے ایسے پھول کھلے جن کی عطر بیزیوں سے ایک زمانہ مستفید ہوتا رہا اور وہ زبان و ادب کے افق پر روشن ستارے بن کر چمکے ان ہی کی وجہ سے تحقیق و تاریخ کا چمن ایک بار/پھر لہلہا اٹھا اور اس کی سنگلاخ وادی ایک بار پھر ان بلند ہمت اشخاص کی آماجگاہ بن گئی اور زہد و تقوی کی پر سکون سطح میں ایسا تموج پیدا ہوا کہ سرزمین ہند کے گوشے گوشے میں تصوف و سلوک اور آخرت طلبی کا بازار گرم ہوگیا ۔

ہندوستان میں اس وقت علوم اسلامی کے چھ بڑے مراکز تھے ایک دھلی دوسرا پنجاب تیسرے پورب (جونپور الہآباد اور لکھنوؑ کا علاقہ) چوتھے گجرات پانچویں سندھ اور چھٹے برھانپور ۔ دھلی میں شیخ عبدالحق

اس علمی مجلس کے صدر نشین تھے ۔ پنجاب میں ان دنوں حاکم سے ناراضگی کی بنا پر کشمیر سے ایک بزرگ ترک وطن کرکے سیالکوٹ آئے تھے جنھوں نے پنجاب کی شہرت کو چار چاند لگائے اور اسے ایک مرتبہ پھر فروغ دیا ان بزرگ کا نام ملا کمال الدین کشمیری (م1017ھ / 1608ء) تھا ۔ پنجاب کے شہر سیالکوٹ کی مردم خیز زمین میں دو باکمال پیدا ہوئے ۔ پچھلے زمانے میں علامہ عبدالحکیم اور موجودہ زمانہ میں علامہ اقبال ۔ دونوں عظمت و شہرت کے آسمان پر علم و فضل کے آفتاب و ماھتاب بن کر چمکے ۔ علامہ اقبال پر تو بہت کچھ لکھا جا چکا ھے مگر علامہ سیالکوٹی پر بہت کچھ لکھنا باقی ھے ۔

ھندوستان زمانۂ قدیم سے ھی علوم و فنون کا گہوارہ رہا ھے جب مسلمانوں نے اس سر زمین پر قدم رکھا تو انھوں نے اسلامی علوم و فنون کی بھی داغ بیل ڈالی ۔ محدثین فقہا مشائخ اور صوفیہ نے جگہ جگہ علم دین کے چراغ روشن کئے ۔ مزید برآں سلاطین و امراء نے بھی علوم اسلامیہ کی اشاعت میں دلچسپی لی اور اپنے وسائل کے ذریعہ سے اس کی سرپرستی میں کماحقہ حصہ لیا ۔ بعض اوقات ان امراء و روسا کی ڈیوڑھیاں اور حویلیاں اسلامی علوم و فنون کے مدارس بن گئیں جہاں ان کی اولاد کے ساتھ ساتھ دیگر طلبہ بھی شریک درس ھوتے تھے ۔ غیر مقامی طلباء کے لئے اقامت اور خوردونوش کا انتظام بھی ھوتا تھا ۔ بعض سلاطین نے ممتاز علماء و فضلاء کو جاگیریں بھی عطاکیں تاکہ وہ فکر معاش سے آزاد ھوکر سکون و اطمینان سے اپنی اقامت گاھوں پر ھی تعلیم و تدریس کی خدمت میں مشغول رھیں بعض اھل علم نے مساجد ھی میں مسند درس آراستہ کرلی اور محلہ کے خوشحال مسلمانوں نے ان کی

اور طالبین علم کی کفالت کی پھر رفتہ رفتہ عام مدارس کا قیام عمل میں آیا ۔

ہندوستان میں دسویں اور گیارھویں صدی میں علوم دینیہ کی اشاعت اور تعلیم و تدریس کے سلسلے میں سب سے زیادہ شہرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو حاصل ہوئی جن کے پاس دور دراز سے طالبان علم اکتساب فیض کے لئے آنے لگے ۔ مولانا موصوف کا مقام ہندوستان کے علماء و فضلا میں نہایت ممتاز ہے انھوں نے ایک طویل عمر پائی اور درجنوں کتابیں جو شروح و حواشی پر مشتمل ہیں تالیف کیں ۔ جن میں سے بیشتر کو قبول عام ملا یہ شروح و حواشی اسقدر مشہور ہوئے کہ ان میں سے متعدد مدارس عربیہ میں شامل نصاب ہوئیں اور آج تک رائج و متداول ہیں ۔ ان کی بعض کتابوں کی شہرت ہندوستان کے باہر بھی دور دور تک پہنچی اور عرب ممالک میں ان کو شائع کیا گیا لیکن آج تک کوئی ایسی مستقل کتاب ہندوستان میں نہیں لکھی گئی جس میں ان کے کارناموں کو اجاگر کیا جاتا اور ان کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاتا ۔

مولانا صاحب دسویں صدی ہجری میں مغل بادشاہ اکبر کے عہد حکومت میں پروان چڑھے اور جلد ہی دنیا کے سامنے ایک مصلح دین کی شکل میں جلوہ گر ہوئے ۔ ان کی شخصیت متنوع اور کثیر الجہات ہے جس کا سب سے متاثر کن پہلو ان کی مستقل مزاجی بلند ہمتی اور تصنیف و تالیف میں ہمہ وقت مصروفیت ہے ۔

وطن ۔ سیالکوٹ

سیالکوٹ کی وجہ تسمیہ

سیالکوٹ صوبہ پنجاب کا ایک چھوٹا سا شہر ہے اس کی قدیم تاریخ یوں بیان کی جاتی ہے کہ آج سے تقریباً (5000) پانچ ہزار سال قبل ایک

سول یا سال نامی راجہ جو شاید پانڈووں کا چچا یا ماموں تھا نے اس شہر کی بنیاد رکھی تھی ۔ اس خاندان نے تقریباً پندرہ سو سال اس شہر پر حکومت کی اور اس کا نام اپنے نام کی مناسبت سے سیالکوٹ رکھا پھر اس کے بعد وہاں اتنا زبردست سیلاب آیا کہ قریب (1000) ایک ہزار سال تک دوبارہ اس پر کوئی بھی آباد نہ ہوسکا ۔ اس کے بعد ایک دوسرے راجہ لیپاھن نے جس کا تعلق سیاکی اولاد سے تھا اس کو دوبارہ آباد کیا ۔ اور بادشاہ لیپاھن نے وہاں ایک عظیم الشان قلعہ بھی تعمیر کرایا اور اسی وجہ سے کچھ لوگوں کی رائے کے مطابق اس کا نام اپنے قدیمی راجہ سیا کا نام کی مناسبت سے سیال کوٹ رکھا (1)

اس کے علاوہ عبدالرحمن امرتسری اپنی تصنیف "سیاحت ھند للھور" میں شہر سیال کوٹ کا ذکر یوں کرتے ھیں ـــــ

"وزیرآباد سے 27 میل کا سفر طے کرنے کے بعد ھمارا گزر سیال کوٹ میں ھوا یہ شہر راجہ سالباھن کا بسایاھوا ھے جو حضرت مسیح سے قبل ایک مشہور راجہ تھا ۔ اس کے زمانے کا ٹوٹا پھوٹا قلعہ اور پرانے کھنڈر شہر کی قدامت کا ثبوت دے رھے ھیں ۔ مسلمان بادشاھوں کے زمانے میں بڑے پایہ کا شہر تھا ۔ موجودہ آبادی خوب رونق پر ھے یہاں کاغذ بہت عمدہ بنتاھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے علاوہ گیند بلے کا سامان خوب تیار ھوتا ھے اور تمام ھندوستان

---

(1) سید اقبال احمد جونپوری "تاریخ سلاطین مشرقی اور صوفیائے جونپور ص - 385

میں استعمال ہوتا ہے - - - - - اس شہر میں انگریزی تعلیم
خوب ترقی پر ہے اور اس کی تعریف کی مستحق خاص کر مشنری
ہے جن کی سعی سے دو ہائی اسکول اور ایک کالج جاری
ہے ایک ہائی اسکول گورنمنٹ کی طرفسے ہے ۔" (2)

خـــانـــدان ـــ

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی ابتدائی زندگی کے بارے میں بہت کم معلوم ہے ان کے والد کا نام شمس الدین تھا اور پنجاب کا شہر سیال کوٹ ان کا وطن، جس کی مناسبت سے وہ سیال کوٹی مشہور ہوئے جناب شبیر احمد خاں غوری ان کے آباو اجداد کے بارے میں یوں لکھتے ہیں ـــ

"..... his father's name was Shams-ud-din who was probably of Kashmiri origin, but like so many of his countryman, settled afterwards in Sialkot. Here our author was born and brought up in the beginning of the eleventh century A.H. (3)

اس کے علاوہ نہ تو شمس الدین کے آباواجداد کا پتہ چلتا ہے اور نہ ان کے حسب نسب کا ۔ بہرحال عبدالحکیم کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اپنے خاندان کے پہلے فرد ہیں جنھوں نے اپنے علمی کمالات کی وجہ سے شہرت حاصل کی ۔

---

(2) حافظ عبدالرحمن امرتسری "سیاحت ہند لاہور" ص 59

(3) Journal of the Research Society of Pakistan, Oct. 1964 p.50

پیدائش ـــ

مولانا عبدالحکیم کے سال پیدائش کے بارے میں اختلاف ھے وہ شیخ احمد سرھندی کے ھم سبق تھے جو ان کا بہت احترام کرتے تھے اس لئے خیال ھوتا ھے کہ ملا صاحب حضرت مجدد سے چند سال بڑے ھونگے چونکہ ان کا سال ولادت 971ھ / 1563ء ھے لہذا ملا عبداحکیم کا سال پیدائش ان سے چند سال پہلے ھوسکتا ھے لیکن کسی بھی مشہور و معروف تذکرے میں ان کا سال پیدائش درج نہیں ۔ عہد عالمگیری کے مشہور مورخ بختاور خان (م 1094ھ) نے اپنی تصنیف "مراتہ العالم" میں ان کا سال پیدائش 988ھ / 1581ء لکھا ھے اور لفظ "حفظ" سے ان کی تاریخ ولادت نکالی ھے

"تاریخ تولدش لفظ "حفظ" گفتہ اند

ح	ف	ظ	
8	80	900	(4)

ڈاکٹر معین الدین صوفی نے اپنے کتاب کشیر (KASHIR) میں 968ھ لکھی ھے چونکہ بختاور خان اورنگزیب کا درباری مورخ اور مولانا صاحب کے بیٹے مولوی عبداللّٰہ الملقب باللبیب کا ھم عصر اور نیازمند تھا لہذا اس کے پیش نظر ڈاکٹر صوفی کی بیان کردہ رائے قابل قبول نہیں ھوسکتی مگر ان تمام تذکروں میں دو باتیں مشترک نظر آتی ھیں کہ وہ حضرت مجدد الف ثانی کے ھم سبق تھے اور انھوں نے ایک طویل عمر پائی (5)

---

(4) بختاور خان ۔ مراتہ عالم بحوالہ ماھنامہ ثقافت اپریل 1967ء ص 3

(5) دائرہ معارف اسلامیہ ج 12 ص 834

تعلیم و تربیت ــــ

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ھے کہ جس شخص کو جتنے زیادہ اساتذہ سے تلمذ کا شرف حاصل ھوتا ھے وہ اتنا ھی زیادہ باکمال اور لائق وفائق ھوتا ھے اسی لئے کسی کے علم و فضل کے ثبوت میں اس کے اساتذہ کی ایک طویل فہرست پیش کی جاتی ھے لیکن یہ معیار کمال ھر حال میں درست نہیں ھوتا ۔ در حقیقت کسی کی لیاقت و صلاحیت اس کے اساتذہ کی تعداد کی کمی یا بیشی پر منحصر نہیں ھوتی بلکہ استاد کے تبحر علمی اور مہارت فن نیز شاگرد کے شوق و محنت اور لگن پر بڑی حد تک اس کا انحصار ھوتا ھے ۔ صرف "ایک" لائق اور شفیق استاذ ذھین و محنتی طالب علم کو درجہ کمال تک پہنچا سکتا ھے اور متعدد غیر ماھر اساتذہ کی کوشش ایک بد شوق شاگرد کے حق میں رائیگاں چلی جاتی ھے چنانچہ مولانا عبدالحکیم سیال کوٹی جیسی عہد ساز شخصیت کے استاذ ملا کمال الدین کشمیری بھی ایک نامور اور مشہور زمانہ شخصیت تھے ۔ ملا صاحب کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ھیں ۔ مگر خیال کیا جاتا ھے کہ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد شمس الدین سے حاصل کی اور اس کے بعد ملا کمال الدین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرکے تحصیل علم کی تکمیل کی ۔

مولانا صاحب کی ذھنی و فکری نشو و نما شخصیت کی تعمیر قلبی اصلاح اور کردار سازی میں ان کے استاذ کا زبردست کردار رھا ھے ان کا علمی تبحر اور زھد و تقوی دراصل انھیں کی پیہم جدوجہد کا نتیجہ ھے ۔ علوم ظاھری و باطنی میں یکساں دستگاہ رکھنے والی شخصیت کے اساتذہ کی فہرست میں اپنے دور کے مایہ ناز علما؛ فضلا؛ اور اصحاب سلوک و تصوف ضرور شامل

هوں گے لیکن یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ اس متبحر عالم اور فرد کامل کے اساتذہ کی فہرست تذکرہ نگاروں نے بہت ہی ناقص تیار کی ہے لہذا بڑی تلاش کے بعد ان کے اساتذہ میں صرف ملا کشمیری کا ہی علم ہوا ہے جن کے مختصر حالات پیش ہیں ۔

ملا کمال الدین کشمیری (م 1017ھ / 1608ء)

قاضی شیخ کمال الدین بن موسی حنفی کشمیری اسم بامسمٰی شخصیت کے مالک اور اپنے زمانے کے اجل علما میں سے تھے ۔ وہ علم و عمل کے جامع اور زہد و تقوی کا پیکر تھے ۔ ان کے برادر گرامی ملا جمال بھی اپنے وقت کے ایک عظیم صاحب طریقت بزرگ تھے ۔ تذکرہ نگار آپ کو "حلال دقائق و کشاف حقائق" کے القاب سے یاد کرتے ہیں (6)

وہ مشہور صاحب طریقت بزرگ بابا فتح اللہ حقانی کشمیری کے داماد اور مرید تھے اور انھیں کی صحبت میں رہ کر سلوک و معرفت کی اعلی منازل طے کیں اس کے بعد وہ خواجہ عبدالشہید نقشبندی احرارؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو خواجہ عبید اللہ احرار کی اولاد میں تھے ۔ جہاں تزکیہ نفس و تصفیہ باطن کی راہوں سے گزر کر کمال حاصل کیا ۔ ملا کمال گورنر کشمیر سے ناراض ہوکر 971ھ / 1564ء میں سیالکوٹ چلے آئے اور وہاں ایک طویل عرصے تک درس و تدریس میں مشغول رہے سیالکوٹ کے علاوہ لاہور میں بھی مسند درس کو زینت بخشی اور ان دونوں شہروں میں بےشمار لوگوں نے ان سے کسب فیض کیا ۔ ملا صاحب یگانہ روزگار اور منطق فلسفہ کلام اور اصول

---

(6) ماھنامہ ثقافت لاہور ۔ اپریل 1967ء ص 3

فقہ کے امام تھے اور ان کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور کرامتوں کا بڑا چرچا تھا ۔ علمائے وقت کی ایک کثیر تعداد نے ان کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا ۔ اور ان میں سے اکثر نے بڑی شہرت و ناموری حاصل کی مولانا سیالکوٹی نے انھیں کی شاگردی میں معقولات و منقولات میں کامل دستگاہ حاصل کی اور علماء ارباب و اقتدار کے حلقہ میں مقبولیت و شہرت اور عزت و احترام کے مالک ہوئے ملا کشمیری کے حلقۂ درس میں اس دور کی تین مشہور ہستیاں موجود تھیں ۔ نواب سعداللہ خاں (وزیر اعظم شاہ جہاں) ۔ شیخ احمد سرھندی معروف بہ مجدد الف ثانی اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی "ماثر الکرام" میں لکھتے ھیں ——

> "علامہ زمان و افتخار زمانیاں است الحق در جمیع فنون درسی مثل او از زمین ھند برنہخاست آثار دانش بایں کیفیت و کمیت و حسن قبول بر صفحۂ روزگار نہ گذاشت مولد و منشا او سیالکوٹ از توابع لاھور ست درعنفوان سن تمیز دامن ھمت بہ طلب علم بروز بیشتر مشرف ملا کمال الدین کشمیری کے متوطن بلدہ سیالکوٹ و بلند پرواز عالم ملکوت بود تلمذ نمود و در فرصت کسفی ھلال استعدادش بدر کمال گشت و عرصۂ جہاں را بہ لوامع فیض مملو ساخت ۔" (7)

تھوڑے ھی عرصے میں یہ ھلال بدر کامل ھوکر چمکا اور ایک عالم میں اپنی

---

(7) غلام علی آزاد بلگرامی ۔ مآثر الکرام ص 204

ضیا پاشیاں بکھیرنا شروع کیں اور اپنی علمی استعداد کو پورے کمال تک پہنچا دیا ۔ نواب سعد اللہ خاں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اور مجدد الف ثانی میں خلوص و محبت و یگانگت کی مثال دی جاسکتی ہے ۔ چنانچہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد بھی ان تینوں کے درمیان خوشگوار روابط قائم رہے مگر اپنے استاد کمال الدین کا علمی فیض مولانا سیالکوٹی ہی کی ذات سے جاری رہا ۔

ملا کمال الدین نے 1017ھ میں وفات پائی اور لاہور میں دفن کئے گئے امتداد زمانہ کی وجہ سے آپ کی قبر کا نشان نہیں ملتا ہے(8)

حدائق الحنیفیہ میں تاریخ وفات حدیقہ فیض سے نکالی گئی ہے نیز تاریخ کشمیر اعظمی میں مصرعہ تاریخ حسب ذیل ہے ۔

ملحق حق ۔ قطب و تاج اولیا ملا کمال (1017ھ) صاحب خزینتہ الاصفیا نے تاریخ وفات کے یہ دو مصرعے لکھے ہیں ۔

شمع نور عارف بگو تاریخ او نیز سالک تاج عرفانی کمال (9)

1017   1017

ملا کمال کے صاحبزادے حکیم دانا سیالکوٹی بھی ایک اعلی پایہ کے عالم تھے انھوں نے مختلف علوم و فنون میں شہرت پائی اور ان کی ملاقات جہانگیر سے بھی ہوئی اور انعام سے نوازے گئے ملا کمال کی ساری زندگی سنت نبوی کے احیاء اور تعلیم و تدریس میں صرف ہوئی ۔ ان کی وفات کے بعد ان کے علمی فیض کو جاری رکھتے ہوئے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے ان کی مسند درس سنبھال لی ۔

---

(8) رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ہند ص 173

(9) ماہنامہ ثقافت لاہور اپریل 1967ء ص 4

اگرچہ مولانا عبدالحکیم کے تذکرہ نگاروں نے ملا کمال کے علاوہ کسی اور استاد کا نام نہیں بتایا ۔ مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کے علاوہ بعض دیگر اساتذہ سے بھی کسب فیض کیا اور اپنے زمانے کے مشائخ سے فیوض باطنی حاصل کئے (10)

سید احمد قادری نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی کے رسالہ "انسان العین" کے حوالے سے لکھا ہے کہ غالباً مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی بھی شیخ عبدالحق دھلوی کے تلمیذ حدیث تھے ۔ "انسان العین" فی مشائخ الحرمین میں انھوں نے اپنے بعض ان اساتذہ کا ذکر کیا ہے جن سے انھوں نے اسناد حدیث حاصل کی انھیں "اساتذہ میں سے شیخ ابو طاہر محمد کے حالات میں فرماتے ہیں ـــ

"خرقہ و اجازت از بزرگان بسیار گرفت ـ ـ ـ ـ ـ از انجملہ شیخ عبداللہ لاھوری و کتب ملا عبدالحکیم سیالکوٹی از وے روایت کند . عن الشیخ عبداللہ اللبیب عن مولانا عبدالحکیم و کتب شیخ عبدالحق دھلوی ھمیں واسطہ از مولانا عبدالحکیم روایت کند و وے از شیخ عبدالحق اجازۃً و روایۃً " (ص 9 - 198)" (11)

شاہ صاحب کے مندرجہ بالا بیان سے مولانا سیالکوٹی کا تلمیذ محدث ھونا تو بالکل واضح ہے مگر اس بیان سے یہ عجیب حقیقت بھی منظر عام پر آتی

---

(10) فقیر محمد جہلمی ـ حدائق الحنفیہ ـ ص 414 خزینتہ الاصفیا ص 351

(11) ماھنامہ ثقافت ـ اپریل 1967ء ص 4

ھے کہ خود شاہ ولی اللہ بھی مولانا سیالکوٹی کے شجرۂ نسب علمی میں شمار ہوتے ھیں اور ان کی سند علمی یوں ھوگی ۔

" الشاہ ولی اللہ دھلوی عن اللشیخ ابی طاھر محمد عن الشیخ عبد اللہ لاھوری عن الشیخ عبد اللہ اللبیب عَن عبد الحکیم سیالکوٹی "

مولانا عبد الحکیم عمر بھر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مصروف رھے دور دور سے طلبا ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کے لئے ان کے پاس حاضر ہوتے اور باکمال بن کر لوٹتے تھے ۔

مشــــــاغــــل —

اگرچہ مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کی ولادت عہد اکبری میں ھوئی تھی اور وہ زمانہ ان کے اوائل عمری کا زمانہ تھا ۔ پیدائش کے وقت اکبر کی عمر تقریباً انچاس یا پچاس سال تھی اور تخت نشین ہوئے اسے تقریباً 14 یا 15 سال ہوئے تھے (963ھ / 1556ء سے 1014ھ / 1605ء) وہ پچاس سال سے بھی کچھ زائد وہ ھندوستان کا بادشاہ رھا جب اس نے وفات پائی تو اس وقت مولانا سیالکوٹی عمر عزیز کی تقریباً 34 - 35 بہاریں دیکھ چکے تھے اگرچہ ان کی رسائی اس کے دربار تک نہ تھی لیکن کہا جاتا ھے کہ وہ اس کے عالیشان مدرسۂ لاھور میں ھی سرکاری مدرس مقرر کئے گئے اور اس سلسلے میں انھوں نے لاھور میں کافی عرصہ قیام کیا اور صدھا طلبۂ نے ان سے حصول علم کیا اسی مدرسہ کے قیام کے دوران وہ "فاضل لاھوری" کے لقب سے مشہور ہوئے ۔ اکبر (م 1014ھ / 1605ء) کے بعد جہانگیر تخت نشین ھوا وہ

اپنی جانشینی کے اوائل میں مولانا سیالکوٹی کی علمی شہرت سے نا آشنا تھا خیال کیا جاتا ھے کہ جب مولانا عبدالحکیم مدرسہ ٔ لاھور میں تدریسی فرائض انجام دے رھے تھے تب اسے ان کی علمی شہرت سے آگاھی نہ تھی ۔ مولانا سیالکوٹی نے عہد جہانگیری میں اپنے ھی وطن سیالکوٹ میں مجلس درس و تدریس آراستہ کی اور لوگوں کی فیض رسانی میں مشغول ھوگئے ۔ اس سلسلہ میں عبدالحمید لاھوری مؤلف بادشاہ نامہ کا بیان ملاحظہ ھو ــــ

"در ایام سعادت فرجام حضرت جنت مکانی بضروریات معشیت در ساختہ عزلت گزیں بود ۔" (12)

تخت نشینی کے کچھ عرصہ بعد جہانگیر بھی دوسرے مغل حکمرانوں کی طرح سلطنت کے مختلف کاموں کے ساتھ دیگر علوم و فنون کی طرف متوجہ ھوا ۔ اس نے اپنے عہد میں بہت سے علماء و فضلاء کی قدر شناسی کی انھیں میں سے ایک مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی ذات تھی اسی عہد میں ان کی مقبولیت و شہرت شاھی دربار تک پہنچی اور ان کی علمی کاوشوں کو تسلیم کرتے ھوئے اس نے انھیں ایک معقول جاگیر عطا کی اور اس طرح ان کا شمار اھل حشمت میں ھونے لگا اب معاشی حالات سے بےفکر ھوکر وہ تصنیف و تالیف میں اپنا وقت صرف کرنے لگے پھر جب شہنشاہ جہانگیر نے 20 - 22 سال حکومت کرنے کے بعد 1036ھ / 1627ء میں وفات پائی تو اس وقت ان کی عمر تقریباً 65 - 66 سال تھی اور وہ علمی شہرت کے افق پر ماھتاب بنکر چمک

---

(12) عبدالحمید لاھوری ۔ بادشاہ نامہ ج اول حصہ دوم ص 341

رھے تھے اور ان کی عالمانہ ضیا پاشیوں سے شاہ جہاں جیسے علم پرور کی آنکھیں چکا چوند ہو چکی تھیں اپنے ھمعصروں میں مولانا صاحب کو امتیازی حیثیت حاصل تھی اور حضرت مجدد الف ثانی ان کو "آفتاب پنجاب" کہا کرتے تھے ۔ مولانا عبدالحکیم کو بھی حضرت مجدد سے بڑی عقیدت تھی (13) اور اپنی اسی عقیدت کی بنا پر انھوں نے شیخ احمد سرھندی کو سب سے پہلے "مجدد الف ثانی" کے خطاب سے نوازا اور یہ اس قدر مشہور و مقبول ھوا کہ شیخ احمد سرھندی کے دیگر خطابات میں سے اسی کو سب سے زیادہ شہرت ملی اور زبان زد عام ھوگیا ۔ (14)

یہ شاہ جہاں کی فیاضانہ زر پاشیوں اور شاھانہ سرپرستیوں کا نتیجہ تھا کہ علماؑ و فضلاؑ ادباؑ اور شعراؑ دربار شاھی کی طرف کھنچے چلے آتے تھے ھمعصر مورخین بتاتے ھیں کہ شاہ جہانی عہد میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ملا محمود جونپوری عبدالسلام دیوی دیوان عبدالرشید جونپوری ملا محمد فاضل بدخشانی ملا جمال الدین لاھوری مولانا محب علی مولانا سید محمد رضوی خواجہ باقی باللہ دھلوی قاضی محمد اسلم ھروی وغیرہ جید علماؑ کا ایک شاندار اجتماع تھا اور ایسا معلوم ھوتا تھا کہ علماؑ و فضلاؑ کی کہکشاں چنی ھوئی ھے جس میں فضل و کمال کی افشاں جگمگا رھی ھے یہی وہ باصلاحیت علماؑ تھے جو فروغ علم و ادب کے معمار و امین تھے ۔ چنانچہ جب مولانا سیالکوٹی کی شہرت ھوئی تو شاہ جہاں ان سے متاثر ھوئے بغیر نہ رھا ۔ اگرچہ اس کا دربار متعدد اسلامی ممالک نامور علماؑ و فضلاؑ کا

---

(13) رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ھند ص 280

(14) ڈاکٹر شبیر احمد قادرآبادی ۔ عربی زبان ھند مغلیہ میں ص 193

ملجا و ماوا بنا ہوا تھا مگر ان میں علامہ سیالکوٹی کا مرتبہ بہت بلند تھا کچھ مدت تک وہ شہزادوں کو بھی تعلیم دیتے رہے ان کی دینی خدمات کو سراہتے ہوئے اس نے ان کو عنایات شاہانہ سے نوازا ۔ علامہ پر بادشاہ کی نوازشات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے ان کو دو مرتبہ چاندی کے سکوں کے عوض ترازو میں تولوایا اور تمام نقدی ان کو بخش دی اس نے انہیں "ملک العلما" کا خطاب بھی دیا ۔ مولوی رحمان علی مرحوم اپنی شہرہ آفاق تصنیف "تذکرہ علمائے ہند" میں یوں رقمطراز ہیں ـــــ

> "جب شاہ جہاں ابن جہانگیر تخت حکومت پر بیٹھا اور علما فضلا کی قدر دانی کے اعتبار سے اس کی شہرت علوم دنیا پر پھیلی تو علمائے موصوف دربار شاہی میں طلب کئے گئے انعام و اکرام سے سرفراز ہوئے شاہ جہاں نے دو مرتبہ چاندی سے تلوایا اور وہ چاندی ان کو بخش دی ۔ ہر مرتبہ (6000) روپیہ وزن میں آیا ۔ چند دیہات ان کو عطا فرمائے ملا نے اپنی تمام عمر درس و تصنیف میں گزاری مشہور ہے کہ ایک لاکھ روپیہ ماہانہ سلطان وقت سے ملتا تھا۔(15)

ان تمام واقعات کی تصدیق و تفصیل نیز ان کی علمی شہرت سے متاثر ہوکر معاصر اور مابعد کے تذکرہ نگاروں نے اپنی تصانیف مثلاً "بادشاہ نامہ" عمل صالح "مراۃ العالم" "فرحتہ الناظرین" خلاصتہ التواریخ " وغیرہ میں ان کے

---

(15) رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ہند ص 280

بارے میں لکھا ھے "رود کوثر" میں شیخ محمد اکرام لکھتے ھیں ـــــ

"انھیں عہد شاہ جہانی میں بڑا فروغ ھوا دو مرتبہ بادشاہ نے سونے چاندی سے تلوایا اور ان کے وزن کے مطابق چھ چھ ھزار روپیہ نقد انعام دیا ۔ آپ ایک زمانہ میں اکبرآباد کے سرکاری مدرسہ میں جسے اکبر نے جاری کیا تھا مدرس اعلی مقرر ھوئے اور یہاں شاعر قدسی کے ساتھ ایک ھی وقت میں فرائض و تدریس انجام دیتے رھے ۔" (16)

منشی محمد الدین فوق "تذکرہ علما و مشائخ" میں یوں رقمطراز ھیں ـــــ

"شاہ جہاں نے دو دفعہ آپ کو ھم وزن روپیہ کے ساتھ ترازو میں وزن کرایا ۔ روپیہ کی تعداد ھر دفعہ چھ ھزار (6000) تھی ۔ علاوہ ان اعزاز بخشیوں کے بطور جاگیر کئی گاؤں عطا فرمائے آپ معاش سے بےفکر ھوکر اپنے قیمتی اوقات کو اعلی درجہ کی تصانیف اور مشغلہ تدریس میں صرف کرنے لگے ۔" (17)

شاہ جہاں کی بخشش و عنایات کا خاطر خواہ اثر ھوا مولانا یکسوئی سے تدریسی خدمات انجام دیتے رھے اور علم دین کی اشاعت میں ھمہ تن کوشاں رھے یہی نہیں کہ انھوں نے صرف شہرت و نیک نامی حاصل کی بلکہ علوم دینیہ میں ان کو ملکہ حاصل تھا اور اپنے ھمعصروں میں وہ سر فہرست تھے۔ المحبیؒ تو ان کی تعریف میں یوں رَطب اللسان ھیں ۔"

---

(16) شیخ محمد اکرام ۔ رود کوثر ص 391

(17) محمد الدین فوق ۔ تذکرہ علماء و مشاھیر ص 49

"ولم یبلغ احد من علماء الھند فی وقتہ ما بلغ من الشان
والرفعتہ ولا انتھی واحد منھم الی ما انتھی الیہ جمع
الفضائل عن ید و حاز العلوم و انفرد -" (18)

شاہ جہاں کے عہد میں ان کی قدرومنزلت میں اضافہ کی وجہ غالباً یہ بھی تھی کہ بعض اقوال کے مطابق وہ مغلیہ خاندان کے بعض شاہزادوں کے استاد بھی تھے - مولانا عبدالحئی رائے بریلوی تحریر کرتے ھیں کہ بادشاہ کی طرف سے ھر سال ایک لاکھ روپیہ پاتے تھے - جبکہ مولوی رحمان علی نے یہ رقم سالانہ کے بجائے ماھوار بتلائی مگر صاحب نزھتہ الخواطر کا قول زیادہ قابل قبول ھے -

ملا کمال الدین نے سیالکوٹ میں علم و فن کا جو پودا لگایا تھا مولانا عبدالحکیم نے اس کی آبیاری کرکے اسے پروان چڑھایا اس شہر میں انھوں نے استاد کی وفات کے بعد علمی فیض کو جاری رکھا اور دینی خدمات میں برابر مصروف رھے ملا کمال جس مسجد میں بیٹھ کر مسند درس کو زینت بخشا کرتے تھے وہ آج بھی سیالکوٹ میں موجود ھے اور ان کے تلمیذ رشید مولانا سیالکوٹی کے مدرسے کے کچھ آثار بھی باقی ھیں اس دور کے علماء مولانا عبدالحکیم کی فضیلت اور علمی مرتبے کے قائل تھے - اور آپ کا فتوی سارے ھندوستان میں جاری و ساری تھا - حتی کہ حکام دولت کو بھی آپ کو حکم شرعی کے سامنے چوں چرا کی گنجائش نہیں ھوتی تھی - صاحب خزینتہ الاصفیاء نے لکھا ھے ـــــ

---

(18) المحبی - خلاصتہ الاثر ج الثانی ص 318

" علمائے هند ہر قول و فعل وے جائے اعتراض و حکام
عہد را از حکم شرع کہ بفتوی وے جاری شدے جائے
افکار و اعتراض نبودے ۔"

اسی سلسلے میں ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے Studies in the History of Gujrat کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ اورنگ زیب نے اپنی گجرات کی گورنری کے زمانے میں احمد آباد کے ایک ناجائز تعمیر کردہ جین مندر کو گرا کر مسجد بنانے کا حکم دیا تھا ۔ لیکن جب دارا شکوہ گجرات کا گورنر بنا تو اس نے مولانا عبد الحکیم کے فتوی کے مطابق شاہ جہاں کے حکم سے یہ عمارت دوبارہ بحیثیت مندر وا گزار کردی ۔ (19)

حلقہ احباب علم میں ان کو کافی مقبولیت حاصل تھی مولانا عبد الحی ؒ نزہتہ الخواطر میں لکھتے ہیں ــــ

" یدرس و یصنف و تصنیفاتہ کلّہا مقبولتہ عند العلماء
محبوبتہ عالیہم ولاسّیما عند علماء بلاد الروم یتنافسون
فیہا و جدیرتہ بذلک ـ" (20)

شاہ جہاں کے زمانہ میں ہندوستان علماء و فضلاء کا مرکز و منبع بنا ہوا تھا یہ زمانہ علوم عقلیہ کی ترویج و ترقی کا زمانہ تھا ایران کے علماء کی ایک کثیر تعداد اس کی سخاوت و فیاضی کا شہرہ سن کر اس ملک میں آئی

---

(19) ماھنامہ ثقافت لاھور ۔ اپریل 1967ء ص : 7

(20) عبد الحئی رائے بریلوی ۔ نزھتہ الخواطر ج : 5 - ص : 211

اور ان میں سے بہت سے علما براہ راست دربار شاہی میں ملازم ہوئے ان حضرات میں سے اکثر فضلا سے علمائے ہند کے مناظرے بھی رہے چونکہ شاہ جہاں ان علمی مجالس میں ذاتی طور پر دلچسپی لیا کرتا تھا اسی لئے ان کی اہمیت اور بھی زیادہ تھی ۔ چنانچہ ایک ایرانی فاضل ملا شفیعائی اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا مناظرہ بہت مشہور ہے ۔

ملا شفیعائی یزدی کا اصل نام محمد شفیع اور لقب دانشمند خاں تھا ۔ یہ لقب انھیں دربار شاہ جہانی سے عطا ہوا تھا ۔ وہ یگانہ آفاق اور سرآمد علمائے خراسان و عراق تھے مآثر الامرا میں اس مناظرے کی روداد مندرجہ ذیل ہے ـــ

"گویند چوں بملازمتِ پادشاہی فائز گردید بجہت مباحثہ و مناظرہ علمی ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کہ بعلم و دانش از اساتذہ باستانی سبقت برد ولیم از و در ہندوستان نشان نہ دہند و حواشی خرد پسند او برجمیع کتبِ معتبرہ برہائے است واضح اشارت رفت میانِ ہر دوفاضل در و او عطف (ایاک نعبد و ایاک نستعین) گفتگوئے طولانی واقع شد و بزمانی در از کشید علامی سعد اللہ خان کہ در علم بود میزگشت و آخر ہر دو برابر ماندند ـ" (21)

ان کے علاوہ ایک اور عالم وقت ملا فاضل سے بھی مولانا سیالکوٹی کی علمی

---

(21) شاہ نواز خان ـ مآثر الامرا ج 2 ص 32

بحثوں کا پتہ چلتا ھے ملا فاضل کے مجادلہ و مباحثہ کی شہرت اور سیالکوٹی کے حواشی سے اختلاف کرنے کا ذکر مولوی محمد الدین جہلمی نے بھی اپنی کتاب روضتہ الابرار میں کیا ھے علمائے ھند کا شاندار ماضی میں ملفوظات عزیزیہ کے حوالے سے ملا عبدالحکیم اور ملا فاضل کے بارے میں ایک دلچسپ حکایت بیان کی گئی ھے ـــ

"ملا محمد فاضل بدخشاں میں پیدا ھوئے علوم عقلیہ و نقلیہ میں کامل ھو کر شاہ جہاں بادشاہ کے پاس پہنچے اور مطالبہ کیا کہ "ملک العلما" کا منصب اور خطاب مجھے عطا فرمایا جائے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اس عہدہ اور منصب پر فائز تھے ۔ شاہ جہاں نے کہا آپ دونوں صاحب مناظرہ کرلیں جس کو زیادہ قابل سمجھونگا اس کو "ملک العلمائ" بنا دونگا ملا محمد فاضل صاحب نے بذات خود مولانا سیالکوٹی سے مناظرہ کرنے میں اپنی ھتک سمجھی فرمایا میرا کوئی شاگرد مولانا سیالکوٹی سے مناظرہ کرےگا یہ کہہ کر دربار شاھی سے رخصت ھوئے اور سیدھے ھرات پہنچے وھاں ابھی مرزا زاھد اپنے والد سے پڑھا کرتے تھے ملا فاضل نے ذکی اور ذھین سمجھ کر ان کے والد سے اجازت چاھی کہ وہ خود ان کو تعلیم دیں چنانچہ بہت تھوڑے عرصے میں میر زاھد کو عالم وفاضل کرکے اپنے ھمراہ دربار شاہ جہاں میں لائے اور فرمایا

یہ میرا شاگرد حاضر ہے جو ملا عبدالحکیم سیالکوٹی سے
مناظرہ کرے گا مولانا نے پہلی نظر میں تاڑ لیا کہ مرزا
زاہد صاحب "صرف" میں کچے ہیں بادشاہ کے سامنے ہی
فرمایا اس بچے سے صرف کے صیغوں کے سوا اور کیا پوچھ سکتاھوں
اور پھر شافیعہ کی ایک عبارت کا مطلب پوچھ لیا وہ
عبارت مرزا زاہد کے ذہن میں نہ تھی فرمایا ! کتاب
دیکھ لوں مولانا عبدالحکیم صاحب نے فوراً فرمایا ابھی
تک کتاب کی ضرورت ہے ! الغرض ملا فاضل اس مرتبہ بھی
شکست کھا کر بے نیل مرام واپس ہوگئے ۔" (22)

اپنے وقت کے صوفیائے کرام سے بھی علامہ سیالکوٹی کے تعلقات استوار تھے اور اکثر ان سے ملاقاتیں تھیں اس سلسلے میں حضرت میاں میر صاحب لاہوری کا نام بطور خاص قابل ذکر ہے ان کے علاوہ شیخ آدم بنوری حاجی محمد سعید اور شیخ علم اللہ نقشبندی شیخ بلاول لاہوری کا بھی ذکر ملتا ہے یہاں حضرت مجدد الف ثانی اور علامہ سیالکوٹی کے تعلقات باہمی کا تذکرہ کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا ۔ ان دونوں میں حد درجہ محبت اور یگانگت تھی اور دونوں ایک ہی استاد ملا کمال الدین کے شاگرد تھے اور مختلف مواقع پر ان بزرگوں کی ملاقات کا پتہ چلتا ہے ۔

بعض تذکروں میں بھی درج ہے کہ مولانا مجدد صاحب سے ملاقات کے لئے سرہند بھی تشریف لے گئے تھے اور بہت دنوں تک وہاں

---

(22) ماہنامہ ثقافت لاہور ۔ اپریل 1967ء ص 9

رہ کر ان سے بیعت بھی کی مجدد صاحب نے ان کو "آفتاب پنجاب" کے لقب سے نوازا ۔ معلوم ھوتا ھے کہ ابتداء میں مولانا سیالکوٹی حضرت مجدد سے بعض اختلافات کی وجہ سے بدظن تھے ۔" علمائے ھند کا شاندار ماضی" میں مذکور ھے کہ ابتدا میں وہ حضرت مجدد صاحب کے مخالف تھے ۔ مگر ایک دن حضرت کو خواب میں دیکھا کہ مولانا سیالکوٹی کو مخاطب فرما کر یہ آیت پڑھ رھے ھیں ۔ "قل اللہ ثم ذر ھم" (کہو اللہ پھر چھوڑ دو) اس آیت کو سننے کے بعد حضرت شیخ کا جذب اور شوق الہی آپ کے دل میں گھر کرگیا اور فوراً قلب سے ذکر جاری ھوگیا اور خواب سے بیدار ھونے کے بعد بھی دیکھا کہ قلب ذکر میں جاری ھے اس کمال تصرف کو دیکھ کر مولانا کے دل سے ساری مخالفت ختم ھوگئی اور حضرت مجدد کی خدمت میں حاضر ھوکر باقاعدہ سلسلہ میں داخل ھوگئے ۔

مولانا عبدالحکیم کو حضرت مجدد صاحب سے اس درجہ عقیدت ھوگئی کہ وہ مخالفین کے مقابلے میں اپنے زور قلم سے بھی اپنے ھم سبق رفیق کی تائید و اعانت کا فریضہ سر انجام دیتے تھے ۔ مولانا عبدالحئی راشے بریلوی نے صاحب "کشف الغطاء" کے حوالے سے لکھا ھے کہ انھوں نے سند العلماء افضل الفضلاء مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے اپنے قلم سے مندرجہ ذیل عبارت لکھی ھوئی دیکھی تھی جس میں حضرت مجدد کے مخالفین کے بعض شکوک و شبہات کا پر زور طریقے سے رد کیا گیا ھے ۔۔۔

"قدح کردن در سخن بزرگان بے مراد ایشاں جہل است
و نتیجہ نیک نہ دارد پس رد کلام شیخنا پناہ ۔ عرفان

دستگاہ شیخ احمد از جہل و نافہمیدگی است ۔ کتبہ
الفقیر عبدالحکیم ۔" (23)

اس کے علاوہ علمائے ہند کا شاندار ماضی میں ایک واقعہ بھی موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالحکیم اور حضرت مجدد کی دوستی اور اخوت کی بنیادیں بہت گہری تھیں ۔ اور مولانا اکثر و بیشتر حضرت مجدد صاحب کے ہاں جایا کرتے تھے ۔ خواجہ عبیداللہ فرزند خواجہ محمد معصوم بن مجدد الف ثانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "سات سال کا سن تھا کہ مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی تشریف لائے اور امتحاناً بچے سے پوچھا کہ گویائی زبان کی صفت ہے دل ایک پارچہٗ گوشت ہے وہ کس طرح ذکر کرسکتا ہے ؟ ہفت سالہ طفل نے جواب دیا ۔ زبان بھی پارچہٗ گوشت ہے جس قادر مطلق نے زبان کو گویائی عطا فرمائی وہی قلب کو قوت ذکر عطا فرماتا ہے ۔ یہ سن کر مولانا نے فرمایا نبیرہٗ مجدد کو ایسا ہی ہونا چاہئے (24)

وفـــــات ـــــ

بالآخر 79 سال کی عمر میں 12 یا 18 ربیع الاول 1067ھ/1656ء میں وہ آفتاب غروب ہوگیا جس کی ضو فشانیوں سے پورا ہندوستان منور تھا اور سیالکوٹ کے وہ ہزاروں تشنگان علم و فن جنھوں نے اس سے عرصہٗ دراز تک کسب فیض کیا تھا ۔ اپنے مرشد کامل سے محروم ہوگئے (25) چنانچہ

---

(23) عبدالحئی رائے بریلوی ۔ نزہتہ الخواطر ج 5 ص 78
(24) ماہنامہ ثقافت لاہور ۔ اپریل 1967ء ص 13
(25) بختاور خان ۔ مراۃ العالم ص 492

انھیں محلہ میانہ پورہ میں ان کے ذاتی باغ میں دفن کیا گیا جہاں ان کا مزار اب تک مرجع خلائق ہے ۔ اگرچہ ان کی وفات کے سلسلے میں تذکرہ نگاروں کی متضاد رائیں ملتی ہیں ۔ حقیقت کیا ہے ؟ قدیم مآخذ سے کیا ثبوت ملتا ہے ؟ ذیل میں اس کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔ شاہ جہاں نامہ معروف بہ عمل صالح کے مصنف محمد صالح کنبوہ کی روایت کے مطابق جو عہد شاہ جہانی کی ایک مستند تاریخ ہے اور اس کا اردو ترجمہ ممتاز لیاقت نے کیا ہے اور طبقہ علما کے عنوان کے تحت ملا سیالکوٹی کی وفات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے ـــــ

"1067ھ /1657ء میں جہانِ فانی سے رخصت ہوئے اب ان کے بیٹے مولانا عبداللہ تمام باتوں میں اپنے والد بزرگوار کے صحیح جانشین ہیں ۔" (26)

اگرچہ دوسری کتابوں میں ان کی تاریخ وفات کے بارے میں تھوڑا سا اختلاف پایا جاتا ہے نزھتہ الخواطر کے مولف یوں لکھتے ہیں ـــــ

"توفی فی الثالمن عشر من ربیع الاول سنہ سبع و ستین و الف بمدینہ سیالکوٹ فدفن بہا ۔" (27)

ملا سیالکوٹی کی وفات کے بارے میں مآثر الکرام میں یوں لکھا ہے ـــــ

"دوازدہم ربیع الاول 1067ھ (سبع و ستین و الف) طومار حیات پیچیدہ در سیالکوٹ مدفون گردید ۔" (28)

---

(26) ممتاز لیاقت ۔ شاہ جہاں نامہ ص 563

(27) عبدالحئی رائے بریلوی ۔ نزھتہ الخواطر ج 5 ص 211

(28) غلام علی آزاد بلگرامی ۔ مآثر الکرام دفتر اول ص 205

اور مولوی رحمان علی اپنی شہرہ آفاق تصنیف "تذکرہ علمائے ہند" میں یوں رقمطراز ہیں ـــ

" 16 ربیع الاول 1067ھ / 1656ء میں انتقال ہوا سیالکوٹ میں مدفون ہوئے ۔" (29)

اس کے علاوہ زرکلی نے " الاعلام جزالرابع میں اور اسمعیل پاشا بغدادی نے "ھدیتہ العارفین" کی جلد اول میں بھی یہی سن وفات تحریر کی ھے اسی طرح مولانا محمد حسین آزاد نے اپنے مختصر رسالہ "تذکرتہ علماء" میں بھی یہی تاریخ وفات تحریر کی ھےـــ سبحتہ المرجان میں یوں لکھاھےـــ

"توفی فی الثامن عشر من ربیع الاول سنہ سبع و ستین و الف و دفن بسیالکوٹ ۔" (30)

محمد الدین فوق "تذکرہ علماء و مشائخ میں یوں تحریر کرتے ہیں ـــ

" 18 ربیع الاول 1067ھ میں سیالکوٹ میں انتقال کیا ۔ اور وہیں مدفون ہوئے ۔" (31)

عبدالرحمن امرتسری "سیاحت ہند للاھور" میں لکھتے ہیں ـــ

"آپ کا انتقال 1067ھ / 1656ء میں ہوا ۔" (32)

نواب صدیق حسن خان "ابجد العلوم" میں لکھتے ہیں ـــ

"تو فی فی سنہ 1097ھ دفن ببلدہ " (33)

---

(29) مولوی رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ہند ص 281
(30) غلام علی آزاد بلگرامی ۔ سبحتہ المرجان ص 66
(31) محمد الدین فوق ۔ تذکرہ علماء و مشائخ ص 49
(32) عبدالرحمن امرتسری ۔ "سیاحت ہند للاھور" ص 59
(33) نواب صدیق حسن خان ۔ ابجدالعلوم ص 903

لیکن "فرحت الناظرین میں آپ کی وفات کا سال 1068ھ بتایا گیا ہے ۔ ابو عبداللہ محمد فاضل اکبرآبادی (م 1101ھ) نے بھی "مخبرالواصلین میں بھی سن وفات تحریر کیا ہے اسی کے علاوہ "خزینتہ الاصفیا" میں بھی بحوالہ مخبرالواصلین یک ہزار و شصت و شیت ہجری سال وفات بیان کیا گیا ہے ۔ مولوی مہر الدین لاہوری" روضتہ الادبا" میں اور مولوی فقیر محمد جہلمی" حدائق الحنفیہ" میں بھی سن بتاتے ہیں وہ لکھتے ہیں وفات آپ کی 1068ھ یا 1097ھ میں ہوئی اور شیخ محسن تاریخ وفات ہے ۔ نظامی بدایونی نے قاموس المشاہیر میں سن وفات 1066ھ لکھا ہے عبدالحئی صدیقی بدایونی نے "تذکرہ العلما" میں تاریخ وفات 20 شعبان 1068ھ لکھی ہے اس کے علاوہ تواریخ سیالکوٹ میں ایک قطعہ درج ہے جس سے آپ کی وفات کا سن 1068ھ معلوم ہوتا ہے ۔

چو با حکم خدا داخل جناں شد * حکیم آں عالم دیں بامروت
بخواں عارف بہشتی ارتحالش * دوبارہ متقی احلال جنت (34)
1068

اس کے علاوہ مصنف "مخبر الواصلین ابو عبداللہ محمد فاضل بن سعد احمد اکبرآبادی (م 1101ھ نے ایک نظم تحریر کی ہے جس کا عنوان "تاریخ وفات حضرت مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی ہے ۔

"عالم و عامل و خدا آگاہ ! * بود عبدالحکیم رضواں جاہ
حلمش از سینہ سرکشیدہ باوج * راست چوں بحر در تلاطم موج
دل و طبعش بہم بعلم و یقین * نہر خلد و فیہ ما" معین

---

(34) ماہنامہ ثقافت لاہور - اپریل 1067ھ ص 15

مجتهد در زمانه ام بوده * اجتهادش اگرچه ننموده
کهه سر او نبوده هیچ کسے * گرچه بودند اهل علم بسے
بود او ؑ حنیفه ثانی * بکمالاتِ علمِ ربانی
مکی و یثربی و تورانی * رومی و هندی و خراسانی
هر یکے کمترین شاگردش * بادب بود کرد بر گردش
هر معلم که اول و ثانی ست * پیش او کودک دبستانی ست
وصفش از حد و عد قرون آمد * مدحش از گفتگو برون آمد
شهر لاهور زو معطر بود * بلکه از وے جهاں منور بود
سال نقلش بگو بهفت اقلیم * مسکن مولوی بخلد نعیم (35)

آخری مصرعه سے سن وفات 1068ھ نکلتا هے مگر راقمه نے اس تمام بحث میں سب سے زیادہ فوقیت محمد صالح کنبوہ کو دی هے که وہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے همعصر تھے اس کے علاوہ بہت سے دوسرے قدیم تذکروں میں بھی ان کے هی قول کی تائید هوتی هے ۔

سیالکوٹ میں مولانا کے مقبرے پر حال هی میں جو تعویذ لگایا گیا هے اس پر بھی 1068ھ هی سال وفات نقش هے تعویذ کی عبارت یوں هے ــــ

مرقد منور

"حضرت علامه عبدالحکیم فاضل سیالکوٹی آپ مشرب کے لحاظ سے نقشبندی تھے 12 ربیع الاول 1022ھ تا 11 ربیع الاول

---

(35) ابو عبدالله محمد فاضل ۔ معجز الواصلین ۔ بحواله ماهنامه ثقافت لاهور جون 1967ء ص 32

1023ھ اسی سال مبارک کے دوران آپ حضرت مجدد
الف ثانی کی خدمت میں حاضر ہوکر شرف بیعت سے
مشرف ہوئے آپ نے سب سے پہلے حضرت مجدد
الف ثانی کو امام ربانی محبوب سبحانی مجدد الف ثانی
تحریر فرمایا اور تجدید الف کے اثبات میں ایک رسالہ
جس کا نام "دلائل التجدید" ہے لکھا اس رسالہ میں
آپ نے قوی دلائل اور براهین سے آپ کو مجدد الف
ثانی ثابت کیا ہے ۔

تاریخ وصال - 18 ربیع الاول 1068ھ / 1658ء

نذرانہ عقیدت ۔ صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپور سجادہ نشین
مشرقپور شریف ۔

کندہ کار ۔ غوثیہ ماربل سٹور ۔ لاہور

اولاد ـــــ

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو اللہ تعالی نے اولاد کی نعمت سے بھی نوازا تھا اور اولاد بھی ایسی ہے کہ جس نے تا عمر دین کی خدمت کی ان کا نام عبداللہ اور لقب لبیب تھا وہ اپنے والد کی طرح عالم و فاضل ہونے کے ساتھ صاحب عرفان بزرگ بھی تھے۔ انھوں نے اپنے والد کی جلائی ہوئی شمع کو روشن رکھا اور اپنے ہر عمل سے ان کے صحیح جانشین ہونے کا ثبوت دیا ۔ مولانا سیالکوٹی کی ازدواجی زندگی کی تفصیل سیر و سوانح کی کتب پیش نہیں کرتیں اور نہ اب تک ہمیں کسی مآخذ سے اس بات کا

پتہ چل سکا ہے کہ انھوں نے عمر کی کس منزل میں اس سنت کی تکمیل کی اور کس کی دختر نیک بخت اس متبحر عالم کے حبالہ عقد میں آئیں ۔ مختلف تذکرہ نگاروں نے اولاد میں صرف ایک ہی بیٹے مولانا عبداللہ کا ذکر کیا ہے ۔ سبحان رائے کا کہنا ہے ـــ

"...... از افزوئی حسن اخلاق و رہنمائی خلائق این بزرگ را "امام وقت" گفتندے ۔" (36)

مولانا عبداللہ نے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم اپنے والد محترم سے پائی اور حدیث نبوی کا درس شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے فرزند مفتی نورالحق سے لیا ۔ وہ اپنے والد کے صحیح جانشین بنے بلکہ صاحب مرآۃ العالم کا بیان ہے ـــ

"بحفظ کلام مجید و قلت اختلاط باسباب دول و زہت طبع بانزوا ' و گوشہ نشینی بر والد ماجد خود مزیت داشت ۔" (37)

مولانا عبداللہ نے مسند درس و تدریس سنبھال کر باپ کی جانشینی کا حق ادا کیا اور وہ تمام ذمہ داریاں بحسن و خوبی انجام دیں ۔ جن کی ان سے بجا طور پر توقع کی جاسکتی تھی ۔ فرحت الناظرین میں ان کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے ـــ

"بگرد آوری' علوم وحل مشکلات و تحقیق دقائق وتشخیص حقائق آں چناں چہ باید پرداختہ و حفظ کلام مجید

---

(36) ماہنامہ ثقافت لاہور ۔ اپریل 1967ء ص 14

(37) بختاور خان ۔ مراتہ العالم ص 494

و صلاح و تقوی زینت افزائی فضائل و کمالش گردید۔" (38)

مولانا عبد اللہ اللبیب علوم ظاہری و باطنی میں مکمل دستگاہ رکھتے تھے اور مولانا عبد الحکیم کی طرح ان کے فتاوی بھی علماء کے ہاں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۔ مآثر الامرا اور مآثر عالمگیری کے مطالعہ سے ان کے اثر و رسوخ اور بےپناہ عزت و احترام کا پتہ چلتا ہے انھوں نے والد کی وفات کے بعد ان کی قائم کردہ درسگاہ کو مزید رونق بخشی ساری عمر درس و تدریس میں مصروف رہ کر ان کے علمی فیض کو جاری و ساری رکھا ۔ خلاصتہ التواریخ میں ان کا ذکر خیر ان الفاظ میں ملتا ہے۔

"و بعد رحلت ایشاں (مولانا عبد الحکیم) مستندائے اهل اللہ رهنمائے خلق اللہ مولوی عبد اللہ خلف دوئمی آں مغفور رونق افزائے مدرسہ و رهنمائی طلبہ علم اشتغال ورزیدہ فضائل معنوی را با علوم ثوری همدوش و درویشی با فضیلت هم آغوش گردانیدہ ۔" (39)

اورنگ زیب عالمگیر مولانا عبد اللہ اللبیب کے علم و فضل کا بڑا قدردان تھا ۔ اور ان کی انتہائی عزت کرتا تھا چنانچہ جب وہ 1086ھ میں لاهور آیا تو ان سے ملاقات کی خواهش کا اظہار کیا اور بحد اعزاز و احترام انھیں لاهور بلوا بھیجا وہ سیالکوٹ سے لاهور پہنچے ۔ بادشاہ ان سے مل کر نہایت محظوظ هوا اور اس نے وہ تمام اعزازات معہ شئی زاید آپ کے لئے برقرار

---

(38) اورینٹل کالج میگزین لاهور ۔ مئی اگست 1928ء ص 74

(39) خلاصتہ التواریخ ص ۔ 73 بحوالہ ثقافت لاهور ۔ اپریل 1967ء ص 17

رکھے جو آپ کے والد ماجد کو ان کی زندگی میں حاصل تھے مآثر عالمگیری کے مطابق عالمگیر نے جب مولانا کے اوصاف و محاسن کا تذکرہ سنا تو ان سے ملنے کا اشتیاق ھوا چنانچہ اس نے حسن ابدال سے پیام شوق ملاقات لکھ بھیجا اور جب وہ لاھور پہنچا تو آپ بھی سیالکوٹ سے لاھور تشریف لائے بادشاہ ان سے مل کر بہت خوش ھوا اور خلعت خاص دوسو اشرفیاں اور ایک ھاتھی دےکر وطن رخصت کیا عالمگیر کی شاھانہ عنایات ان پر همیشه ھوتی رھیں ۔ مرآتہ العالم میں بادشاہ کے ساتھ ایک اور ملاقات کا ذکر بھی ملتا ھے۔(40)

بزم تیموریہ کے مطابق 1093ھ میں اورنگ زیب عالمگیر نے ان سے ایک اور ملاقات کی ۔ اس وقت عالمگیر اجمیر میں مقیم تھا ۔ اس نے انھیں سیالکوٹ بلوایا جب مولانا عبداللہ اجمیر پہنچے انھیں شاھانہ عنایات سے پہلے سے بھی بڑھ کر نوازا گیا ۔ بادشاہ نے ان کو اجمیر کی "صدارت عظمی" تفویض کرنی چاھی چنانچہ بختاور خان نے جب شاھی پیغام دیا تو زبان صدق بیان نے یہ کہہ کر انکار کردیا ـــــ

"الحال کہ سنین عمر ستین رسیدہ وقت ترک نوکری است
نہ اختیاری نوکری ۔" (41)

مولانا عبدالحئی رائے بریلوی کا کہنا ھے کہ عالمگیر نے اپنے ھاتھ سے انھیں خط لکھا اور جب بختاور خان نے آپ کو خط لکھا تو آپ نے جواب دیا کہ ان الزمان زمان الفراق " اور اس کے باوجود انھوں نے محض اس دینداز

---

(40) ماھنامہ ثقافت ۔ اپریل 1967ء ص 17

(41) بختاور خان ۔ مرآتہ العالم ص 494

حکمراں کی خاطر اجمیر کا سفر کرنا منظور کرلیا ۔ بہرحال وہ ایک عظیم باپ کے عظیم فرزند تھے اور اپنے زمانے کے بہت محترم علماء و فضلاء کی صف میں ان کا شمار ہوتا تھا ۔ عالمگیر اور اس کے شہزادے ان کی بڑی قدر کیا کرتے تھے ۔ انھوں نے عالمگیر کے جلوس 26 مطابق 1094ھ شب جمعتہ المبارک کو سفر آخرت اختیار کیا (42) ان کی وفات بآزار لقوہ ہوئی یہ سنکر بادشاہ کی طبیعت بہت متاثر ہوئی اور آپ نے اجمیر کی ملاقات میں عدم قبول نوکری کے سلسلے میں جو کچھ کہا تھا وہ اسے یاد آیا ۔ اس نے ان کے صاحبزادوں کے لئے جاگیر کو بحال رکھا ۔

مآثر عالمگیری میں ان کا سن وفات 1093ھ درج ھے مصنف کا کہنا ھے کہ شہر یار فاضل نواز و معارف پرور کو جب مرحوم کی وفات کی خبر ملی تو اس نے ان کے چار صاحبزادوں اور بیوہ کے لئے خلعت تعزیت روانہ کی اور ان کے وظائف میں بھی اضافہ کیا ۔ نزھتہ الخواطر میں یہی قول نقل کیاگیا ھے جو کہ صحیح نہیں ھے کیونکہ بختاور خان مولانا عبداللہ کا ھمعصر اور نیازمند تھا ۔ اس لئے اس کی رائے زیادہ اھمیت رکھتی ھے ۔ مولانا عبداللہ اللبیب اپنے فاضل باپ کے مدرسہ کے نگراں اور وارث تھے اس لئے ان کے شاگردوں کی تعداد بھی خاصی بڑی ھوگی مولانا عبدالحئی الحسنی کا بیان ھے "ثم درس و افادہ و تمیّز واشتھر بالفضل والکمال اخزعنه خلق کثیر ۔" ان کے چند تلامذہ کا تذکرہ ملتا ھے ۔مآثر الامراء میں ایک شاگرد "اخلاص خاں کا پتہ چلتا ھے جس نے اپنے استاذ کی سفارش سے بلند مراتب حاصل کئے اور بادشاہ وقت اورنگ زیب کے دربار تک رسائی پائی۔

---

(42) بختاور خان ۔ مراتہ العالم ص 494

یہ دراصل ایک هندو کھتری تھا اور اصل نام دیبی داس تھا ۔ بچپن سے هی علما" و فقرا" کی صحبت میں رھا کسب علوم کا اسے بڑا شوق تھا ۔ اس نے مولانا عبدالله کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا ۔ اور محمد اخلاص خان نام رکھا گیا اسے شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی ۔ اور علمی مشاغل میں زندگی بھرمصروف رھا اخلاص خان نے 1143ھ میں سیالکوٹ میں وفات پائی ۔ (43)

مولانا عبدالله اللبیب صاحب تصانیف بزرگ تھے ڈاکٹر زبید احمد نے آپ کی حسب ذیل تصانیف کا ذکر کیا ھے ـــ

1 - تفسیر سورته الفاتحه

2 - التصریح بغوامض التلویح

3 - حاشیه علی الهدایه

4 - زاد اللبیب فی سفرا لحبیب

5 - حاشیه علی حاشیه عبدالغفور علی شرح الجامی ۔ (44)

اس کے علاوہ تذکرے کی مختلف کتابوں میں بھی ان کے بارے میں عمدہ خیالات کا اظہار کیا گیا ھے ۔ صاحب فرحت الناظرین کا کہنا ھے از تصانیفش حاشیه هدایه بغایت مشہور است ۔ ڈاکٹر محمد اکرام رود کوثر میں مرآته العالم کے حوالے سے لکھتے ھیں که عالمگیر نے مولانا عبدالله اور ان کے شاگردوں کو فتاوی عالمگیری کا فارسی ترجمه کرنے کے لئے بھی کہا تھا

---

(43) ماهنامه ثقافت اپریل 1967ء ص 19

(44) ڈاکٹر زبید احمد ۔ عربی ادبیات میں پاک و هند کا حصه ص 402 و 303 و 270

لیکن غالبا اس فیصلے پر عمل نہ ہوسکا ۔ بےجا نہ ہوگا اگر محمد صالح کنبوہ کے وہ کلمات یہاں درج کئے جائیں جو اس نے مولانا عبداللہ اللبیب کی تعریف میں لکھتے ہیں ـــ

" اکنوں در جمیع امور بھمہ وجوہ بارث فآستحقاق جانشین آں جناب مجموعہ کمالات انسانی حقائق و معارف آگاہ مولانا عبداللہ خلف الصدق آنحضرت است کہ جامع جمیع علوم است و صاحب مکارم اخلاق و کرایم لفراق و محاسن شمائل و محامد خصائل امید کہ ایزد تعالی آں مظہر فیض ایزدی و مورد عنایات سرمدی را مسند آرائی انجمن فضائل بسے دارد ۔ ۔ ۔(45)

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مولانا عبداللہ اللبیب کے چار صاحبزادے تھے لیکن تذکروں میں ہمیں ان کے نام اور حالات سے آگاھی نہیں ہوئی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی اولاد اور ورثاؑ میں سے مولانا عبداللہ کے بعد کم ہی لوگوں کا ذکر تاریخ کی کتابوں اور معاصر تذکروں میں ملتا ہے ۔ ڈاکٹر زبیر احمد نے ایک عالم محمد فضل اللہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ مولانا عبداحکیم سیالکوٹی کے نواسے تھے ۔ انھوں نے مولانا سیالکوٹی کی تفسیر سورتہ فاتحہ پر حاشیہ لکھا جو سن 1114ھ/ 1703ء میں پایہٗ تکمیل کو پہنچا اس حاشیہ کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے۔(46)

---

(45) محمد صالح کنبوہ ۔ عمل صالح ج 3 ص 295

(46) ڈاکٹر زبیر احمد ۔ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص 271

کشمیر کی بعض تاریخوں میں مولانا عبدالحکیم کے بعض ورثا' کے نام ملتے ھیں انھیں میں سے ایک بزرگ مولوی جان محمد ابوالفتح بن ملا فاضل تھے ۔ انھوں نے سن بلوغت کو پہنچنے سے پیشتر ھی علوم مروجہ میں کافی مہارت حاصل کرلی تھی ۔ وہ زمانے کی نیرنگیوں سے مجبور ھوکر عالم شباب میں نادر شاہ درانی کے حملے سے کچھ پہلے محمد شاہ کے دربار میں دھلی پہنچے ان کے جد امجد مولانا عبدالحکیم کے علمی کارنامے تا ھنوز ان کے نام کو چار چاند لگا رھے تھے اور ان کی عزت و شہرت ابھی تک قائم تھی چنانچہ محمد شاہ نے مولوی جان محمد کے لئے بارہ سو ماھوار کا وظیفہ مقرر کردیا ۔ نادر شاہ کے حملے کے بعد بند کردیا گیا اس کے بعد وہ کشمیر چلے گئے اور سیر و سیاحت کرتے ھوئے کابل جا پہنچے افغانستان میں اس وقت تیمور شاہ درانی برسر اقتدار تھا ۔ اس نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور معقول مشاھرہ مقرر کردیا ۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ کابل سے واپس چلے آئے اور آخر وقت تک کشمیر میں درس و تدریس میں مشغول رھے اور سری نگر میں وفات پائی ۔

مولوی جان محمد کے صاحبزادے مولوی محمد امین تھے جو سیاہ ھونے کی وجہ سے " اسود " کے نام سے مشہور تھے وہ شیخ محمود تارمبلی کشمیری کے شاگرد تھے اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد بڑی شہرت کے مالک ھوئے کشمیر میں عمر بھر تعلیم و تدریس میں مصروف رھے ۔ تاریخ کبیر کشمیر کے مطابق آپ بڑے پائے کے عالم و فاضل تھے اور بہت سی کتب مروجہ پرحاشیے لکھے ۔ 30 ربیع الاول 1243ھ کو سری‌نگر میں وفات پائی ۔ ان کے علاوہ

ان کی اولاد میں ایک اور بزرگ عالم مولوی غلام مصطفی کا ذکر بھی ملتا ہے جو 1310ھ کے لگ بھگ سیالکوٹ کے محلہ میانہ پورہ میں رہتے تھے یہ وہی محلہ ہے جہاں مولانا عبدالحکیم کا مسکن تھا اور جس کے قرب و جوار میں ابھی تک ان کی بہت سی یادگاریں موجود ہیں ۔ تاریخ کبیر کشمیر میں ایک اور عالم مولوی قطب الدین فرزند مولوی محی الدین کشمیری کا ذکر کیا گیا ہے کہ ـــ

"در علم ظاهری فرید یکتا بود ـ(47)

یہ بھی انھیں کی اولاد میں سے تھے اور ان کے والد کا وطن کشمیر تھا لیکن یہ نقل وطن کرکے امرتسر چلے آئے اور یہیں وفات پائی اور شہر سے باہر "مقبرہ فتح بابا" میں مدفون ہوئے ان کا انتقال تیرھویں صدی ھجری کے اواخر میں ہوا صحیح تاریخ و سن وفات معلوم نہیں ۔ بہت سے علمی رسائل آپ کی طرف منسوب ہیں جن میں "اوضح الدلائل در جواب خمسہ مسائل" اور "هلال عید" مشہور ہیں ۔

تـــلامـــذہ ـــ

ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو ابتداءً ہی سے تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ تعلیم و تدریس سے بھی بڑی دلچسپی تھی وہ زمانہ طالب علمی ہی سے درس دینے لگے تھے پھر جب فارغ التحصیل ہوئے تو مستقل طور پر درس و افادہ کا سلسلہ جاری کردیا اور ساری زندگی اسی مسند پر جلوہ افروز رہے اس عرصہ میں دور و نزدیک کے سیکڑوں سے زائد تشنگان علم ان کے درس سے

---

(47) ماهنامہ ثقافت ۔ اپریل 1967ء ص 22

فیضیاب ہوئے - شاہ جہاں نے سیالکوٹ میں ایک اعلی درجہ کا مدرسہ بھی
قائم کیا تھا جس میں بڑے بڑے نامور علما٭ مقرر کئے اس مدرسہ کو اس زمانہ
کی ایک بڑی یونیورسٹی بھی کہا جاسکتا ہے جہاں ہندوستان کے علاوہ
بیرونی ممالک سے طالب علم آتے اور سرکاری روپے سے ان کے اخراجات
پورے کئے جاتے تھے - شاہ جہاں نے ان کو اس مدرسے کا نگراں مقرر کیا
تھا اور جتنی مدت تک وہ اس مدرسے کے منتظم رہے اس نے خوب ترقی کی
ان کی علمی زندگی کا سب سے شاندار کارنامہ ان کا یہی مدرسہ ہے جس
میں انھوں نے اپنی عمر کے قیمتی ماہ و سال تشنگان علوم دینیہ کی سیرابی
میں گزارے - جن نابغہ٭ روزگار تلامذہ کے نام اب تک مل سکے ہیں ذیل
میں مختلف کتب تذکرہ کی مدد سے ان میں سے چند کے مختصر حالات زندگی
درج کئے جاتے ہیں -

مولانا کے صرف چند شاگردوں کا پتہ چلتا ہے ملا عبدالرحیم
مرادآبادی - سید اسماعیل بلگرامی (م 1088ھ) غلام علی آزاد نے ان دونوں
کا ذکر اپنی کتاب ماثر الکرام میں کیا ہے ملا عبدالرحیم سنبھلی جو فارغ
التحصیل ہوکر مرادآباد میں قاضی مقرر ہوگئے اور سید اسماعیل بلگرامی جو
ابتدائی تعلیم ملا عبدالسلام ساکن دیوہ سے حاصل کرکے سیالکوٹ گئے اور ان
کے زمرہ تلامذہ میں داخل ہوگئے اس کے علاوہ ان کے تلامذہ کی فہرست
میں ملا عبدالوہاب پسروری (م 1059ھ) ملا عصمت اللہ سہارنپوری
(م 1039ھ / 1620ء) - چندر بھان برہمن (م 1073ھ / 1662ء)
مولوی محمد معظم ساکن پٹنہ (م 1158ھ/ 1745ء) ملا محمد افضل جونپوری
(م 1062ھ / 1651ء) - شیخ عبدالعزیز اکبر آبادی (م- 1088ھ) -

شاہ محمد ہاشم دریادل ۔ میاں رحمت اللہ ملا محمد کشمیری (م 1057ھ)
سید فیض اللہ انوری گجراتی ۔ عبدالرسول بدایونی حافظ سید سعداللہؒ بلگرامی
وغیرہ کے نام شمار کئے جاتے ھیں ۔ (48)

ذیل میں صرف چند نامور تلامذہ کا تذکرہ کیا جارھا ھے ۔

1 ۔ قاضی عبدالرحیم مرادآبادی ——

قاضی عبدالرحیم بن عبدالرشید بہاری ، مرادآبادی اپنے زمانے کے مشہور علماء میں سے تھے ۔ وہ نو سال سے زیادہ عرصہ تک اپنے استاد ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی خدمت میں موجود رھے اور علوم عقلیہ و نقلیہ سے بہرہ ور ھوئے یہاں سے فارغ ھوئے تو ان کو مرادآباد کا قاضی مقرر کیا گیا وھاں طویل عرصہ تک قضا کی ذمہداریوں سے عہدہ برآ ھونے کے ساتھ ساتھ تعلیم و تدریس میں مشغول رھے اور بےشمار لوگوں نے ان سے کسب فیض کیا ان کے دو شاگرد مولوی قطب الدین گوپاموی اور سید سعداللہ بلگرامی بہت مشہور ھوئے ۔ مولوی قطب الدین گوپاموی قاضیوں کے ایک معروف خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اھل ثروت لوگوں میں سے تھے ان کے والد قاضی شہاب الدین بھی بڑے علماء میں سے تھے انھوں نے 1160ھ میں وفات پائی غلام علی آزاد ان کے متعلق تحریر کرتے ھیں ——

"در جمیع علوم سیماہیئت و ھندسہ عدیم المثل بود" (49)

اس کے علاوہ مولوی رحمان علی انھیں فاضل بےعدیل اور عالم عدیم المثل کے

---

(48) دائرہ معارف اسلامیہ ج 12 ص 436

(49) ماھنامہ ثقافت لاھور جون 1967ء ص 6

القاب سے یاد کرتے ہیں ۔ آزاد بلگرامی اور نواب صدیق حسن خاں نے اپنے تذکروں میں ان کے چند شاگردوں کا ذکر کیا ہے جن میں سید طفیل محمد (م-1151ھ) کا نام قابل ذکر ہے ۔ جو علوم عقلیہ و نقلیہ کے عالم کامل تھے اور تقریباً ستر سال تک احیائے علوم میں مصروف رہے اور عربی کے بہت اچھے شاعر بھی تھے ۔ ساری عمر تجرد کی زندگی بسر کرتے رہے نواب صاحب نے ان کے حسب ذیل دو شعر بھی نقل کئے ہیں ؎

بهجنی غاوته قالت لجارتها * شخص اراه خليعًا فارغ البال
يحوم كل اوان حول مشربتي * انى لا قتله فى اسرع الحال (50)

2 - سید اسماعیل بلگرامی (م - 1088ھ)

شیخ صالح اسماعیل بن قطب عالم الحسنی واسطی بلگرامی ممتاز علماؑ میں سے ہیں ۔ وہ بلگرام میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم بلگرام میں حاصل کرنے کے بعد سیالکوٹ چلے گئے اور وہاں مفتی عبدالسلام دیوی اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی سے علوم عقلیہ و نقلیہ میں مہارت حاصل کی۔ میر غلام علی آزاد انکے بارے میں تحریر کرتے ہیں ـــــ

"از فحول علماؑ وجہاندہؑ فضلا است ....در عقلیات
برہان ساطع بود و در نقلیات حجت قاطع جم غفیر
دانش آموزاں را کامل مکمل ساخت و برحاشیہؑ علامہ
دوانی بر تہذیب المنطق حاشیہ مدون مستعدانہ
نوشت و باوصف علوم مرتبہؑ دانش بسیار کوچک دل بزرگ

---

(50) نواب صدیق حسن خاں ـ ابجد العلوم ص 11 - 910

هست بود - و بہ فیض رسانی طولے داشت و علم موسیقی
هندی خوب می دانست - و ازمہرہ دقائق ایں فن می
زیست -" (51)

سید اسماعیل نے سب سے پہلے مولانا عبدالسلام دیوی سے اکثر کتب درسیہ کی تحصیل کی اور اس کے بعد مزید علمی تشنگی بجھانے کی خاطر ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علمی خزانوں سے مستفید ہونے کی اجازت چاہی - مولانا نے فرمایا کہ طالبان علم کا پہلے ہی بہت ہجوم ہے اس لئے علیحدہ وقت کی گنجائش نہیں - البتہ تم فلاں طالب علم کے وقت درس میں سماعت کرلیا کرو - میر اسماعیل نے اسی کو غنیمت جانا اور خاموشی کے ساتھ درس کی سماعت کرنے لگے - دوران سبق بالکل خاموش بیٹھے رہتے اسی طرح ایک مدت گذر گئی ایک دن استاد نے خود ہی پوچھا ـــ

"قد شما گذشت گاہے حرفے از شما سرہرنہ زد" انھوں نے عرض کیا کہ اگر فقیر کو علیحدہ وقت دیا جائے تو "بقدر استطاعت حرف تواں زد"- مولانا عبدالحکیم نے یہ سن کر عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت سید اسماعیل کے لئے مقرر کردیا - دوسرے ہی دن مستقل درس اور بحث کا آغاز جو ہوا تو پھر اختتام کہاں مغرب کی نماز کے بعد استاد اور شاگرد پھر متوجہ درس ہوئے یہاں تک کہ عشاء کی نماز کا وقت آگیا - جب مولانا نے دیکھا کہ "سر رشتہ سخن" کی کوئی انتہا نہیں تو فرمایا کل صبح سویرے تم میرے

---

(51) غلام علی آزاد - مآثر الکرام - دفتر اول ص 233

پاس آجاؤ تمام دوسرے اسباق موقوف کرکے ہم تم دونوں سب سے پہلے اسی مسئلہ زیر بحث کی تحقیق و جستجو کریں گے دوسرے دن علی الصبح وہ مولانا کی خدمت میں پہنچے مدرسہ کے تمام طلبہ موجود تھے چاشت سے دو پہر تک یونہی بحث تحقیق مسئلہ ہوتی رہی اور پھر متواتر تین دن گزر گئے لیکن سلسلہ بحث منقطع نہ ہوسکا ۔ آخر کار مولانا نے پوچھا اس مسئلہ کا کوئی حل تم پر بھی ظاہر ہوا ؟ شاگرد نے عرض کیا فلاں فلاں محشیٰ نے اس سلسلے میں اس طرح تحریر کیا ہے اور ساتھ ہی اپنا لکھا ہوا حاشیہ استاد کی خدمت میں پیش کیا ۔ استاد نے وہ تحریر دیکھی اور عش عش کر اٹھے اور انکے ذہن ورسا پر جواہر تحسین نچھاور کئے اور پوچھا: تحصیل شما از کجا است ؟ عرض کیا از مولوی عبدالسلام دیوی ۔ یہ جواب سن کر مولانا عبدالحکیم کو شک گذرا کہ ہوسکتا ہے کہ مولوی عبدالسلام دیوی نے میرا امتحان لینے کی غرض سے اپنے شاگرد کو میرے پاس بھیج دیا اور اس کا اظہار ان پر بھی کردیا لیکن میر اسمٰعیل نے قسم کھا کر کہا کہ اس معاملے میں قطعی کسی کا کوئی دخل نہیں اور "محض با رادہ استفادہ در جناب عالی رسیدہ ام۔" (52)

آزاد کا بیان ہے کہ میر اسماعیل نے بقیہ کتب مولانا عبدالحکیم ہی سے پڑھیں اور انھیں کی خدمت میں رہ کر اعلی علمی مدارج کو حاصل کیا ۔ آخری عمر میں انھوں نے بلگرام میں ہی سکونت اختیار کرلی تھی ۔ اور بالآخر مولانا کے شاگرد رشید کی وفات 1088ھ میں بلگرام میں ہوئی۔

---

(52) ماہنامہ ثقافت لاہور ۔ جون 1967ء ص 12

ان کے بارے میں علامہ عبدالحئی یوں رقمطراز ھیں ـــ

"ثم ...... دخل فی حلقته درس الشیخ عبدالحکیم سأل القرأة علیه فلم یجبه لکثرته الدروس فقنع بالسماع و مضی علی ذلک دهر طویل فلما اطلع السیالکوٹی علی ذکائته التفت الیه وفسح لم فی وقته للقرأته انتهی وقال السید محمد بن عبدالجلیل البلگرامی فی تبصرته الناظرین انه اول من تشیع من اهل بلگرام مات سنته ثمان و ثمانین و الف ـ" (53)

3 ـ مولانا شیخ محمد افضل جونپوری (977ھ تا 1062ھ)

شیخ محمد افضل حضرت عثمان ھارونی کی اولاد میں تھے ان کے والد کا نام مفتی حمزہ تھا جنھوں نے ناموافقت زمانہ کے سبب مازندران ماوٗرالنہر کے علاقہ سے ھجرت کرکے قصبہ ردولی ضلع بارہ بنکی میں سکونت اختیار کی اور وھیں مفتی مقرر ھوئے 16 رمضان المبارک 977ھ کو ملا محمد افضل کی ولادت ھوئی ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مزید کی تلاش میں دھلی تشریف لے گئے اور حضرت ملا حسین کے حلقہ درس میں بیٹھے وہ تمام علوم عقلی و نقلی میں مشہور زمانہ تھے اور ملا طاھر لاھوری اور حکیم اسماعیل کے شاگردوں میں سے تھے اس کے بعد انھوں نے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی سے تکملہ فرمایا۔ (54)

---

(53) علامہ عبدالحئی ـ نزھتہ الخواطر ج 5 ص 73

(54) سید اقبال احمد جونپوری ـ تاریخ سلاطین شرقی اور صوفیائے جونپور ص 1638

دھلی میں رہ کر ملا ابو حنیفہ سے صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث پڑھیں اور پھر انھیں کے زیر سایہ رہ کر مسائل کی تحقیق و جستجو میں مہارت حاصل کی اس طرح بیس سال کی عمر میں تمام علوم ظاھری کی تکمیل کرکے اپنے چھوٹے بھائی شیخ سلطان محمود کے ساتھ جونپور آئے اور کم عمری میں تمام مروجہ علوم و فنون میں نہ صرف مہارت حاصل کی بلکہ علمی دنیا میں بھی اپنی قابلیت کا لوھا منوالیا ۔ یہ زمانہ جہانگیر بادشاہ کا تھا ۔ جونپور کے وقائع نگار نے ملا محمد افضل کے رجوعات اور ان کے علم و فضل اور کمالات کے بارے میں جہانگیر کو مطلع کیا اس نے ان کو " استاذ الملک" کے بلند پایہ خطاب سے نوازا اور جونپور کے شاھی مدرسے کے مدرس اعلی کے عہدے پر فائز کیا ۔ اس کے علاوہ جاگیر بھی عطا کی جو انھوں نے قبول نہ کی اور پوری زندگی قناعت اور زھد و تقوی میں گزار دی ۔ وہ حضرت مجذوم شیخ عبد القدوس قلندر نظام آبادی (م - 1053ھ) سے بیعت تھے ۔ بلا ضرورت کبھی بھی بادشاھوں کے دربار میں نہیں جاتے تھے ۔ ان کی درسگاہ جو محلہ سپاہ جونپور میں تھی اس کا فیض اس قدر عام ھوا کہ جونپور اس وقت پورے شمالی ھند میں بہت بلند وفائق ھوگیا چونکہ اس وقت جونپور کو علمی اعتبار سے اعلی مقام حاصل تھا اور چاروں طرف علماء و فضلاء کا دریا موجزن تھا ۔ لہذا انھوں نے ان کی ذہنی و علمی تشنگی ختم کرنے کے لئے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جو تا حیات جاری رھا ۔ تذکرہ علمائے ھند میں رحمان علی یوں رقمطراز ھیں ـــ

" مولانا شیخ افضل اپنے عہد کے افضل الفضلاء اور اعلم العلماء تھے ۔ علوم عقلی و نقلی کے جامع متشرع

متقی خوش خلق اور سلیم المزاج تھے ہمیشہ اپنے
اوقات عزیز قلم کی خدمت میں صرف کرتے تھے۔ (55)

ان کے علم و فضل اور مستقل المزاجی کا ذکر کرتے ہوئے "ابجد العلوم" کے مصنف لکھتے ہیں ــــ

"كان افضل الفضلا و امثل علما' دهره فى العقليات و
النقليات و كان حصوراً تقياً حسن الخلق سليم المزاج
مقيماً لدولته العلم والتدريس ـ" (56)

یوں تو ان کے فیض درس اور تعلیم سے سینکڑوں علما' و فضلا' ہوئے لیکن انھیں اپنے دو شاگردوں پر بڑا ناز تھا اور وہ معروف ہستیاں ملا محمود جونپوری (م - 1062ھ) اور دیوان عبدالرشید جونپوری (م 1082ھ) تھیں ان کے شاگرد ملا محمود جونپوری کا جب انتقال ہوا تو ان کی وفات کا ملا افضل کو اتنا صدمہ ہوا کہ اس کے بعد کسی نے ان کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کہ چالیسویں دن ان کا بھی انتقال ہوگیا ۔ تذکرہ علمائے ہند میں یوں لکھا ہے ــــ

"جب ملا محمود جونپوری جو ان کے ارشد تلامذہ میں سے
تھے فوت ہوئے تو مولانا کو ان کے انتقال سے سخت
صدمہ اور رنج ہوا چالیس دن تک مسکرائے بھی نہیں
چالیس روز بعد اسی رنج و غم میں 1063ھ میں انتقال کیا۔(57)

---

(55) مولوی رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ہند ص 417
(56) نواب صدیق خان ۔ ابجد العلوم ص 902
(57) مولوی رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ہند ص 417

ملا افضل کے کوئی اولاد باقی نہ رہی البتہ ان کے چھوٹے بھائی سلطان محمود کی نسل چلی ۔ نزھتہ الخواطر کے مصنف نے "تجلی نور" کے حوالے سے لکھا ھے کہ جس وقت ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا وصال ھوا تو اھل جونپور نے علم کا الوداعی ماتم کیا تھا ۔ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ ملک العلماء خود تو دنیا سے تشریف لے گئے مگر علم کی خلعت فاخرہ ملا افضل کے لئے چھوڑ گئے ۔ ان کا مزار مبارک محلہ چاچک پور شہر جونپور میں مرجع خلائق ھے ۔

4 - شیخ عبدالعزیز اکبرآبادی (م - 1088ھ)

شیخ عبدالعزیز بن عبدالرشید بن عبدالغفور اکبرآبادی ممتاز علماء میں سے تھے عام طور پر وہ ملا عبدالعزیز عزت کے نام سے مشہور ھیں ۔ "تذکرہ بلغستان" میں ان کو مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے شاگردوں میں شمار کیا گیا ھے ۔ ان کے والد فحول علماء میں تھے۔ عنفوان شباب ھی میں تحصیل علوم سے فراغت حاصل کرکے درس و تدریس میں مصروف ھوگئے اور اپنے وطن اکبرآباد میں "ھنگامہء افادہ" برپا کیا ۔ مراتہ العالم کے مصنف کے بیان ھے کہ وہ عقلی و نقلی علوم کے ماھر کمال ذکاوت و ذھانت اصابت رائے فصاحت اور خوش اخلاقی و خوش بیانی میں اپنے معاصرین میں ممتاز تھے ۔ اپنے والد سے جو اس زمانے کے اکابر علماء میں سے تھے تحصیل علم کی ۔ چودھویں سنہ جلوس میں عالمگیر اکبرآباد گیا تو دربار میں شیخ عبدالعزیز کا تذکرہ آیا اور ان کی بعض تحریریں ان کی نگاہ سے گزریں ۔ اس نے بڑے اشتیاق اور لطف سے شیخ صاحب کو دربار میں بلایا اور الطاف

خسروانہ سے عرض مکرر کے منصب پر فائز کیا ۔ شاہی دربار میں اشراف مکہ اور ائمہ یمن کے جو خطوط آتے تھے ان کے جواب کی خدمت ان کے سپرد تھی ۔ عربی فارسی انشاء میں یگانہ عصر تھے ۔ متداول کتابوں پر حواشی لکھے جس سے اہل ایمان ان کی قوت فکر اور جودت طبع کے معترف ہوئے عربی فارسی اور ہندی میں شعر کہتے تھے ۔ ان کے اشعار کی رنگینی اور مضمون آفرینی کی تعریف مراتہ العالم میں کی گئی ہے ۔ فرحت الناظرین کا وہ اقتباس جس میں اورنگ زیب کے عہد کے مشائخ و علماء وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے ملاحظہ ہو ـــــ

" از پایۂ تحصیل بدرجہ تدریس عروج نمودہ در وطن خود افادہ گرم داشت و پای قناعت در دامن عزلت پیچیدہ پیش اغنیا و زود نمی کرد . در سنہ چہارم جلوس عالمگیری کہ مستقر الخلافہ مطرح عساکر اقبال بودکمالات قدسی شیخ مذکور در محفل پادشاہ دین پناہ مذکورشد و بعضی رسائل و مسو دانش از نظر فیض اثر گذاشت خدیوشاہ جہاں پناہ بخواہش تمام عنایت فراوان شیخ را بحضور طلبیدہ مورد انواع الطاف فرمودہ بمنصب و خدمت عرض مکرر امتیاز و احوالش در ضمن سوانح آں خدیو نامدار تحریر شدہ ۔" (58)

وہ ایک شیریں مقال شاعر بھی تھے ایک بار جب وہ عالمگیر سے رخصت ہوکر لاہور پہنچے تو یہ غزل لکھ کر بادشاہ کے پاس حسن ابدال بھیجی ـــ

---

(58) اورینٹل کالج میگزین لاہور مئی 1928ء ص 79 و 80

"ز درد دل چه نگارم که جوش بےتابیست
ز شوق جاں چه نویسم که نامهٔ سیما بیست
شب فراق خیالے که ریخت خون دلم
که باز اشک گلبی و دیدہ حنا بیست
چگونه شرح وهم حالِ دل که بے تابم
زیاد تاب رخش دل کتاں و مهتا بیست
نشسته ایم دریں بحر ناخدا چه کند
بکشتی که زیک قطره آب گردا بیست
نماند صورت راز دلم نہاں عزّت
که دیدہ صفحهٔ تصویر رنگ بیخوا بیست (59)

شیخ عبدالعزیز اکبرآبادی اپنے علم وفضل کی بنیاد پر اس قدر مشہور تھے که قدیم تذکروں میں نہایت عزت و احترام سے ان کا ذکر کیا گیا هے ۔ "نزهـته الخواطر" کے مصنف ان کی تعریف میں رطب اللسان هیں ـــ

"وکان فاضلا کبیر اشاعرا مجید الشعر مقتدر اعلی المعانی
التکبرو ۔ وکان شدید التعصب علی الشیعته حتی انه
لما مرض اراد عالمگیران یرسل الیه واحد من الاطبا
و اشارالیه ان لا یتعصب فی الاستعلاج فاجاب بانی
المترف بان التعصب لا ینبغی فی العلاج ولکنی لا
اعتمد علی علمهم و لذلک اخترک الحکیم عبدالملک

---

(59) ماهنامه ثقافت لاهور ۔ جون 1967ء ص 10

فانه ما هو فی الحدس و التجربته والصلاح و العلم فی الجملته
وکان فی تلک الساعته ایضاً مشتغلا بالتصنیف یملی علی اصحابه
کما فی "الماثر" له کشف الغطا' "رسالته نفسیته فی الکلام
بالفارسیته ۔ وله دیوان شعر "تو فی سنته ثمان و ثمانین والف
کما فی ماثر عالمگیری ۔" (60)

مولانا عبدالعزیز اکبرآبادی نے 1088/ھ میں وفات پائی اور مرادآباد میں مدفون ہوئے ۔

5 - چندر بھان برہمن (م - 1073 ھ / 1662ء)

شاہ جہانی عہد کا سب سے ممتاز ہندو شاعر اور ادیب چندر بھان برہمن تھا ۔ برہمن اس کا تخلص تھا ۔ اس کے والد کا نام دھرم داس تھا وہ لاہور کا باشندہ تھا ۔ ابتدائی تعلیم مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی سے حاصل کی طالب علمی سے لیکر زمانہ ملازمت تک کے تفصیلی حالات نہیں ملتے البتہ اپنی تصنیف "چہار چمن" کے تیسرے چمن میں اس نے اپنی زندگی کی بعض تفصیلات بیان کی ہیں اس کا اپنا بیان ہے کہ میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا تلمیذ ہوں ۔ (61)

چندر بھان برہمن سب سے پہلے امیر عبدالکریم میر عمارت لاہور کی ملازمت میں داخل ہوا اس کا بھائی اودھے بھان شاہجہاں آباد کے ناظم عاقل

---

(60) علامہ عبدالحئی رائے بریلوی ۔ نزہتہ الخواطر ج 5 ص 327
(61) ماہنامہ ثقافت لاہور ۔ جون 1967ء ص 11

خاں کے دفتر میں نوکر تھا اور غالباً سب سے پہلے اس کی شاہجہاں سے اتفاقیہ ملاقات یہیں پر ہوئی ۔ امیر عبدالکریم کی ملازمت چھوڑ کر کچھ مدت بعد افضل خاں وزیر کل سے منسلک ہوا پھر اس کی وفات کے بعد برھمن کو شاھی ملازمت میں منشی گیری کے کام پر مامور کیا گیا ۔ تاکہ وزراء اور دیگر افسران اعلی کی تحریری معاونت کرے ۔ دارا شکوہ کو اس کی تحریر بہت پسند تھی ۔ چنانچہ وہ ایک مدت تک دارا شکوہ کا منشی خاص رہا ۔

"منشات برھمن" سے معلوم ھوتا ھے کہ اس کے تین بھائی اودھے بھان ، رائے بھان اور اندر بھان تھے ۔ اور وہ تارک الدنیا تھے ۔ برھمن سے ان کے تعلقات نہایت خوش آئیند تھے ۔ منشات میں ایک خط کا تذکرہ ھے جو اس نے اپنے بیٹے "تیج بھان" کو لکھا ھے اس کے علاوہ اس کے کسی قریبی عزیز کا پتہ نہیں چلتا ۔ بیل صاحب لکھتے ھیں کہ اس نے آگرہ میں ایک نہایت اچھی رھائش گاہ تیار کی تھی ۔ اس کے علاوہ وہ نہایت سلیم المزاج صلح کل ھندو تھا ۔ اپنی تحریرات میں وہ ھندوانہ مراسم کا نہایت عزت سے ذکر کرتا ھے اس کی طبیعت میں گداز تھا ۔ اسے خط شکستہ میں کمال حاصل تھا ۔ منشات میں اس نے اپنی متعدد تصانیف کا ذکر کیا ھے جن میں چہار چمن، تحفتہ الانوار، گلدستہ، نگار نامہ ، تحفتہ الفصحاء ۔ مجموعتہ الفقراء-منشاعت اور دیوان فارسی وغیرہ قابل ذکر ھیں ۔"چہار چمن" عہد شاہ جہانی کی یادداشتوں کا مجموعہ ھے ان میں ان تمام اوقات کا ذکر ھے جن میں اس نے بادشاہ سے ملاقات کے دوران اپنے اشعار وغیرہ سنائے اس کے علاوہ شاہ جہاں کا روزمرہ کا پروگرام بھی شرح و بسط سے پیش کیا گیا ھے یہ کتاب خود مصنف کے حالات و بعض تفصیلات کے اپنے ایک مفید تاریخی مجموعہ ھے "منشات برھمن" اس کے

ان خطوط کا مجموعہ ھے جو اس نے وقتاً فوقتاً شاہ جہاں اور اپنے ھمسران عہد و متعلقین کو لکھے ۔ یہ خطوط تاریخی اھمیت سے چنداں قابل وقعت نہیں البتہ فن انشاء پردازی کے نقطہ نظر سے قابل قدر ھیں ان کتابوں کے علاوہ اس کا ایک دیوان بھی ھے اس دیوان کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری لاھور میں موجود ھے یہ دیوان غزلیات و رباعیات کا مجموعہ ھے دیوان کے مطالع سے معلوم ھوتا ھے کہ اس میں برھمن فارسی و اسلامی تخیل میں ڈھلا ھوا ھے مراتہ الخیال کے مصنف نے دیوان کی یہ غزل زیادہ پسند کی ھے ــــ

"کنم ز سادہ دلی ھند دیدہ مژگان را
بمشت خسِ نتواں بست را طوفان را
شبے خیال تو آمد بخواب آسود یم
دگر ز ھم منشودیم چشم گریاں را
برھمن از تو سخن بے دلیل می خواھم
کہ اعتبار نباشد دلیل و برہاں را (62)

بالآخر اس باکمال شاعر مصنف ادیب نے دارا شکوہ کی وفات کے بعد کیونکہ دارا شکوہ اس کو نہایت پسند کرتا تھا اور اپنا منشی خاص بنایا ھوا تھا چنانچہ جب وہ حصول تخت کی جنگ میں مارا گیا تو اس نے عزلت گزینی اختیار کرلی اور بالآخر بنارس میں 1073ھ میں وفات پائی ۔

6 ۔ ملا عصمت اللہ سہارنپوری (م ۔ 1039ھ)

ملا عصمت اللہ سہارنپوری ایک بڑے عالم اور متجر فقیہہ تھے ان کا شمار مشاھیر علماء دین میں ھوتا تھا وہ سہارنپور میں پیدا ھوئے ان کے والد

---

(62) اورینٹل کالج میگزین لاھور ۔ اگست 1928ء ص 12

کا نام محمد اعظم تھا ۔ اگرچہ بظاہر آخری عمر میں بصارت سے محروم ھوگئے لیکن باطن میں چشم بصیرت روشن تھیں انھوں نے بہت مفید مشہور اور عجیب و غریب کتابیں تصنیف کیں جن میں الحاشیه علی الفوائد الضیائیه (شرح ملا جامی) والمزائد اور رقیب باب المعروف و المنکر وغیرہ قابل ذکر ھیں ۔ "تذکرہ پاعستان" میں ان کا ذکر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے تلامذہ میں کہا گیا ھے۔

"و ازاں جمله است ملا عصمت الله سہارنپوری که بر خلاصته
الحساب و تشریح الافلاک شیخ بہاؤالدین محمد عاملی
شرح نوشته اند ۔" (63)

اس کے علاوہ قنوج کے کئی نامور علماً عصمت الله سہارنپوری کے شاگرد تھے جن میں شیخ علی اصغر بن شیخ عبدالصمد قنوجی البکری کرمانی (م - 1140ھ) زیادہ مشہور ھوئے ۔ ملا عصمت الله بہت سی کتابوں کے مصنف اور جمیع علوم عقلیه و نقلیه کے ماھر اور تصوف اور سلوک کے امام تھے ۔ نواب صدیق حسن خاں لکھتے ھیں ——

"واتم المتوسلات والمطولات فی حلقته درس السیدعصمت
الله السہارنپوری ملا عصمت الله نے 1093ھ/30-1629ء
میں وفات پائی ۔"

7 - مولوی محمد معظم (م - 1158ھ /1745ء)

مولوی محمد معظم بن احمد صدیقی پٹنہ کے رھنے والے تھے انھوں نے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی سے تحصیل علم کی اور علوم دینیه میں اپنے ھمعصروں

---

(63) ماھنامه ثقافت لاھور - جون 1967ء ص 7

پر سبقت لے گئے انھوں نے قرآن مجید تفسیر بیضاوی کے ساتھ حفظ کیا تھا بہادر شاہ عالمگیر نے انھیں پٹنہ کا قاضی مقرر کیا تھا اور چند دیہات بطور جاگیر عطا فرمائے - مولوی محمد معظم عمر بھر درس و تدریس اور عدل گستری میں مصروف رہے ان کی تصانیف میں سے قرآن مجید کی تفسیر بھی تھی جو سکھوں کے زمانے میں جلا ڈالی گئی انھوں نے مثنوی مولانا روم کی شرح بھی لکھی تھی - 1158ھ میں ان کا انتقال ہوا اور پٹنہ میں مدفون ہوئے۔ (64)

تذکرہ علمائے ہند کے مؤلف رقمطراز ہیں ——

"مولوی محمد ابن احمد صدیقی مولوی محمد اشرف لکھنوی کے دادا تھے - پٹنہ میں پیدا ہوئے اپنے والد ماجد اور محمد عبدالحکیم سیالکوٹی سے تحصیل علم کی۔ قرآن مجید معہ تفسیر بیضاوی حفظ تھا - علوم دینیہ میں اپنے ہمعصروں میں ممتاز تھے - بہادر شاہ بن عالمگیر بادشاہ نے ان کو پٹنہ کا قاضی مقرر فرمایا - اور چند گاؤں جاگیر میں دیئے مولوی مرحوم قضا و تدریس میں مشغول رہے ان کی تصنیفات میں ایک تفسیر قرآن بھی تھی جو سکھوں کے غلبہ میں جل گئی ان کی تصنیفات میں شرح مثنوی مولانا روم بھی ہے 1158ھ / 1745ء میں وفات پائی اور پٹنہ میں مدفون ہوئے -" (65)

---

(64) ماهنامہ ثقافت لاہور - جون 1967ء ص 10

(65) مولوی رحمان علی - تذکرہ علمائے ہند ص 471

8 - ملا عبدالوهاب پر سروری (م - 1059ھ)

ملا عبدالوہاب پرسروری فرحت الناظرین کے مصنف محمد اسلم بن محمد حفیظ پر سروری عہد شاہ عالم کے جد امجد تھے ان کا شمار مشاہیر فضلائے عصر میں ہوتا تھا محمد اسلم نے ان کے حالات "فرحتہ الناظرین" میں تحریر کئے وہ لکھتے ہیں کہ شاہجہاں نے ان کو کئی بار مناصب وظائف سے نوازا اور نواب سعداللہ خان وزیر اعظم شاہجہاں کی سعی و تردد کی بناپر اپنے فرزندوں کے نام دو دیہات بھی بطور وظیفہ قبول کئے شاہ جہاں نے اس میں اضافہ کرکے چار دیہات کا فرمان جاری کیا ۔ یہ دیہات بہت زمانہ گزرنے کے بعد بھی اسی خاندان کے زیر تصرف رہے مگر سکھوں کے ہنگامے میں ان کے ہاتھ سے جاتے رہے فرحت الناظرین میں ملا عبدالوہاب پرسروری کی تعریف یوں کی گئی ہے ـــ

" بہ پرهیزگاری و خدا پرستی موصوف و بمزید دانش و تبحر در علوم و افراط معلومات مشہور و معروف و در انجاح مرام طبقات انام مساعی جمیلہ داشتند و کسر نفس و تواضع با صغیر و کبیر سجیّہ مرضیہ اوشان بود اکثر متداولات را در سیالکوٹ بخدمت ملا عبدالحکیم سیالکوٹی خواندہ در علمِ فقہ و اصول و معانی بہرہ تمام داشتند ۔ و ہمہ عمر بر اعتماد بر توکل نمودہ بدرس علوم دینی و کسب علم یقینی اشتغال داشتند فردوس آشیانی مکرر و بخدمت ایشاں رفتہ متصدعہ مناسب و وظیفہ شدند ..... ملا در سنہ یک ہزار و

پنجاه وله (1059) هجری بدارالجنان خرامیدند رحمته الله علیه ـ"(66)

9 - مولوی محمد قنوجی ـــ

اپنے زمانے کے عظیم المرتبت علماء میں شمار ہوتے تھے ـ درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے انھوں نے بہت سی کتب تحریر کیں جن میں "صدراء کا حاشیہ قابل ذکر ہے ابجد العلوم کے مؤلف ان کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں ـــ

"کان من کبار الفضلاء و اعاظم العلماء من اهل قنوج تلمذ علی شیخ العارف علی اصغر القنوجی و بلغ الغایته فی الکمال و درس و الف وله حاشیه علی صدرافی الحکمته متد واله فی دیار نالم الف علی تاریخ وفاته ـ" (67)

10 - مولانا حاجی محمد کشمیری (م - 1007ھ)

حاجی محمد کشمیری حنفی مسلک کے جلیل القدر علماء میں سے تھے حدیث فقه میں ملکه حاصل تھا ـ وہ همدان کے رهنے والے تھے ان کے آبا و اجداد میں سے ایک شخص امیر علی بن شہاب کشمیر آئے اور وهاں رهائش اختیار کرلی ـ حاجی محمد کشمیر میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم وهیں حاصل کرنے کے بعد مزید کی تلاش میں دهلی آگئے اور اس وقت کے مشہور علماء و اساتذہ سے اکتساب کیا ـ اس کے بعد خواجه باقی بالله دهلوی کے ساتھ رہے اور ان

---

(66) اورینٹل کالج میگزین لاهور ـ مئی 1928ء حصه اول ص 77

(67) نواب صدیق حسن خان ـ ابجد العلوم ص 934

سے سلوک و تصوف کی تعلیم پائی ۔ تکمیل تعلیم کے بعد واپس کشمیر جاکر مسند درس بچھائی اور درس و افادہ میں مشغول ہوگئے ۔ درس و تدریس کے علاوہ انھوں نے تصنیف و تالیف کا کام بھی کیا ۔ ان کی تصانیف میں شرح الحصن الحصین - شرح شمائل ترمذی۔ اور کتاب فی فضائل القرآن۔ کے علاوہ "مصباح الشریعتہ" اور" شرح الاوراد" بھی قابل ذکر ہیں ۔ نزھتہ الخواطر میں ان کے بارے میں یوں لکھا ھے ـــ

"الشیخ العالم الصالح حاجی محمد الحنفی الکشمیری احد العلماء المبر زین فی الفقہ والحدیث ..... سافر للعلم الی دارالملک دھلی و قرأعلی اساتذتھا ثم صحب الشیخ الکبیر محمد باقی النقشبندی الدھلوی و اخذ عنہ طریقتہ ثم رجع الی کشمیر و تصور بھاللدرس والافادتہ لم یلوث ثیاسبہ بادناس الدنیا قط ولہ مصنفات عدیدتہ منھا شرح الحصن الحصین و شرح علی الشمائل اللترمذی و کتاب القرآن ولہ مصباح الشریعتہ و شرح الاوراد کما فی "محبوب الالباب "تو فی یوم الخمیس للیلتہ بقیت من شھر صفر سنتہ ستہ و الف بنارخ بعض اصحابہ لوفاتہ من (نوز دھم بود شھر صفر) کہانی مھرجھانتاب ـ" (68)

مولانا حاجی محمد کشمیری کی وفات جمعرات 1007ھ کو ھوئی اور وھیں کشمیر میں مدفون ھوئے ۔

---

(68) عبدالحئی رائے بریلوی ۔ نزھتہ الخواطر ج 5 ص 126

رفاھی یادگاریں ــــ

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو شاہ جہاں کی طرح تعمیرات اور رفاہ عامہ کے کاموں کا بھی شوق تھا ۔ ان کاموں میں ان کی دلچسپی کی شہادت ان کی تعمیر کردہ وہ عمارتیں ھیں جو سیالکوٹ میں تین سو سال سے بھی زیادہ عرصہ گذرنے کے باوجود بھی قائم ھیں ۔ شاہ جہاں نے سیالکوٹ میں ایک بڑی جاگیر بھی ان کو عنایت کی تھی علاوہ ازیں کئی مرتبہ نقد انعام و اکرام سے بھی نوازا گیا اور دو مرتبہ چاندی میں تلوایا گیا ۔

ان بیانات سے پتہ چلتا ھے کہ مولانا امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی بسر کرتے تھے اور اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا پورا ذوق رکھتے تھے لیکن ذاتی عیش و آرام کی زندگی گذارنے کے باوجود انھوں نے اپنے شہر کے بسنے والوں اور مسافروں کی ضروریات سے کبھی چشم پوشی نہ کی اور اسی مقصد کے پیش نظر رفاھی اداروں کے قیام میں بڑھ چڑھ کر دلچسپی لی ۔

انھوں نے اپنی قیام گاہ کے قریب ھی ایک عظیم الشان مدرسہ اور مسجد تعمیر کروائیں ۔ یہ وھی مدرسہ ھے جہاں اس زمانے میں نہ صرف ھندوستان بلکہ بیرون ھند سے بھی طلباء کی ایک کثیر تعداد ھر وقت موجود رھا کرتی تھی اس عظیم الشان مدرسہ میں طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی تھی اور ان کی روز مرہ کی تمام ضروریات بھی وہ خود ھی پوری کرتے تھے ان کی تعمیر کی ھوئی مسجد آج بھی تحصیل بازار سیالکوٹ میں "محلہ میانہ پورہ" میں موجود ھے منشی محمد الدین فوق لکھتے ھیں کہ میانہ پنجابی زبان میں مسجد کے ملا" (خطیب و امام) کو کہتے ھیں چونکہ یہاں مدرسہ اور ان کی رھائش کی وجہ سے اکثر

طلبه اور درویش رہا کرتے تھے اسی لئے اس جگہ کا نام ہی اسی وقت سے میانہ پورہ مشہور ہوگیا ۔ لالہ امین چند تواریخ سیالکوٹ میں لکھتے ہیں ــــ

" ان کا مدرسہ بڑا گرامی تھا چنانچہ اس موضع کا نام
میانہ پورہ انہیں کے باعث مشہور ہے ۔

مفتی غلام سرور قریشی مصنف "تاریخ مخزن پنجاب" نے بھی اس بات کی تائید کی ہے کہ یہ محلہ مولانا عبدالحکیم ہی کی وجہ سے مشہور ہے اور اسے آپ نے ہی بعہد شاہ جہاں آباد کیا تھا ۔

ڈاکٹر جی ایم صوفی اپنی کتاب KASHIR میں بیان کرتے ہیں کہ اس مسجد کے اندر محراب میں یہ عبارک کندہ ہے ــــ

تاریخ ہذا المسجد من بانیہ ۔ لہ الھیت فی الجنتہ 1052

خط کشیدہ الفاظ مسجد کا سن تعمیر 1052ھ بتاتے ہیں ڈاکٹر صوفی کے اس بیان کی تائید فوق صاحب نے بھی کی ہے وہ مزید لکھتے ہیں کہ مسجد کے باہر کچھ زمین عرصہ دراز سے خالی پڑی تھی مولانا ابراہیم مرحوم کے والد مستری قادر بخش صاحب نے کمیٹی سے خرید کر یہ جگہ مسجد کے نام وقف کردی 1919ء میں یہ زمین صحن مسجد میں شامل کرکے مسجد کی توسیع کردی گئی اور ایک فوارہ اور ایک حوض بھی تیار ہوا جو پانی سے لبریز رہتا ہے۔ (69)

انہوں نے مسافروں کے لئے ایک بہت بڑی کارواں سرائے اور حمام بھی تیار کرائے کہا جاتا ہے کہ انگریزوں نے 1275ء میں اس عمارت کو خیراتی شفاخانے

---

(69) نقوش لاہور ۔ جون 1967ء ص 29

میں بدل دیا بعد میں اسی ڈسپنسری نے موجودہ سول اسپتال کی شکل اختیار کرلی ۔

انھوں نے ایک خوبصورت باغ کی بنیاد بھی ڈالی تھی جس کے گرد ایک مضبوط دیوار بھی تعمیر کی گئی تھی مگر یہ باغ اور دیوار زمانہ کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکے اور اب ان کا نام و نشان بھی نہیں ھے ۔

مولانا عبدالحکیم کی جیتی جاگتی یادگار سیالکوٹ کا ایک بڑا تالاب بھی ھے ۔ بیان کیا جاتا ھے کہ اس کی تعمیر پر لاکھوں روپے خرچ ھوئے تھے اس میں پانی براہ راست چناب سے ایک نہر کے ذریعے لایا جاتا تھا ۔ جس کے آثار بہت بعد تک موجود تھے سکھوں کے زمانے میں اسی تالاب کی ملحقہ عمارتیں برجیاں اور پل سب پیوند زمین ھوگئے ۔

لالہ امین چند "تالاب سیالکوٹ" کے عنوان کے تحت لکھتے ھیں ـــــ

> "یہ وھی تالاب ھے کہ جو مولوی عبدالحکیم کے زمانے میں بنوایا تھا مگر مدت سے اٹ گیا تھا ۔ اب بعد غدر جناب مسٹر پرنسپ صاحب بہادر کی ایما سے باھتمام سید قائم علی صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ چودھریان شہر نے تیار کرایا اور کچھ روپیہ سرکار نے بھی عطا کیا ۔ گویا کل اسی شہر میں یہی ایک تالاب ھے ۔" (70)

بعد کے دور میں یہی تالاب مقامی بجلی گھر کے پانی کے ذخیرے کے طور پر استعمال کیا جاتا رھا ھے ۔

---

(70) لالہ امین چند ۔ تواریخ سیالکوٹ بحوالہ ثقافت جون 1967ء ص 30

شہر سیالکوٹ کے مغربی جانب مولانا عبدالحکیم کی تعمیر کی ہوئی عیدگاہ آج بھی موجود ہے جس میں ہزارہا بندگان خدا سال میں دو مرتبہ اپنے معبود حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں ۔ آج کل اس عیدگاہ کا انتظام مقامی انجمن اسلامیہ کے ذمہ ہے اس کی چار دیواری پرانی سیالکوٹی اینٹوں کی ہے اور کہیں کہیں مغلیہ دور کی عظیم الشان عمارتوں کے مخصوص نقش و نگار اور خوبصورت بیل بوٹے ابھی تک دیکھے جاسکتے ہیں کہتے ہیں کہ اس عیدگاہ کر چار دروازے تھے اور ہر دروازے پر نہایت بلند مینار بھی تعمیر کئے گئے وقت کے ساتھ دیوار اکثر جگہ سے شکستہ ہوگئی ہے ۔ 1287ھ میں بعض مخیر حضرات نے چندہ کرکے اس کی مرمت کرائی تھی ۔

گیارھویں صدی کے اس عظیم انسان کے حالات زندگی اولاد تلامذہ وغیرہ کا تذکرہ کیا جاچکا ہے آخر میں ملا عبدالحکیم کے ہمعصر مؤرخ محمد صالح کنبوہ نے جن الفاظ میں ان کا ذکر خیر کیا انہیں یہاں بعینہ نقل کیا جاتا ہے تاکہ معاصرین کی نگاہوں میں اس مفکر کی جو قدر و منزلت تھی اس کی ایک جھلک دیکھی جاسکے ـــــ

"حبر محقق تحریر مدقق سرآمد دانشوران واجب التعظیم مولانا عبداحکیم منشا' و مولدش قصبہ' سیالکوٹ از مضافات دارالسلطنت لاہور است و مراتب شہرت ذکر فضا ئلش از لیالی و ایام و شہور و عوام اشہر اگر اورا ثالث معلمین خوانند می شاید و اگر عقل حاوی عشر دانند می سزد آں جناب در آغاز حال از دبستان تعلیم الہی ادب آموزی کردہ و از دانش کدہ فضل لامتناہی حکمت اندوزی

نموده در آخر کار پرده کشائی اسرار عالم سواد و بیاض گشت وجمیع نیروی کمالات خدا داد نهایت معروف جهدا و معاد برکتب معتبره که همگی از تصانیف اوستادان پاستانیست و تفصیل آن در ذیل این صحیفه مرقوم حواشیٔ خود پسند معنی طراز بقلم آورده دیباچهٔ سپهر کدام را ازمام نامی حضرت ثانی صاحب قران شاه جهان بادشاه مزین ساخت و مدت شصت ساله صدر نشین مدرسهٔ تلقین سنن و فرائض شراع نبوی صلوات الله و سلامه علیه و علی آلهٖ و صحبهٖ بوده . از برکات ذات عالی درجات و سیامن مکارم صفات حمیدهٔ خویش پنجاب بلکه هندوستان را لبریز فیض جاوید داشت ـ رفته رفته علم علم در عرصهٔ تفود بعنوانی برا فراخت که سائر آموز کاران روزگاران روزگار در بینش دبستان گزین استفادهٔ فنون دانش گشته و جمله ادبائے سخن پرواز مانند کودکان حرف شمار در جنب کمالاتش بشمار آمدند بلکه ارباب دانش و اصحاب فطرت کامل ادیب یونان را از تهجی خوانان دبستان ادب آموزش و عقل دانش افروز راجزوکش مدرسهٔ تعلیمش تصور نموده بدین تجویز درست خود را صاحب تمیز کامل دانستند ـ

بالجمله آن صاحب فضائل صوری و معنوی حق عظیم بر سائیر ارباب فضل ثابت کرده در سال هزار و شصت و هفت هجری متوجه دارالبقا گردید ـ" (71)

---

(71) محمد صالح کنبوه ـ عمل صالح ج سوم ص: 295-294

بابِ سوم :

معاصرینِ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ

— شاہ محب اللہ الہ آبادی (۹۹۶ھ/۱۵۸۷ء تا ۱۰۵۷ھ/۱۶۴۸ء)

— ملا عبدالسلام دیوی۔ متوفی تقریباً (۱۰۷۰ھ/۱۶۵۹ء)

— شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء تا ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء)

— علامہ سعد اللہ خان (۹۹۹ھ/۱۵۹۱ء تا ۱۰۶۶ھ/۱۶۵۶ء)

— حضرت میاں میر لاہوری (۹۵۷ھ تا ۱۰۴۵ء)

— ملا محمود جونپوری (۱۰۱۵ھ تا ۱۰۶۲ء)

معاصرین مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی

کسی شخصیت کے علمی مقام کو سمجھنے اور اس کے علمی کارناموں کا تعین کرنے کے لئے صرف واقعات کی فہرست اور سنین و اعداد کا مجموعہ کافی نہیں ھے بلکہ اس کے ساتھ اس کے عصری رجحانات اور معاصرین کی علمی و تحقیقی خدمات کا تفصیلی جائزہ بھی لیا جانا ضروری ھے ۔

ھندوستان میں دسویں اور گیارھویں صدی ھجری کا زمانہ سلطنت مغلیہ کا وہ زرین دور ھے جس نے سینکڑوں نہیں بلکہ ھزاروں علماء و فضلاء پیدا کئے جن میں سے بیشتر آسمان علم و معرفت کے آفتاب و ماھتاب بن کر چمکے اور علمی و تحقیقی کاوشوں کی بدولت ایوان علم و ادب کے صدر نشیں بنے رھے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے علمی مقام اور ان کے علمی کارناموں کی قدروقیمت کا اندازہ کرنے کے لئے ان کے معاصرین کا مطالعہ کرنا ازحد ضروری ھے اسی اھمیت کے پیش نظر معاصرین کے تذکرہ کے لئے ایک مکمل باب مخصوص کیا گیا ھے کیونکہ اس دور کے ھزاروں علماء کا تفصیل سے تذکرہ ناممکن تھا اس لئےخوف طوالت کی وجہ سے صرف انھیں علماء و فضلاء کے حالات یہاں قدرے وضاحت کے ساتھ دیئے گئے ھیں جو مولانا سیالکوٹی سے کسی نہ کسی اعتبار سے قریب رھے ھیں یا پھر اپنے بتحر علمی اور تصنیفی و تالیفی کارناموں کی وجہ سے نمایاں شہرت کے حامل ھیں ۔ اس باب میں مندرجہذیل صرف چھ 6 شخصیات پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ھے ۔

1 ۔ شاہ محب اللہ الہ آبادی (996ھ/1587ء ۔ تا 1058ھ / 1648ء)

2 ۔ ملا عبدالسلام دیوی متوفی 1070ھ /1659ء

3 - شیخ عبدالحق محدث دہلوی (958ھ / 1551ء - تا 1052ھ/1642ء)

4 - علامہ سعداللہ خاں (999ھ/1591ء - تا 1066ھ/1656ء)

5 - میاں میر لاہوری (957ھ - تا 1045ھ/1635ء)

6 - ملا محمود جونپوری (1015ھ - تا 1062ھ / 1652ء)

1 - شاہ محب اللہ الہ آبادی (996ھ/1587ء تا 1058ھ/1648ء)

عہد شاہ جہانی کے مشہور عالم اور مذہبی مفکر شاہ محب اللہ الہ آبادی علوم عقلی و نقلی میں امتیازی حیثیت رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک صاحب نسبت بزرگ تھے ۔ شاہ صاحب فلسفۂ وحدتہ الوجود کے موید اور شیخ اکبر محی الدین بن عربی (560ھ/1165ء تا 638ھ/1340ء) اور ان کی تصانیف کے پر زور حامی تھے ظاہری کا ایک بڑا طبقہ ان کو ملحد قرار دیتا ھے جس کی وجہ غالباً یہی ھے کہ ان کی تصانیف ان کی فہم سے بالاتر اور ان کے عقائد سے مختلف تھیں لیکن اس کے برعکس صوفیائے کرام نے ان کو عارف باللہ اور اسرار و معارف کا مخزن قرار دیا ھے ۔ مولوی رحمان علی نے تذکرہ علمائے ہند میں لکھا ھے ـــــ

> "ان کی تحقیقات و تدقیقات علم تصوف میں اجتہاد کا درجہ رکھتی ھیں بلکہ حق تو یہ ھے کہ شیخ محی الدین ابن عربی کو شیخ اکبر اور ان کو شیخ کبیر کہیں (تو بجاھے) ان کی عمدہ تصنیفات حقائق و توحید میں بہت ھیں ان کی تصانیف کو اسرار الٰہی کا خزینۂ وثائق اور گنجینۂ حقائق کہنا چاھئے۔" (1)

---

(1) مولوی رحمان علی ۔ تذکرۂ علمائے ہند ص 404

اس مقالہ کی تیاری میں زیادہ تر استفادہ ڈاکٹر مسعود انور علوی ریڈر شعبہ عربی کی تصنیف "کواکب" سے کیا گیا ہے ۔

ولادت ـــــ

2 صفر بروز دوشنبہ 996ھ/1587ء کو صدرپور ضلع خیرآباد میں بعہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ متولد ہوئے سلسلہٴ نسب حضرت بابا فرید الدین گنج شکر تک اس طرح پہنچتا ہے ۔ شاہ محب اللہ بن شیخ مبارز بن شیخ پیر بن شیخ بڈے بن شیخ مٹھی بن قاضی رضی الدین ملک العلماٴ بن شیخ اوحد الدین بن قاضی مجد الدین بن شیخ جمیل الدین بن قاضی رفیع الدین بن شیخ محب اللّٰہ فیاض بن حاجی رستم اللّٰہ بن حبیب اللّٰہ بن حاجی شیخ ابراھیم بن علاوٴالدین بن قاسم بن عبدالرزاق بن عبدالقادر بن ابوالفتح بن عبدالسلام بن جعفر بن شھاب الدین بن حضرت فریدالدین مسعود عمری ۔(2)

ابتدائی حالات ـــــ

شاہ صاحب نے ابتدائی تعلیم صدرپور میں اپنے والد سے حاصل کی پھر مزید تعلیم کے لئے لاھور گئے ۔ وھاں امیر فتح اللّٰہ شیرازی کے شاگرد عبدالسلام لاھوری (1037ھ/28 - 1627ء) سے جملہ علوم کا اکتساب کیا ۔ ڈاکٹر مسعود انور علوی اپنی کتاب "کواکب" میں رقمطراز ھیں "شاہ صاحب نے اپنی کتاب "انفاس الخواص" کے دیباچہ میں اپنی تعلیم شادی اور لاھور کی روانگی کا حال تحریر کیا ہے ۔

---

(2) سید عبدالحئی الحسنی ۔ نزھتہ الخواطر ج 5 ص 323

عنفوان شباب میں مجھ کو ظاہری علوم کی تحصیل کا بڑا شوق تھا ۔
میرے ایک عالم و عارف استاد تھے انہوں نے مجھے انفاس کی تعلیم دی تھی
جس کی وجہ سے مجھے توحید کے حقائق و معارف حاصل ہوتے رہتے
تھے لیکن علوم ظاہری کے بے پناہ شوق کی بنا پر علم حقیقت کی طرف توجہ
نہیں کر پاتا تھا اسی دوران والد ماجد کی وفات ہوگئی اور پھر اس کے بعد
میری شادی ہوگئی مگر حصول علم کا شوق مجھے لاہور لے آیا اور اساتذہ کی
خدمت میں اکتساب علم میں مشغول ہوگیا ۔ لاہور میں میرے ساتھ میرے دو
ماموں زاد بھائی بھی پڑھتے تھے جس مکان کو میں نے کرایہ پر لیا تھا اس کے
ایک گوشہ میں ایک دیوانہ مقید تھا ایک روز دفعتاً شب میں اس کا انتقال ہوگیا
اس کی بیوی نے گریہ زاری شروع کی مجھے وحشت نے آگھیرا اور دل میں مبداؤ
معاد کی بحث چھڑ گئی غرض کہ اس کوچہ کی نالہ آشنائی کی بنا پر متاسف اور
غلطاں و پیچاں تھا شیطان میرے دل میں خطرات و شبہات پیدا کرتا اور
شرعی عقائد کی صورت میں لاکر میرے سامنے پیش کرتا تھا میں لاحول پڑھا کرتا
اور اللہ تعالی سے استعانت و مدد کا خواہاں رہتا تھا ۔ یہاں تک کہ میں
نے تفسیر بیضاوی شروع کی مگر سابقہ حالت بدستور قائم رہی میرا کوئی لمحہ تفکرات
سے خالی نہ رہتا کبھی رحمانی (شرعی) خیالات رہتے اور کبھی نفس و شیطان
کے ساتھ ہوتا کبھی مومن ہوتا اور کبھی کافر اسی کشمکش کی حالت میں میں
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مجھ کو مخاطب فرماکر
زبان معجز بیان سے ارشاد فرماتے ہیں کہ محب اللہ جو کچھ تم کو دیا گیا ہے
وہی حق ہے میں بیدار ہوا تو تمام وسواس و خطرات دفع فرمائے ۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں تحصیل علوم ظاہری سے فارغ ہوکر
اپنے وطن صدرپور آیا تو فکر معاش نے میرے دل کو پیشان کیا تلاش معاش میں

احمد آباد گیا وھاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر خواب میں دیکھا ۔ اس دفعہ حضورؐ کی توجہ اپنی طرف کم پائی التفات کی کمی کی وجہ کو بھی میں نے جان لیا ۔ چنانچہ اس کی وجہ سے اس قدر حسرت و افسوس و حزن و ملال مجھ پر غالب ھوا کہ جی چاھتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جنگل کی طرف نکل جاؤں لیکن اللہ کا فضل شامل حال ہوا اور میں اپنے وطن صدرپور واپس ھوکر درس و تدریس میں مصروف ھوا مگر باوجود تمام تفکرات کے پاس انفاس کا شغل اور علم وحدت جو استاد اول نے مجھے تعلیم فرمایا تھا میں نے برابر جاری رکھا وہ شغل کسی حالت میں مجھ سے کبھی ترک نہیں ھوا (3)

شیخ ابوسعید سے اجازت و خلعت ـــ

اسی زمانہ میں شاہ صاحب کو دھلی کے مزارات پر حاضری کا شوق ھوا چنانچہ دھلی پہنچے ایک روز ان کے سابق دوست سعداللہ خان جو اب وزیر اعظم ھندوستان تھے سے اچانک ملاقات ھوگئی وہ شاہ صاحب کو شاہ جہاں کے پاس لے گئے اور ان کو وزیر بنانے کی سفارش کی شاہ جہاں خود بھی شاہ صاحب کی شخصیت سے بڑا متاثر ھوا اور ان کو جاگیر و منصب عطا کی شاہ صاحب بڑی شان و شوکت سے دربار شاھی سے روانہ ھوئے اس زمانے میں دستور یہ تھا کہ/جس امیر کو کوئی خلعت یا منصب عطا ھوتا تو وہ سلام کے لئے حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ پر حاضر ھوتا شاہ صاحب بھی وھاں پہنچتے اور درگاہ سے کچھ فاصلے پر اپنے ھمراھیوں کو چھوڑ کر تنہا مزار پر حاضری دینے کے لئے پہنچے وہ جب وھاں پر مراتب ھوئے تو وھاں سے حکم ھوا کہ ظاھری و دنیاوی امور کی درستگی کے لئے پیدا نہیں کئے گئے آجکل حضرت مخدوم

---

(3) ڈاکٹر مسعود انور علوی ۔ کواکب ص 55 - 56

علاؤ الدین مکی احمد صابر کلیریؒ کا سلسلہ گرم ہے وہاں جاؤ ۔ شاہ صاحب یہ ارشاد سن کر منصب شاہی پر لات مار کنگوہ روانہ ہوگئے جب سعد اللہ خان کو خبر ہوئی تو بہت روئے اور کہا کہ وہ مردان خدا میں سے ہیں ہم نے انھیں دنیا میں پھنسانا چاہا مگر وہ بھلا کب پھنسنے والے تھے ۔

گنگوہ پہنچنے کے بعد پیر مرشد شیخ ابو سعید سے اجازت و خلعت و خلافت اور خرقہ حاصل کرنے کے بعد شاہ محب اللہ اپنے وطن صدرپور واپس چلے آئے کچھ عرصہ قیام کے بعد الہ آباد روانہ ہوگئے ۔ مؤلف "بحر زخار" لکھتے ہیں کہ ـــ

" از وقت حضرت شیخ گنج شکر تا او کسے از اجدادش میل و رغبت بہ دنیا نہ کردہ در زمانہ ہائے خود سوائے از تحصیل علوم صوری و معنوی کار نہ داشتہ اند و بہ عنفوان جوانی شیخ از وطن خود قصبہ صدرپور کہ توابع خیرآباد از مضافات اودھ است با کتاب صوری دانش بہ لاہور رفت و بہ پایہ تکمیل رسانیدہ بہ دہلی رفت . سعداللہ خان وزیر از وقت طالب علمی آشنائے آں حضرت بود خواست کہ اورا از منصب مناسب سلطان بہرہ در گرداند ۔" (4)

الہ آباد میں قیام کرنے کے بعد شروع میں بڑی تنگ دستی اور فاقہ کی صورت رہی لیکن ان کے پائے استقلال میں جنبش نہ ہوئی رفتہ رفتہ ولایت کی شہرت شروع ہوئی ۔ لوگ جوق در جوق اکتساب فیض کے لئے آنے لگے ۔ دارا شکوہ خاص

---

(4) شیخ وجیہہ الدین اشرف لکھنوی ۔ بحر زخار (قلمی) بحوالہ کواکب ص 58

ارادت مندوں میں ہوئے ۔ حقائق و معارف کے بیانات میں ید طولی تھا ۔ تقاریر ایسی موثر اور دل نشین ہوتی تھیں کہ وحدت الوجود کے مخالف اور منکر علماء میں سے اکثر آپ کے فیض کے قائل ہوگئے اور یہی مسلک اختیار کیا ۔

وفات —

شاہ محب اللہ تقریباً بیس سال الہ آباد میں مقیم رہے اور ہزاروں تشنگان علم آپ سے سیراب ہوئے بالآخر 9 رجب 1058ھ /1648ء کو وصال فرمایا اور الہ آباد میں مدفون ہوئے ۔

"قریب بست سال در شہر الہ آباد بر سجادہ ارشاد مستقیم بود و بتاریخ نہم ماہ رجب روز پنجشنبہ برابر غروب آفتاب در سنہ یک ہزار و پنجاہ و ہشت ہجری بعالم بقا خرامید ودر شہر مذکور مدفون گشت ۔" (5)

"تذکرہ علمائے ہند" میں ان کی وفات کے بارے میں یوں لکھا ہے —

" 9 رجب 1058ھ/1648ء میں مغرب کے قریب انتقال ہوا الہ آباد میں ان کا مزار زیارت گاہ اہل بصیرت ہے ۔" (6)

آپ کے خلفاء کافی ہوئے ہیں جو سب کے سب آئینہ کمال ہوئے ان میں شیخ قاضی گھاسی الہ آبادی شیخ محمد رسولدار قاضی عبدالرشید میر سید محمد قنوجی اور شیخ احمد وغیرہ مشہور ہوئے اخلاف میں صرف ایک بیٹے کا پتہ چلتا ہے جن کا نام شیخ تاج الدین تھا ۔

---

(5) ڈاکٹر مسعود انور علوی ۔ کواکب ص 62

(6) مولوی رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ہند ص 396

یک پسر خورد سالہ شیخ تاج الدین نام عقب گذاشت ۔ (7)

تصانیف

کتب تذکرہ و تاریخ سے شاہ محب اللہ کی جن کتابوں کا پتہ چلتا ھے ان میں زیادہ تر مسئلہ وحدتہ الوجود یعنی علم تصوف اور امور عقائد سے متعلق ھیں شاہ صاحب کو مسئلہ وحدتہ الوجود پر عبور حاصل تھا ۔ ان کی کتب کی تفصیل کچھ یوں ھے ۔ تجلیتہ الفصوص شرح فصوص الحکم (عربی) انفاس الخواص (عربی) الافادتہ والقبول (عربی) عقائد الخواص (عربی) المغالیط العامہ (عربی) ترجمتہ الکتاب (عربی) منہیات ترجمتہ الکتاب (عربی) التسویتہ بین الافادتہ والقبول (عربی) عقائد الخواص (عربی) المغالیط العامہ (عربی) مراتب الوجود ۔ رسالتہ سیر الہی ۔ رسالہ اعانتہ الاخوان ۔ شرح التسویہ (فارسی) شرح فصوص الحکم (فارسی) طرق الخواص (فارسی) عبادتہ الخواص (فارسی) اخص الخواص (فارسی) مناظر اخص الخواص ھفت احکام (فارسی) غایتہ الغایات رسالہ سہ رکنی (اوراد مجی) رسالہ وجود مطلق در تحقیق وجود مطلق ۔ رسالہ توحید امالتہ القلوب ۔

شاہ صاحب نے اپنے فارسی مکتوبات بھی یادگار چھوڑے ھیں یہ مکتوبات بھی ان کے مسلک وحدتہ الوجود کے آئینہ دار ھیں ان کی تصنیفات کے بارے میں بحر زخار کے مصنف رقم طراز ھیں ۔

"اورا تصانیف حقائق و توحید بسیار است کہ خزینتہ دقائق و گنجینہ حقائق اسرار الہی ست از ادراک حالات و مقامات

---

(7) شیخ عبد الرحمن چشتی ۔ مراتہ الاسرار بحوالہ کواکب ص 62

آں کتب صریح اجتہادش بر مشرب صوفیہ و اہل صفا مشرف
است لہذا شیخ محی الدین ابن عربی را شیخ اکبر می‌گویند ے
را شیخ کبیر لقب می کنند ۔ (8)

ان کی اکثر تصانیف شیخ اکبر کی کتابوں کی شروح ہیں ۔ ذیل میں چند دستیاب شدہ تصانیف کا ایک اجمالی تعارف درج ہے ۔ شاہ محب اللہ الہ‌آبادی کے مکتوبات کا ایک نادر نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی لائبریری (سبحان اللہ ف $\frac{29707}{3}$) میں موجود ہے متوسط تقطیع میں چار سو تینتیس صفحات پر مشتمل ہے اس میں اٹھارہ مکتوبات درج ذیل مختلف شخصیتوں کے نام ہیں ۔ جن میں شیخ اکبر اور فلسفہ وحدت الوجود کی پر زور تائید کی ہے یہ مکتوبات اس لحاظ سے بھی بہت اہم ہیں کہ ان کے ذریعہ شاہ صاحب کے نظریات و افکار سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے اس نسخہ کے آخر میں درج ذیل عبارت ہے —

"بتاریخ بست و ششم محرم الحرام 895 محمد اکبر بادشاہ
جمجاہ غازی اتمام گرفت بدید احقر الطالب علم شیخ عظیم
اللہ بموجب فرمائش مشفق قدر داں خواجہ غلام نقشبند صاحب"

ابتدا میں فہرست نہیں ہے مکتوبات درج ذیل ترتیب سے لکھے ہوئے ہیں ۔

1 -	ملا محمود جونپوری	صفحہ 1 - 22
2 -	" " "	" 22 - 40
3 -	شیخ عبدالرشید جونپوری	" 40 - 100

---

(8) ڈاکٹر مسعود انور علوی ۔ کواکب ص 64

4 -	شیخ عطاء اللہ جونپوری	صفحہ	100 - 132
5 -	میر محمد قنوجی	"	132 - 139
6 -	میر سید عبد الحکیم	"	139 - 213
7 -	شیخ عبد الرحیم	"	213 - 286
8 -	شیخ تاج محمد	"	286 - 287
9 -	شیخ عبد الرحیم	"	287 - 314
-10	شیخ عبد الرحمن	"	314 - 225
-11	" " "	"	225 - 335
-12	میاں شیخ عبد الرحمن رضی	"	336 - 337
-13	شیخ عبد الرشید جونپوری	"	337 - 339
-14	شیخ عبد الرحمن جونپوری	"	339 - 361
-15	" " "	"	361 - 377
-16	شیخ عبد الرحیم	"	377 - 406
-17	شاہزادہ دارا شکوہ	"	406 - 426
-18	" " "	"	426 - 433

دارا شکوہ کے نام مکتوبات سے باہمی روابط کا پتہ چلتا ہے شاہ صاحب سے ان کی عقیدت اور ارادت مندی نیز شاہ صاحب کی نگاہ میں ان کی قدرومنزلت معلوم ہوتی ہے دارا شکوہ کے نام اپنے ایک مکتوب کی ابتدا یوں کرتے ہیں ——

"بندگان ملاذ عارفان و معاذ جہانیاں عرف پناہ حقائق
آگاہ ضابطہ احکام دینی حادی مراتب کشفی و یقینی عین
الانسان و انسان العین سلطان عالم صوری و معنوی بر

سریر سلطانی و منعثه شهورحقانی جلوہگر باشند بعد از منازل
نیازمندی و اخلاص و قطع مراسم محبت و اختصاص آنکه فقیر پیش
از میں بہ کمالات انسانی و مراتب عرفانی آں ملاذ عارفان محظوظ
و خورسند بود و در شکر زمانه رطب اللسان که الحمدالله که
شاہ و شاهزاده ایں زمانه صالح و عارف ربانی اند و چوں ایں
صحیه بانام بندگان آنجناب عالی شد نشاط و شکر سابق مضاعت
گشت که الحمدالله که باحکوم عارف سبحانی شدیم ۔" (9)

2 - رسالهٔ غایت الغایات/ عنایت الخواص (مسلم یونیورسٹی علیگڑھ لائبریری
سبحان الله کلکشن ف $\frac{2977}{34}$

متوسط تقطیع اور چوراسی اوراق پر مشتمل ھے ۔ ابتدا یوں ھے ——

بعد از تحیه و توحید ذاتی که وصول مد نعمت بانعام اوست و تمامی
سر کاربار بتقدیم نام او ۔ وصلوته و تسلیم بر حبیب خاص و برآل و اصحاب اهل
اختصاص می گوید ۔ فقیر محب الله مبارز چوں بعضے اخوان اهل صفاءٔ دفا بریں
آمدند که بعضے مطالب اهل الله خاص بدر عالم و سبب ایجاد عالم که در تصانیف
عارف و اصل و محقق کامل از وجد و حال بری و شیخ محی الدین عربی ثبت
یافته اند فقیر آں را جدا ساخته در چند اوراق ثبت نماید بضرورت قبول نمود
که عذر و حیله را راه نمود ۔

اس رساله کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ھے بنابر ایں ترتیب ایں
رساله بر پنج باب ۔ باب اول در بیان آں که مناظر اهل الله در حق حق غیر

---

(9) مکتوبات (قلمی) ص 386 (سبحان الله ف 297/3) مسلم یونیورسٹی
علیگڑھ

عقائد اهل کلام و علماء رسوم است ۔ باب دوئم در بیان آں کہ وجد و حال کہ نقص است نہ کمال باب سویم درمیان معرفت حق اسماء و صفات او باب چہارم در بیان سبب بدء عالم باب پنجم در بیان بدا خلق روحانی و بدء جسوم انسانی۔

3 - عبادات الخواص (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ فارسیہ مذھب 193)

بڑی تقطیع میں تیرہ سو ستتر صفحات پر مشتمل ھے ۔

پندرہ شنھیہات نوا بواب پانچ سو سینتیس فصلوں اور خاتمہ پر مبنی ھے فصلوں میں جملہ تمام مسائل کا شرح و بسط سے بیان ھے ۔ پہلا باب لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کے بیان میں دوسرا جہنم تیسرا جنت چوتھا اصول فقہ پانچواں طہارت چھٹا نماز ساتواں زکوتہ آٹھواں روزہ اور نواں حج کے بیان میں ھے خاتمہ میں نوافل سنتوں اور فرضوں کا بیان ھے۔

کتاب کے خاتمہ پر لکھتے ھیں ـــ

بعد اں کہ افتتاح و بدایت املاء ایں تالیف در بست و ھفتم شہر رمضان سنہ یک ھزار و پنجاہ و یک واقع شدہ بود و در ھشتم ماہ محرم سنہ یک ھزار و پنجاہ و در فقیر بیمار شد و در املا ایں کتاب تعلل و تخلل واقع شد و در ھشتم ماہ شوال سنہ مذکور بر ایں آمد کہ تالیف راھبر تقدیر باتمام برساند اگر مشیت الہی تو شح و حرکت بخشد بقلم پس شروع نمود در اتمام ایں تالیف و در یازدھم ماہ ربیع الاول سنہ ھزار و پنجاہ و سہ بہ عنایت رحمانی و معونت سبحانی باتمام رسید ولہ الحمد اولاد آخرا۔"

آخر میں کاتب نے لکھا ھے ـــ

"ختم الکتاب المستطاب المسمی بہ عبادات الخواص من مولفات القطب الربانی الغوث الصمدانی نادر العصر والزماں خاتم البیان و التبیان سیوسیدی و سند سندی و

شیخ شیخی محبوب اللّٰہ حضرت شیخ محب اللّٰہ مبارز پیر قدس سرہ ۔"

4 - شرح فصوص الحکم فارسی ___

شیخ اکبر محی الدین بن عربی کی مشہور و معروف کتاب کی شرح ہے ۔ شاہ صاحب کی یہ تالیف 1047ھ/1637ء کی ہے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں اس کے دو نسخے موجود ہیں ۔ مکمل نسخہ حبیب گنج کلکشن (ف 21/241) میں موجود ہیں جو بڑی تقطیع میں سات سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے ۔ دوسرا ناقص الطرفین نسخہ ذخیرہ شیفتہ (55/60) میں موجود ہے یہ شرح بہت جامع اور اپنی نظیر آپ ہے ۔

شاہ غلام مصطفی میرونڈوی اور محمد باقر الہ آبادی کے اردو ترجمے مع فارسی متن کے ادارہ انیس اردو الہ آباد سے 1961ء میں شائع بھی ہو چکی ہے ۔

5 - المغالیطہ العامہ ___

اس کا ایک نادر نسخہ مسلم یونیورسٹی (یونیورسٹی عربیہ علوم 138) میں موجود ہے ۔ اس کے اول و آخر میں شاہ محمد اجمل الہ آبادی کی مہریں ہیں ابتدا میں مہر کے اوپر شاہ صاحب موصوف کی یہ تحریر ہے ۔

هذا الكتاب من متملكات احقر الاناس اضعف العباد ابوالفضل ناصرالدين محمد المشتهر به اجمل الہ آبادی عفا الله تعالى عنه متوسط تقطیع میں 993 صفحات پر مشتمل ہے ۔

ابتدا یوں ہے ۔ الحمد لله الذى هو الرحمن الذى علم اهله القرآن خلق الانسان علمه البيان ۔

مختلف مسائل کا بیان ھے - عوام میں پھیلے ہوئے غلط عقائد اور رجحانات کا تذکرہ ھے - حق تعالی کی روایت کا جواز ولایت نبوت رسالت اس طرح ایک سو ستر مغالطوں کا بیان ھے درمیان میں مختلف فصلیں بھی ھیں ھر جگہ شیخ اکبر کے اقوال بطور استنا درج کئے ھیں -

6 - رسالہ ہفت احکام ــــ مسلم یونیورسٹی (ف 21/359 فارسیہ تصوف) میں اس کا موجودہ نسخہ تیس صفحات پر مشتمل ھے -

حمد و صلوۃ کے بعد لکھتے ھیں ــــ

"می گوید فقیر حقیر محب اللہ مبارز پیر کہ چوں ادعان مناظر عرفا و تصدیق ملاحظہ اولیا کہ بندے ازاں مناظر ذکر یافتہ قبل ازیں در مناظر اخص الخواص مبنی است بر معرفت ہفت مسائل - حکم اول علم بہ حقائق است - دوم علم تجلی حق تعالی در اشیا ثالث علم بخطاب حق تعالی مر عباد را بالسنہ شرائع بہ کمال و نقص در وجود . خامس علم انسان بنفس خود از جہت حقائق آں حکم سادس علم بخیال و عالم آں سابع علم بہ علل و ادویہ آں -

احکام کے بیان سے پہلے حقائق و معارف پر مشتمل ایک مقدمہ بھی ھے -

7 - انفاس الخواص ــــ

فصوص الحکم کی عربی شرح ھے - اسی انفاس پر مشتمل ھے اس کا ایک قدیم نسخہ کتب خانہ انوریہ کاکوروی میں موجود ھے جو 1081ھ کا لکھا ہوا قبل باطلہ یعنی اصل نسخہ سے مقابلہ کیا ہوا ھے - رضا لائبریری رامپور (39) انڈیا آفس لائبریری (1279) خدا بخش پٹنہ (883) میں بھی اس کے

قلمی نسخے موجود ھیں ۔

ابتدا یوں ھے

الحمد للہ الذی لاحمد لما سواہ و لیس المختار الاایاہ

اختتام پر یہ عبارت ھے ۔

فمن لایراہ لا یراہ لفقد عین القلب فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور و ھذا آخر الکتاب و انہ لتذکرہ للمستقین فسبح باللہ ربک العظیم قد وقع الفراغ من کتابتہ ھذا الکتاب ۔"

8 - مناظـــر اخـــص الخواص ـــــ

متوسط تقطیع میں تقریباً 400 صفحات پر مشتمل ھے اس کا ایک مکمل قلمی نسخہ جمادی الآخر 1131ھ کا لکھا ھوا کتب خانہ انوریہ خانقاہ کاظمیہ کاکوری میں موجود ھے ۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (ف 55/60 شیفتہ گلکشن) میں بھی اس کا ایک نسخہ ھے لیکن وہ ناقص الطرفین ھے ۔

9 - التســویہ بین الافادتہ والقبول ـــــ

یہ شاہ صاحب کا سب سے مشہور و معروف رسالہ ھے ۔ حقائق و معارف کے ایسے بیانات درج ھیں کہ بقول صاحب تصنیف شرح تسویہ ولقع مزلت الاقدام عرفا است و از اینجاست کہ بسیارے در پے انکار آں رفتہ و از بدعت بر شیخ تہمتہا بستہ ۔(10)

جب یہ رسالہ مشہور ھوا اور اورنگ زیب عالمگیر کی نظر سے گذرا تو وہ بہت غصہ ھوا اور حکم دیا کہ شیخ کو حاضر کرو ۔ لوگوں نے کہا کہ ان کی

---

(10) تصفیہ شرح تسویہ ۔ از مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر کاکوروی (مطبوعہ) 3

وفات ہوگئی البتہ ان کے مریدوں میں دو آدمی باقی ہیں ۔ ایک شاہ محمدی دوسرے ملا محمد قنوجی ۔ کہنے لگا کہ اگر ان میں سے کوئی اس رسالے کے مضامین کی مطابقت شرح سے کردے تو خیر ورنہ رسالہ جلا دیا جائے اور جس قدر ان کے مرید ہوں بیعت توڑ دیں کیوں کہ اس کے مطالب نہایت دشوار ہیں مثلاً رسول ؐ کے جبرئیل انھیں کے ساتھ تھے باھر پیغمبر کے جبرئیل نے ان سے اپنی زبان میں باتیں کیں ۔ ملا محمد قنوجی منصب دار شاہی نے تو بیعت توڑ دی مگر شاہ محمدی نے جواب میں لکھا کہ بیعت اسلام سے ارتداد ممکن نہیں اور شیخ نے جس مقام سے گفتگو کی میری ابھی وہاں رسائی نہیں ۔ بروقت عروج ان مضامین کی مطابقت آیات و احادیث سے کردی جائےگی اور اگر اس رسالہ کے جلا دینے کا مصمم ارادہ ہے تو جس قدر اس کی نقلیں ملیں جلادیں شاہی باورچی خانہ میں فقراء متوکل کے یہاں سے زیادہ آگ ہے عالم گیر خاموشی میں رہا (11)

شاہ محب اللہ الہ آبادی کے بارے میں مولف مآثر الکرام یوں رقمطراز ہیں ـــ

"در آں وقت کہ علماء ظاہر بر رسالہ تسویہ شیخ محب اللہ الہ آبادی قدس سرہ ھنگامہ برپا کردند و سلطان اورنگ زیب انا اللہ برھانہ را رسانیدند کہ ایں رسالہ سخنان مخالف شرع شریف دارد سلطان حکم فرمودند کہ درویشان قلم رو پادشاھی را در معکر سلطانی احضار نمایند و از مقالہ

---

(11) ترجمہ رسالہ تصفیہ شرح تسویہ ۔ مولانا شاہ تقی حیدر قلندر کاکوروی مطبوعہ 4

هر کدام استعظام نمایند شیخ محمد افضل الہ‌آبادی قدس سرہ (1038ھ/ 1668ء م تا 1124ھ/ 1712ء م) از رسالہ واردات اندیشیدند کہ در غلبہ' حالات رقم زدہ' کلک ارشاد گردیدہ هر چند دل شیخ قدس سرہ نمی خواست کہ بشویند لکن دراں ایام کہ آتش فتنہ سخت مشتعل بود نگاهداشتن هم مصلحت نمی دیدند لاجرم آب در ظرف کلاں چوبیں پُر کردہ آں رسالہ چهار ورقی را انداختند کہ چوں کاغذ کالبی در آب زود متلاشی می گردد خود بخود محو خواهد شد ۔ غرض شیخ ایں کہ بدست خود را ازالہ' خط سعی نہ کردہ باشند تمام شب در آب بود ورقے و سطرے محو نہ شد دم دم صبح ایں حال مشاهدہ نمودہ بخاطر آوردند کہ مرضی حضرت شیخ قدس سرہ' در کتاب "اعلام الانام" می گوید من آں رسالہ را بعینها با رسائل دیگر از تصانیف حضرت قدس سرہ یک جا جلد کردہ حرز جان و ایمان خود دارم ۔" (12)

رسالہ تسویہ سے باوجود اختلاف کے هندوستان میں اس کی درج ذیل شرحیں لکھی گئیں ۔

1 - شرح تسویہ مصنفہ محمدی فیاض زہینی هرگامی شاگرد شاہ محب اللہ الہ‌آبادی

2 - شرح تسویہ ۔ مصنفہ شیخ لسان اللہ بنارسی 1133ھ/ 1721ء

---

(12) غلام علی آزاد بلگرامی ۔ ماثر الکرام 1 : 84 - 85

3 - شرح تسویہ - مولفہ شیخ عبد اللہ بن عبد الباقی نقشبندی دہلوی

4 - شرح تسویہ - شیخ محمد افضل بن عبد الرحمان عباسی الہ آبادی (24 .12ھ/ 1712ء)

5 - شرح تسویہ بزبان عربی - مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی بن مولانا امین اللہ انصاری 1284ھ /8-1867ء

6 - تسویہ التسویہ - سید علی اکبر دہلوی فیض آبادی

7 - تصفیہ شرح تسویہ - شرح فارسی مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر کاکوروی (1906ء)

یہ شرح مع فارسی متن اور اردو ترجمہ مولانا شاہ تقی حیدر قلندر کاکوروی کے خانقاہ کے ضمیمہ سے شایع ہوئی ہے - اس کا ایک نادر و نایاب نسخہ کتب خانہ انوریہ خانقاہ کاظمیہ میں موجود ہے اس کی ابتدا یوں ہے ـــ

"الحمدلمن وجد بکل ماوجد و مسجد بکل ما سجد الصلوتہ والسلام علی خیر من نطق بہ و اصطفاہ و اتی بقولہ تعالی اینی تو لوافثم وجہ اللہ و اجتباہ و الہ خیر الآل و احسن اکمال .....

پانچ اوراق سہر مشتمل اس نسخہ میں اٹھارہ سطر میں فی صفحہ ہیں - ہر سطر میں سات آٹھ الفاظ ہیں -

آخر میں یہ عبارت ہے

قال اللہ تعالی و جاوزنا بہنی اسرائیل البحرفا بتعھم فرعون و جنودہ بغیاً و عدواً .....

رسالہ تسویہ کا ایک دوسرا نسخہ مسلم یونیورسٹی لائبریری (عبد الحئی فرنگی

محلی کلکشن 1098/84 عربیہ منقولات) میں محفوظ ھے جو مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی کا نقل کردہ ھے اس کے آخر میں یہ عبارت درج ھے —

تمت رسالۃ التسویہ بین الافادتہ والقبول من الشیخ محب اللہ اللہ آبادی افاض اللہ علیہ الایادی بید الفقیر الی رحمتہ العلی الکریم محمد عبدالحلیم ابن المرحوم الملا محمد امین اللہ الانصاری نسباً والکھنوی و طناً و الحنفی مذھباً والقادری مشرباً فی بلدۂ بمبی حین رجوعہ الحرمین الشرفین زادھما اللہ شرفاً فی شہر المولد من 1280ھ

اس نسخہ میں کل سات اوراق ھیں ھر صفحہ میں گیارہ سطر ھیں رسالۂ تسویہ کا ایک فارسی ترجمہ مسلم یونیورسٹی (فارسیہ مذھب 43/401) میں موجود ھے جو چھوٹی تقطیع میں 43 اوراق پر مشتمل ھے اور 1105ھ کا لکھا ھوا ھے -

حمد و صلوتہ کے بعد اس کی ابتدا یوں ھے بدانکہ فقیر محب اللہ بعضے اخوان باصفا و یاران باوفا کہ در حل عبارت عربی محتاج بودند بہ سوئے ترجمہ فارسی خود را در قید آوردکہ "رسالہ تسویہ" را ترجمہ فارسی بہ نوید . . .

رسالہ تسویہ کی عربی شرح مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی کی طبع ھو چکی تھی ـ(13)

---

(13) ڈاکٹر مسعود انور علوی ـ کواکب ص 126 - 124

2 - ملا عبد السلام دیوی ـــ

شمالی ہندوستان اور خصوصاً صوبہ اودھ کے تقریباً سبھی لوگوں کے درس کا سلسلہ امام معقولات ملا عبد السلام لاہوری اور امیر فتح اللہ شیرازی تک ان کے نامور اور مشہور شاگرد ملا عبد السلام دیوی جو حضرت مخدوم شیخ لعظم ثانی کی اولاد ہیں تک پہونچتا ہے - فرنگی محل خاندان خیرآبادی خاندان اور دہلی کے نامور خاندان سب ان کے سلسلہ تلمذ میں کسی نہ کسی طرح وابستہ و منسلک ہیں - ہندوستان میں معقولات اور علم کلام کی شوقی و اشاعت کو سب سے زیادہ مدد جلال الدین محقق دوانی (908ھ/ 1502ء) کے تلامذہ سے ملی ان کے ارشد تلامذہ میں خواجہ جمال الدین محمود ہیں جن کا دیرپا سلسلہ تلمذ ان کے دو شاگردوں مرزا جان شیرازی اور امیر فتح اللہ شیرازی 997ھ/1589ء) سے چلا ہے امیر فتح اللہ شیرازی بیجاپور سے اکبری دربار میں آئے اور یہاں سے شہرت و ناموری کے اوج پر پہنچے تبھی سے پورے ملک میں علوم عقلیہ کی ترویج و اشاعت زور شور سے شروع ہوگئی جس کے نتیجہ میں یہاں بلند پایہ علماء معقولات پیدا ہوئے شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی (998ھ/ 1589ء) ملا عبد السلام لاہوری (1037ھ/1627ء) ملا عبد السلام دیوی مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی (1067ھ/1656ء) ملا کمال الدین کشمیری ملا عصمت اللہ سہارنپوری (1039ھ/1630ء) ملا محمود جونپوری (1062ھ/1652ء) اور ملا عبد الحلیم سہالوی جیسے بےشمار علماء اپنے عہد کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے ان علماء کی بساط درس پر جن فضلائے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان کے تلامذہ سے اکتساب کیا وہ بھی اپنے زمانے کے ائمہ معقولات ہوئے اس سلسلہ میں اودھ کے علماء قابل ذکر ہیں امیر فتح اللہ شیرازی (997ھ/1589ء) کے

شاگرد ملا عبدالسلام لاھوری ان کے شاگرد ملا عبدالسلام دیوی اور ان کے شاگرد ملا عبدالحلیم سہالوی ھوئے ۔

ملا عبدالسلام دیوی اعظمی اپنے عہد کے امام معقولات اور استاد الاساتذہ ھیں لیکن بیشتر ھندوستانی مشاھیر کی طرح ان کے حالات زندگی بھی پردۂ خفا میں رھے ھیں تذکرے کی کتابوں میں ان کے حالات نہایت مختصر ملتے ھیں حتی کہ ان کی ولادت و وفات کے سنین کی صراحت بھی کسی تذکرہ میں نہیں ملتی ۔ ان کے معاصر تذکروں شاہ جہاں نامہ، طبقات شاہ جہانی، عمل صالح وغیرہ اور بعد کے تذکروں مآثر الکرام، بحر زخار وغیرہ میں بھی ان کاذکر مختصر ھی ھے ان کے قدرے تفصیلی حالات کا سب سے اھم مآخذ شیخ خیرالزماں لکھنوی کی "باغ بہار" ھے ۔ دوسرا اھم ثانوی مآخذ مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر کاکوروی کی "تذکرہ مشاھیر کاکوروی" ھے علاوہ ازیں کشف المتوازی فی حال نظام الدین القاری مولفہ مولنٰا شاہ تراب علی قلندر کاکوروی اور نفحات النسیم فی تحقیق احوال اولاد ملا عبدالکریم مولفہ منشی امیر احمد علوی کاکوروی (ڈپٹی کلکٹر) میں بھی ان کے بارے میں کچھ معلومات ملتی ھیں ۔ علاوہ ازیں اس سلسلہ میں ڈاکٹر مسعود انور علوی صاحب (ریڈر شعبہ عربی) کی تصنیف کردہ کتاب "اودھ کے چند عربی علما" سے زیادہ تر استفادہ حاصل کیا گیا ھے ۔

مذکورہ بالا چند تذکروں کی روشنی میں اس فاضل اجل استاد الاساتذہ کے سلسلہ میں یہ سطور قلم بند ھورھی ھیں ۔ خلاصہ آداب و قوانین المعروف بہ اسم تاریخی باغ بہار 1211ھ کے مولف علی غنی عرف شیخ محمد خیرالزماں لکھنوی (1249ھ/1833ء) بن محمد وجیہہ الدین اعظمی نقوی ملا

صاحب مذکور کے احفاد میں ھیں انھوں نے اپنے تذکروں کی بنیاد بعض خاندانی بیاضوں اور آبائی شجروں پر رکھی ھے "باغ بہار" کے تین نسخے راقمہ کے علم میں ھیں اول الذکر نسخہ کتب خانہ انوریہ خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کاکوری میں ھے دوسرا فرنگی محل لکھنؤ میں ابوالحیا مولانا محمد نعیم انصاری فرنگی محلی (1318ھ/ 1901ء) کے کتب خانہ میں موجود ھے ۔ تیسرا نسخہ شعبہ فزیالوجی میڈیکل کالج مسلم یونیورسٹی کے سابق صدر ڈاکٹر سید وجیہہ الحسن صاحب مرحوم کی ملک تھا ۔ اول الذکر دونوں نسخے کسی جاھل کاتب کے مرھون منت ھیں ۔

ملا سید عبدالسلام اعظمی دیوی شاہ جہانی عہد کی سر بر آوردہ علمی شخصیاتوں میں تھے آبائی وطن دیوہ بارہ بنکی تھا نانہیال کاکوری (ضلع لکھنؤ) تھا چنانچہ اپنے نانا حضرت مخدوم ملا عبدالکریم علوی (1039ھ /1629ء) نبیرہ حضرت مخدوم قاری شیخ نظام الدین بھکاری (981ھ/1574ء) کے پاس رہ کر تمام تعلیم و تربیت حاصل کی بعد ازاں لاھور جاکر ملا عبدالسلام لاھوری (1037ھ/ 1627ء) سے اکتساب کیا ۔

ملا عبدالسلام کا سلسلہ نسب یہ ھے ۔

ملا سید عبدالسلام ابن مولوی ابو سعید ابن مولوی محب اللّٰہ (برخوردار) ابن مولوی عبدالرحیم فیاض ابن مولوی احمد فیاض ابن حضرت مخدوم شیخ اعظم ثانی لکھنوی ابن شاہ ابوالبقاؑ ابن محمد موسی ابن شاہ ضیاؑالدین ابن شاہ شجاع کرمانی ابن امیر مبارز الدین ابن امیر مظفر ابن خواجہ غیاث الدین ابن امیر محمود ابن امیر علی ابن امیر احمد علی ابن امیر جعفر ابن امیرعبداللہ ابن سید علی اصغر ابن امام محمد تقی ۔ ابن امام موسی رضا ۔ ابن امام موسی کاظم ابن امام جعفر صادق ۔ ابن امام محمد باقر ۔ ابن امام زین العابدین ابن

امام حسین ابن حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ ۔(14)

ملا عبدالسلام دیوی اپنے استاد ملا عبدالسلام لاہوری (1037ھ/1627ء) سے بقیہ علوم کی تکمیل کرکے ان کے نقش ثانی بنے مآثر الکرام کے مولف نے اس کی صراحت اس طرح کی ہے کہ ـــــ

"چنانچہ اتحاد اسمی متحقق بود نسبت فضیلت نیز رتبہ مساوات بہم رساند ۔" (15)

ہمنام ہونا تو ثابت ہے ہی بلکہ فضیلت کی نسبت اور مساوات کا مرتبہ بھی ایک تھا ۔ استاد کی وفات کے بعد ان کے قائم کردہ مدرسہ میں ان کی جگہ مدرس بھی رہے ان کے بارے میں مولانا شاہ محمد علی حیدر کاکوروی اپنی شہرہ آفاق تصنیف تذکرہ مشاہیر کاکوروی میں یوں رقمطراز ہیں ـــــ

"شاہ جہاں بادشاہ کے عہد میں یہ اسی مدرسہ میں اپنے استاد کی جگہ پر مدرس بھی رہے اکثر علماء ہندوستان مثل عبدالحلیم والد ملا قطب الدین شہید سہالوی و ملا دانیال چوراسی و ملا عبدالقادر فاروقی (جو بہت بڑے عالم اور استاد اساتذۂ ہند تھے) ان کے ارشد تلامذہ میں سے تھے ۔" (16)

ملا صاحب عہد شاہ جہانی میں کچھ روز دہلی کے قاضی بھی رہے اس کے بعد شاہ جہاں (1037ھ/1627ء — 1068ھ/1658ء) کے مفتی لشکر ہوئے

---

(14) باغ بہار (قلمی) کتب خانہ انوریہ کاکوروی بحوالہ اودھ کے چند عربی علما ص 15

(15) مآثرالکرام ۔ غلام علی آزاد بلگرامی 1-6 - 235

(16) تذکرہ مشاہیر کاکوری ۔ مولانا محمد علی حیدر کاکوروی ص 253

بادشاہ نامہ کے مولف لکھتے ھیں ــــ

"چندی بہ دانش آموزی متلمذہ گذرانیدہ از اسعاد بخت بیدار خود را بآستان خواقین مکان رسانید و در سلک ملا زمان درگاہ خلائق پناہ در آمدہ لختی بخدمت عسکر فیروزی قیام می نمود اکنوں از فزونئ سال کہ باعث اختلال حواس و الخلال اعضاست حسب الحکم دست ازاں باز داشتہ دارد وی کیہان پوی بہ درس متداولات و رعای دولت ابدی سمات اشتغال دارد ۔" (17)

"عمل صالح" سے بھی یہی پتہ چلتا ھے کہ آخیر وقت تک انھوں نے درس و افادہ میں اپنے کو مشغول رکھا ۔ (18)

ملا صاحب اپنے فضل و کمال اور بتحر نیز استغنا کی بنا پر کبھی جلالت شاھی سے مرعوب نہ ھوتے ۔ برسر دربار جو حق بات کہنے کو نہ بھی ھوتی وہ بھی کہہ جاتے اور اس معاملہ میں کسی کی رو رعایت نہ کرتے۔ باغ بہار کے مولف نے اس سلسلہ میں چند واقعات درج کئے ھیں وہ ملا صاحب موصوف کے حالات لکھتے ھوئے رقم طراز ھیں کہ ــــ

"در عہد خویش نظیر نہ داشت شاہجہاں بادشاہ بہ سبب اوستادیش و بتجر علوم بسیار اکرام اوبی کرد و نزد خود می نشاند سند افتاءے اردوئے معلی بنام ملا بود چنانچہ تا عرصہ ممتد مذکور از و تعلق می داشت بحسب اتفاق روزی

---

(17) بادشاہ نامہ ۔ عبد الحمید لاھوری کلکتہ 1868ء ص 343 - 342

(18) عمل صالح ۔ محمد صالح کنبوہ لاھوری ص 3 - 300

بادشاه بنابر ملاحظه قلعه شاهجهاں آباد وقت تعمیرش بر
فصیل آں بود ملا راجز حاضر شدن و آنجا عذرے مناسب
حال نگردید از آنجا که بر مشی دیوار ربط نه داشت
پایش لغزش می کرد بادشاه فرمود که اے ملا از مرگ این
قدر می ترسی که بر دیوار رفتن نمی توانی گفت چگونه
نترسم چرا که مثل من هزار سال چرخ اگر چرخ زند دیگر
پیدا نه شود و مانند حضرت بادشاه بسیار ممکن اند بادشاه
را بد نه گذشت بلکه تبسم فرمود ۔"

ایک دوسری جگہ ملا صاحب کی جسارت مزاج کے تیکھے پن اور حق گوئی کا بیان اس طرح کرتے ھیں ــــ

"وقتے دارا شکوه ولی عهد به حضور عرض نمود که حضرت
ظل الله و خلیفه رسول الله اند برا قاصی و ادانی لازم
ست که رتبهٔ به لحاظ داشته پایهٔ خود شناخته باشند
چنانچه جمیع بندگان حضور اقدس بیرون از آداب نیستند
مگر ملا عبدالسلام که باوجود خبر از نص و حدیث شوکت
سلطنت را قوت نمی دهد و معنی اطیعوالله و اطیعوا الرسول الخ
را خوب می داند و عمل نمی کند بادشاه فرمود که هرگاه
ملا در حضور حاضر شود معنی آیه مذکوره از و سیر سید
و ملزم کنند ۔ دارا شکوه وقتے که ملا حاضر شد معنی آیه
پیرسید ۔ ملا گفت ظاهر است که اطاعت کنند الله ورسول
اور ناشها نشی را ۔ دارا شکوه گفت نائب عبارت از کدام

شخص است ملا گفت که از مانند ما نائب رسول اند که
خلق را بر راه دین می آرند پس بادشاہ را لازم است
که مطیع من باشند دارا شکوہ خاموش ماند و بادشاہ
متبسم گردیدہ فرمود بابا شنیدی جواب ملا ازیں گفتگو
خاطر ملا عبدالسلام قیاس باید کرد ۔"

ترجمہ —— شاہ جہاں کے ولی عہد دارا شکوہ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ بادشاہ سلامت سایۂ الہی اور خلیفۂ رسول ہیں ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ آپ کے مرتبہ و منزلت کو پہچان کر آپ کی تعظیم و تکریم بجالائے اس بنا پر حضور عالی کے تمام غلام آداب شاہی سے مطلق رو گردانی نہیں کرتے مگر ملا عبدالسلام جو قرآن وحدیث سے پوری طرح باخبر ہیں اس امر کی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ و اطیعوا اللہ و اطیعوالرسول الخ (اللہ اور اس کےرسول ؐ اور تم میں جو صاحبان اقتدار (اولی الامر) ہوں ان کی فرمانبرداری کرو) کے معنی و مفہوم خوب جانتے ہیں مگر (پھر بھی اس پر) عمل نہیں کرتے بادشاہ نے فرمایا جب ملا صاحب آئیں تو ان سے اس آیت کے معنی پوچھنا (تب) ان کو ملزم ٹھہرانا ۔ دارا شکوہ نے جب ملا صاحب دربار میں موجود تھے اس آیت کے معنی ان سے پوچھے ملا صاحب نے جواب دیا کہ ظاہر ہے اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کرو اور ان کی جو ان کے جانشین ہوں داراشکوہ نے (پھر) پوچھا کہ نائبین کا اطلاق کن پر ہوتا ہے ملا صاحب نے جواب دیا کہ ہمارے جیسے (علماء حق) نائبین رسول ؐ ہیں جو مخلوق کو دین حق کی راہ پر چلاتے ہیں اس وجہ سے بادشاہ پھر لازم ہے کہ ہماری اطاعت کرے دارا شکوہ خاموش ہوگئے اور شاہ جہاں مسکرادیئے اور کہا بیٹا ! ملا صاحب کا جواب سن لیا۔ اس گفتگو سے ملا صاحب کی شخصیت و مزاج کا صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

"طبقات شاہ جہانی" جو ملا صاحب موصوف کی حیات میں مرتب کی گئی اس سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ شاہ جہاں نے ان کو اردوئے معلی کے افتا کی خدمت تفویض کی تھی دھلی کے قیام کے دوران انھوں نے حضرت خواجہ محمد باقی باللہ (1012ھ/1603ء) کی خدمت میں بھی حاضری دی اور ان سے فیوض و برکات کا اکتساب کیا ۔ مناظرہ و مباحثہ اور فروعات کے جھگڑوں میں پڑنے سے کوئی واسطہ نہ تھا ۔ مؤلف طبقات شاہ جہانی لکھتے ھیں —

— "از ملایان و دانایان مشہور ھندوستان است و در علم فقہ و اصول و معانی و بیان قدرتے عجیب دارد گویند در اصول فقہ تضنیفے کردہ کہ بالتلویح دم در مسادات میبرند پادشاہ دین پناہ حضرت صاحبقراں ثانی را آمدہ ملازمت نمود روش و طریق وے پسندید خاطر اقدس افتاد ۔ امر فتوی اردوئے معلی را بہ دے تفویض نمود درویش مولوی درویشانہ افتادہ مثل طالب علمان بہ بحث وجدال کارے ندارد چوں از تحصیل فارغ شد چندے بہ ملازمت قطب وقت حضرت خواجہ محمد باقی بودہ همانا ایں معنی از برکت آں صحبت تحصیل کردہ عمرش باد (19)

وفـــــات —

ملا صاحب کی ولادت و وفات کے سنن کا پتہ بھی کسی تذکرہ سے اب تک محقق نہ ھوسکا وفات کے سلسلہ میں تذکرہ نگاروں کے درمیان کافی اختلاف پایا جاتا ھے ۔

سید عبدالحی رائے بریلوی نے "نزھستہ الخواطر" میں "الاکیسر" کے حوالے سے لکھا ھے ۔

(19) طبقات شاہجہانی ۔محمد صادق ھمدانی بحوالہ اودھ کے چند عربی علما ص 25-24

"قال الصوفی فی "الاکسیر . ازمات فی سنته تسع" و

ثلاثین الف"

لیکن اس کے بعد لکھتے ھیں ـــ

"وہذا الاصحّ لانه کان حیّا سنته سبع و اربعین کما یظہر

من بادشاہ نامه" (20)

"عمل صالح" مولّفه محمد صالح کنبوہ لاھوری کا سن تکمیل 1070ھ/ 1659ء

اس کے مولّف ملا صاحب کے حال میں لکھتے ھیں ـــ

"آخر کار در دقت موعو درخت هستی بر بست ـ" (21)

ترجمه ـــ بالآخر وقت مقررہ پر زندگی کے سامان کو لپیٹ دیا ـ (وفات پائی) ـ مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی مرحوم نے اپنے مقاله "ملا قطب الدین شھید" میں ملا عبدالسلام موصوف کی وفات کے سن کی تحقیق میں چند باتیں درج فرمائی ھیں انھوں نے مولانا محمد نعیم فرنگی محلی (1318ھ/ 1900ء) کی بیاض کے حواله سے لکھا ھے که ملا عبدالسلام دیوی کا سال وفات افضل العلماء سے نکلتا ھے (1082ھ/ 1671ء) اور دوسرا مادہ تاریخ علماء امتی کا بنیاد بنی اسرائیل ھے ـ

خلاصه یه که ملا عبدالسلام دلوی شاہ جہاں کے عہد (1068ھ / 1658ء) تک بقید حیات تھے ـ عمل صالح کی تکمیل (1070ھ /1659ء) کے وقت ان کی وفات ھو چکی تھی اس کا مطلب یه ھوا که ان کی وفات اپنی دو برسوں میں کسی سال میں ھوئی مزار شریف قصبه دیوہ ضلع بارہ بنکی میں ھے ـ

---

(20) نزھته الخواطر ـ عبدالحی رائے بریلوی ـ ج 5 ص 223

(21) عمل صالح ـ محمد صالح کنبوہ ج 3 ص 30

خـــانـدان ـــ

ملا عبدالسلام دیوی کے چار بھائی تھے ملا صاحب کے چار بیٹے اور ایک بیٹی متولد ہوئے ۔ بیٹوں میں ملا ضیاءالدین ملا عبدالوالی ملا عبدالباقی اور ملا ابوالمعالی میں اول الذکر تینوں سے اولادیں ہوئیں جنھوں نے فضل و کمال میں شہرت حاصل کی ان کے چاروں صاحبزادے علم و فضل میں اپنے والد کے نقش ثانی تھے ۔

تـصـــانیـف ـــ

ملا عبدالسلام کو اللہ تعالی نے تخلیقی و انتظامی صلاحیت سے نوازا تھا ان کی علمی شخصیت اجاگر کرتے ہوئے مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے ـــ

"مولنا عبدالسلام لاہوری کے شاگردوں میں جس شخص نے نمایاں امتیاز حاصل کیا عجب اتفاق ہے کہ ان کا نام بھی عبدالسلام ہی ہے فرق یہ ہے کہ استاد عبدالسلام لاہوری اور شاگرد ملا عبدالسلام اودھ کے مشہور مردم خیز قصبہ دیوہ کے تھے گو آخر عمران کی بھی لاہور میں گزری اب توخیران بیماروں کا تذکرہ کرتا ہے لیکن درس کے قدیم حلقوں میں ملا عبدالسلام دیوی کا نام بڑے احترام سے لیا جاتا ہے ۔ "توضیح و تلویح" اور "بیضاوی" پر ان کے معرکتہ الآرا حواشی ہیں خصوصاً تلویح کا حاشیہ تو سمجھا جاتا ہے کہ اپنی نظیر نہیں رکھتا ۔" (22)

---

(22) ہندوستان میں نظام تعلیم و تربیت ۔ مناظر احسن گیلانی 1 - 300

"تذکرہ مشاہیر کاکوروی" میں ان کی تصنیفات کے بارے میں یوں خیال آرائی کی گئی ہے ـــــ

"ملا صاحب کی تصنیفات میں " کتاب النشر احات للعالیہ
ہے جو اپنے صاحبزادہ شاہ ابوالمعالی کے لئے ان کے درس
زمانہ میں فن حکمت و منطق میں تصنیف فرمائی .... اس کے
علاوہ تہذیب المنطق اور منار الاصول کی شرحیں بھی ان کے
مصنفات سے ہیں ـ" (23)

1 - الانشـــراحـــات المـعـــالیـه ـــــ

" المنار" اصول فقه کا مشہور متن ہے اس کے مصنف امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد معروف به حافظ الدین نسفی (710ھ / 1310ء) ہیں مصنف نے بھی اپنے اس عمدہ متن کی شرح "کشف الاسرار" کے نام سے کی تھی ـ ہندوستان میں منار کی سب سے پہلی شرح غالباً مولانا سید یوسف بن جمال حسینی مدرس مدرسه فیروز شاہی کی توجیهه الافکار ہے ـ جن میں بکثرت علماء فضلا نے اس متن کی شرح اپنے اپنے انداز میں کی ہے ـ ان میں سعدالدین ابوالفضائل دھلوی (891ھ / 1486ء) کی " افاضته الانوار فی اضاءته اصول المنار" .ناصر الدین ابن الربوته دمشقی (764ھ/ 1363ء) کی "قوص الاسرار شیخ شجاع الدین ھبته الله شوکتانی (733ھ) کی شبصرته الاسرار فی شرح المنار شیخ جمال الدین یوسف کی " اقتباس الانوار" جلال الدین ابن احمد رومی فقیهه حنفی (792ھ/ 1290ء) کی شرح ہیں ـ ہندوستان میں ملا احمد

---

(23) تذکرہ مشاہیر کاکوروی ـ مولانا محمد علی حیدر کاکوروی ص 254

جیون امیٹھوی (1130ھ/ 1708ء) کی شرح نور الانوار درس نظامی میں داخل رہی ہے -

الانشراحات العالیه "یا" شرح علی المنار" کے میرے علم میں اب تک دو نسخے آئے ہیں اول الذکر کو کتب خانه انوریه خانقاہ کاظمیه قلندریه کاکوروی میں محفوظ ہے اور دوسرا خدا بخش لائبریری پٹنه کے ذخیرہ مخطوطات (ایچ - ایل 740) میں موجود ہے موخر الذکر نسخه ناقص الاول ہے خانقاہ کاظمیه کا نسخه مکمل ہے متوسط تقطیع میں پانچ سو آٹھ صفحات پر مشتمل ہے نستعلیق و خفی ہے حمد و ثنا کے بعد اس کی ابتدا یوں ہے -

الحمد لله الذی دل علی وجوده بتکوین المخلوقات مع خطاب کمن القدیم وخص من بینهما الانسان بالدلالته علیه بافعاله و اقواله بلطفه العمیم حتی صار مثل نورالله فی اظهار احوال العلویات والسفلیات و الجسمانیات و الروحانیات

بعد ازاں منارالاصول کی شرح کے سلسلے میں تمہیدی کلمات کے بعد ان سطور کو لکھنے کے داعی نے اپنے مرحوم بیٹے ابوالمعالی کا تذکرہ کیا ہے کتاب پر جابجا مفید حواشی ہیں اور منار کی مختصر عبارتوں کو لکھنے کے بعد ان کی تفصیل و تشریح اور تفسیر کی ہے -

دونوں نسخوں میں ترقیمه کی عبارت میں سن کتابت درج نہیں ہے -

خدابخش لائبریری کے نسخے کا خط کافی جلی ہے اس کی ابتدا اس طرح ہے -

اعلم ان الله سبحانه و تعالی صفات ثمانیته قدیمته الحیوٰته والقدرته و الارادته والسمع والبصیر و العلم و الکلام و التکوین

اثبته قوم من علماء ماوراء النھر و فی بعض الکتب اثبته الحنیفه
وھی لیست عین الذات ولا غیرھا . الخ

2 - <u>شرح تہذیب المنطق و الکلام</u> ـــ

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی (792ھ / 1391ء) نے 789ھ / 1387ء میں اپنے بیٹے کے لئے منطق و کلام میں ایک اہم متن "تہذیب المنطق و الکلام" کے نام سے مرتب کرکے دو اقسام پر منقسم کیا ۔ ان کی اس تصنیف کو بڑی شہرت حاصل ہوئی ۔ چنانچہ مدرسین کے حلقہ درس میں داخل ہوگئی علامہ جلال الدین محمد بن اسعد صدیقی دوانی (907ھ/ 1501ء) نے اس کی شرح لکھی جو باوجود ناتمام رہ جانے کے بہت مشہور و متداول ہوئی پھر امیر ابوالفتح سعیدی (950ھ/ 1543ء) نے اس پر ایک حاشیہ لکھا اور دوانی کے کلام پر تکملہ کیا ۔ شیخ مصلح الدین لاری (980ھ/ 1572ء) نے بھی اس پر ایک حاشیہ لکھا تھا فاضل حسین خلخالی (1030ھ/1621ء) بھی اس کے محشیوں میں سے ہیں ۔ تہذیب شروح میں شیخ الاسلام احمد بن محمد (906ھ/ 1500ء) کی شرح التہذیب زین العابدین عبدالرحمن بن ابی بکر معروف به عینی (893ھ/1488ء) کی "جہد المقل" اور مظفر الدین علی بن محمد شیرازی (992ھ /1584ء) نیز ملا عبداللہ ایزدی کی شروح مشہور ہیں ۔

ملا عبدالسلام دیوی نے اسی "تہذیب المنطق و الکلام" کی شرح اپنے انداز میں کی ۔ راقمہ کی نظر سے اس کا صرف ایک نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لائبریری کے ذخیرہ حبیب گنج کلکشن 40/18 میں محفوظ ہے۔ یہ نسخہ 100 اوراق پر مشتمل خط نستعلیق میں متوسط تقطیع پر ہے ۔ ابتداء میں وجه

تالیف وغیرہ کا بیان نہیں ھے بلکہ براہ راست بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد تہذیب المنطق کے عبارات کو لکھ لکھ کر تشریح و تفسیر کی ھے اور اس ضمن میں متقدمین کے اقوال بھی بعض جگہ درج کئے گئے ھیں ۔

مذکورہ بالا نسخوں کی طرح اس میں بھی ترقیمہ کی عبارت میں کسی سن کتابت یا سن تصنیف کا پتہ نہیں چلتا ھے البتہ خاتمہ پر اسقدر عبارت ھے ـــــ

" اللّٰھم اجعلنا علیین بالاسم معرضین عن الفضول بالقول من العمل و اعصمنا من الخطاع و الخطل تمت شرح التھذیب صفہ الحبر الکامل عبدالسلام الدیوی الاعظمی یوم الجمعتہ قبل صلوتھا ۔ فالحمد للہ اولہ و آخرہ ۔" (24)

ـــــ • ـــــ

3 - شیخ عبدالحق محدث دھلوی (958ھ/ 1551ء تا 1054ھ/ 1642ء)

اکبر کے آخری عہد میں ایک ممتاز شخصیت عالم وجود میں آئی جس نے عہد جہانگیری میں اپنی علمی صلاحیت کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کی اور دھلی کو علوم دینیہ کا دارالسلطنت بنادیا یہ شخصیت شیخ عبدالحق دھلوی کی ذات با برکات تھی وہ شمالی ھندوستان کے پہلے بڑے عالم تھے جنھوں نے اکبر کی فتح گجرات کے بعد حجاز کے سمندری راستوں کے کھل جانے کا پورا فائدہ اٹھایا وہ برصغیر کے عظیم الشان فقہیہ جلیل القدر عالم دین اور فقید المثال محدث تھے ۔ علوم و فنون کی تمام شاخوں پر کامل عبور تھا اگرچہ

---

(24) مسعود انور علوی کاکوروی ۔ اودھ کے چند عربی علما‘ ص 32 - 33

هندوستان میں ان سے قبل متعدد محدثین کے تذکرے ملتے ہیں جنھوں نے ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت کی البتہ یہ وہ شخص ہیں جنھوں نے ہندوستان میں رہ کر حدیث کے سربمہر خزانے کو وقف عام کیا ۔ اور اپنی محققانہ تصانیف کے ذریعہ علماء ظاہر و باطن کی محفلوں سے داد تحسین حاصل کی ۔ سید عبدالحیٔ حسنی نے تاریخی حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کو ہندوستان میں علم حدیث کی خدمت انجام دینے والا پہلا شخص قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں ـــــ

"الشیخ عبدالحق بن سیف الدین سعد اللّٰہ البخاری الدہلوی المحدث المشہور اول من نشر علم الحدیث بارض الهند تصنیفاً و تدریساً "۔(25)

شیخ نے ہندوستان میں ایک دینی تحریک کا آغاز کیا تاکہ مسلمانوں کے بکھرے ہوئے شیرازے کو یکجا کیا جاسکے اسی لئے انھوں نے اپنی تصنیفات کے دایرہ کو قرآن و سنت تک محدود رکھا اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اکبری عہد میں ملحدانہ فضا کو بہت قریب سے دیکھا تھا ۔ عہد جہانگیری میں یہ فضا کلی طور پر ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ دنیا پرستی کی لعنت نے ہندوستانی مسلمانوں کے عزم اور راستی کی روح کو مردہ کر رکھا تھا ایسی حالت میں عوام کو قرآن و سنت کے ذریعہ ہی راہ مل سکتی تھی/اس کو مد نظر رکھتے ہوئے شیخ نے احیاء علوم دینیہ اور ترویج شریعت کو اپنا اصل مقصد بناکر اپنی علمی تحریک کا آغاز کیا اور اپنی پوری زندگی اسی کارخیر کے لئے وقف کردی ۔ انھوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ عربی نثر میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا اور

---

(25) نزھتہ الخواطر ۔ سید عبدالحئی الحسنی ج 5 ص 201

" لمعات التنقیح علی مشکوتہ المصابیح" ماثبت با لسنّۃ فی ایام السنتہ- تحقیق الاشارہ ۔ کتاب اسماء الرجال۔ مشکوتہ المصابیح اور الدرتہ البہیتہ کے ذریعہ نہ صرف ھندوستان میں علم و حدیث کو عام کیا اور مسلم سماج سے الحاد و زندقہ کو ختم کیا بلکہ عربی ادب کی غیر معمولی خدمت انجام دی اورھندستان میں عربی نثر کو ترقی کی ایک نئی منزل سے روشناس کرایا ۔

ابتدائی حـــالات ـــــ

شیخ کے آبا و اجداد بخارا کے رھنے والے تھے سلطان علاءالدین خلجی کے عہد حکومت میں ھندوستان آئے اور معزز فوجی عہدہ پر مامور ھوئے وہ نسلاً ترک تھے ۔ ان کے دادا شیخ سعداللّٰہ کی زیادہ توجہ سلوک و طریقت کی طرف رھی ۔ وہ شاہ جلال الدین گجراتی کے مریدوں میں سے تھے اور اپنے زمانے کے کامل شیخ تھے ۔ ان کے بیٹوں شیخ رزق اللہ اور شیخ سیف الدین کو بھی یہی ذوق وراثت میں ملا تھا ۔ والد کے انتقال کے وقت شیخ سیف الدین کی عمر صرف آٹھ سال تھی وفات سے قبل والد ماجد نے آپ کے لئے دعا فرمائی تھی کہ ایک لڑکے کی تعلیم و تربیت سے تو فارغ ھو چکا ھوں مگر اس کو یتیم و بےکس چھوڑ رھا ھوں اس کو تیرے سپرد کرتا ھوں تو ھی اس کی تربیت و حفاظت فرما ۔ چنانچہ یہی لخت جگر بعد میں دھلی کا با وقعت اور با عزت انسان بنا اور اسی گھر میں وہ آفتاب طلوع ھوا جس نے ساری فضائے علم کو منور کیا اور جو عبدالحق محدث کے نام سے جانے گئے ۔ شیخ کی پیدائش اسلام شاہ سُوری کے عہد میں محرم 958ھ میں دھلی میں ھوئی ۔(26) یہ وہ زمانہ تھا جب سید محمد جونپوری کی مہدوی تحریک زوروں پر

---

(26) محمد اسحاق بھٹی ۔ فقہائے ھند ۔ ج 4 ص 214

تھی اور علمائے دین ان کے مذھبی افکار و تصورات کے بارے میں مختلف الخیال تھے مولوی رحمان علی تذکرہ علمائے ھند میں ان کی ولادت میں لکھتے ھیں ا ـــ

"وہ ماہ محرم 958ھ/1551ء میں پیدا ھوئے ۔ ان کی
ولادت کی تاریخ شیخ الاولیاء ھے۔" (27)

شیخ عبدالحق کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور ذھنی نشوونما اپنے والد شیخ سیف الدین کی آغوش میں ھوئی انھوں نے ابتدا ھی میں قرآن پاک ختم کرنے کے بعد میزان الصرف صرف صلح اور کافیہ تک کتابیں پڑھائیں ۔ شیخ کی ذھانت اور قابلیت کے جوھر عالم طفولیت میں ھی نمایاں ھوئے ـــ

"ابتدائی تعلیم ان کے والد ماجد نے دی اور ابتدا ھی
میں قرآن پاک شروع کرایا وہ بھی نئے انداز سے شیخ
نے ابھی قواعد تہجی بھی نہ سیکھے تھے کہ ان کے
والد ماجد نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ قرآن پاک کی کچھ
سُورتیں لکھ کر ان کو یاد کرنے کے لئے دیا کرتے تھے
اسی طرح دو تین مہینہ میں قرآن پاک مکمل ھوگیا۔" (28)

شیخ سیف الدین نے تمام توجہ بیٹے کی تعلیم و تربیت پر مرکوز کردی کہ جلد سے جلد ان کا بیٹا عالم دین ھو جائے اور علم و فضل میں درجہ کمال کو پہنچے شیخ ایک تو خود نہایت ذھین تھے دوسرے والد کے ھر وقت طلب علم کا شوق دلاتے ۔ ان کے والد نے ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں کسی مخصوص

---

(27) رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ھند - 276
(28) خلیق احمد نظامی ۔ حیات شیخ عبدالحق 79

نصاب کو اختیار نہ کیا بلکہ صرف ذھنی و علمی صلاحیت کو اجاگر کرنا اور علمی بنیاد کو مضبوط کرنا ھی پیش نظر رکھا ۔ بارہ تیرہ سال کی عمر میں انھوں نے شرح عقائد اور شرح شمسیہ پڑھ لی تھی ۔ اس کے بعد مختصر اور مطول کی تعلیم سے تقریباً اٹھارہ سال کی عمر میں فارغ ھوگئے یعنی اٹھارہ انیس سال کی عمر میں انھیں علوم عقلی و نقلی پر عبور حاصل تھا ۔ اور خط و کتابت اور انشأ پردازی میں بھی مہارت پیدا کرلی تھی ان کے دیگر اساتذہ میں استاد محمد نعیم اور مدرسہ دھلی کے دیگر اساتذہ قابل ذکر ھیں انھوں نے چھوٹی سی عمر میں ھی تکمیل علم کے مراحل طے کرنے کے بعد 20 سال کی عمر میں ھی درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا ۔ لیکن جیسا کہ "بادشاہ نامہ" میں عبدالحمید للھوری نے اور "شاہ جہاں نامہ" میں محمد صالح کنبوہ نے بیان کیا ھے کہ ھنگامہ تدریس کا یہ دور بہت مختصر ھے اور وہ جلد ھی حجاز مقدس روانہ ھوگئے ۔ اس زمانہ میں ھندوستان پر مغل حکمراں اکبر داد حکمرانی دیتا تھا اور یہاں کی دینی فضا پر تکدرکی وسیع چادر تنی ھوئی تھی علمائے سوئے اکبر کے دل میں اسلامی امور اور دینی احکام کے خلاف نفرت و عناد کی افسوس ناک کیفیت پیدا کردی تھی جس کی وجہ سے اس سر زمین پر کسی صحیح العقیدہ عالم دین کا قیام ممکن نھیں تھا ۔ شیخ بھی ان حالات سے متاثر ھوئے اور ترک وطن پر مجبور ھوگئے چنانچہ 996ھ/ 8-1587ء میں حجاز پہنچے اور 999ء تک وھاں قیام کیا (29)

دینی اعتبار سے اکبری دور کے ھندوستان کے حالات شیخ عبدالحق اور دیگر اصحاب تقوٰی کے لئے نہایت ناسازگار اور تکلیف دہ تھے اور ان کے لئے اب یہاں ٹھہرنا ناممکن تھا ۔ ھندوستان کے نامور مؤرخ جناب خلیق احمد

---

(29) معارف ۔ مارچ 1992ء دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ ص 182

نظامی لکھتے ھیں ــــ

"ابوالفضل اور فیضی نے اس دینی انتشار وابتری کی رھبری
کی شیخ عبدالحق کے فیضی سے ذاتی تعلقات تھے دربار
کے یہ حالات دیکھ کر ان کی طبیعت گھبرا اٹھی اگر زمانہ
سازی پر ان کی طبیعت ذرا بھی راضی ھو جاتی تو دولت
و ثروت عزت و حشمت ان کے قدم چومتی لیکن ان کامذھبی
شعور بیدار تھا ۔ اور وہ کسی قیمت پر اپنے ضمیر کی آواز
کو دبانے کے لئے تیار نہ تھے اکبر کا سیاسی اقتدار اس
منزل پر پہنچ چکا تھا جہاں مخالف تحریکوں کا نشوونما
پانا ناممکن تھا ۔ ان حالات میں ترک وطن کے علاوہ کوئی
چارہ کار ھی سمجھ میں نہ آیا اور انھوں نے غیرت دینی
سے مجبور ھوکر حجاز کی راہ لی ۔" (30)

حجاز میں انھوں نے پورا وقت شیخ عبدالوھاب کی خدمت میں گذارا اور مشکوتہ کا درس انھیں سے لیا ۔ شیخ عبدالوھاب نے اپنے علم حدیث کا بیشتر حصہ جس کی وجہ سے وہ مصر و عرب کی علمی مجلس میں مشھور تھے شیخ عبدالحق کو عنایت فرمایا انھوں نے حدیث ۔تصوف ۔ فقہ حنفی ۔ حقوق العباد ان چاروں کی اعلی تعلیم ان سے حاصل کی جب کہ مکہ معظمہ میں انھوں نے شیخ عبدالوھاب متقی کے فیض صحبت میں تمام ظاھری و باطنی علوم کی منزلیں طے کرلیں تو واپس ھندوستان جانے کا حکم ھوا لیکن شیخ ھندوستان کے دینی و مذھبی حالات سے سخت دل برداشتہ تھے مگر استاد کے پیہم اصرار پر بالآخر شعبان

---

(1) خلیق احمد نظامی ۔ حیات شیخ عبدالحق دھلوی ص 95

999ھ کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی قبر پر دعا کے لئیے طائف گئے پھر مکہ میں استاد محترم شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں رمضان کے آخر تک حاضر رہ کر شوال میں عازم سفر ہوئے اور 1000ھ کو واپس ہندوستان آئے اور اب چونکہ وہ علوم دینی کے سرمایہ سے پوری طرح بہرہ ور تھے اور ملک میں اسلام کی محافظت اور رواج پذیر گمراھیوں کے سدباب کے لئے جس ساز وسامان کی ضرورت تھی وہ ان کے پاس موجود تھا ۔ چنانچہ انھوں نے دھلی میں ھی مسند درس و ارشاد بچھائی ۔ اور ھندوستان میں قرآن و حدیث کی تعلیم کا یہ پہلا مدرسہ تھا اور ساتھ ھی وہ تصنیف و تالیف میں بھی سرگرم عمل ھوگئے ۔

اس کے علاوہ حجاز مقدس سے واپسی پر وہ خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی کی خدمت میں حاضر ھوئے اور ان کے دستِ حق پر بیعت کی اور ان کے دامن تربیت سے وابستہ ھوکر بہت کچھ حاصل کیا ۔ کتاب المکاتیب والرسائل میں خواجہ صاحب کے نام جو خطوط لکھے ان کا تذکرہ کیا ھے ۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دھلوی حجاز سے واپسی پر جو اپنے ساتھ علوم کا خزینہ لائے تھے اس کی اشاعت میں دل و جان سے مشغول ھو گئے بالخصوص علم حدیث کی اشاعت و تدریس میں ایسے منہمک ھوئے کہ پورے ملک میں ان کا ھی سلسلہ تعلیم عام ھوگیا ۔

عہد اکبری میں جو دین و مذھب کا حال ھوا اس سے دیگر اصحاب دل کی طرح شیخ کا دل بھی سخت مغموم تھا لیکن جب زمام اقتدار جہانگیر کے ھاتھ میں آئی تو حالات خود بخود رو بہ اصلاح ھوگئے اور ارباب حکومت میں ایک خوشگوار ذھنی و فکری تبدیلی آگئی خود جہانگیر نے اپنے باپ کے

افکار و خیالات سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی چنانچہ شیخ محدث نے خیر خواہانہ جذبات کی وجہ سے جو فرائض بادشاہ وقت پر شرعاً عائد ہوتے ہیں ان سے اسے آگاہ کرنا چاہا چنانچہ "نورالہند سلطانیہ" کے نام سے ایک رسالہ تصنیف کرکے روانہ کیا ۔ بہرحال اب ان کے نزدیک فرمانروایان ہند کو صحیح دینی تعلیم سے روشناس کرانے کا وقت آگیا تھا لہذا انھوں نے جہانگیر سے میل جول رکھنے اور تعلقات استوار کرنے کا فیصلہ کیا ۔ بہت سی کتابوں میں ان کے جہانگیر سے روابط اور ملاقاتوں کا تذکرہ ملتا ہے ۔ محمد اسحاق بھٹی فقہائے ہند میں لکھتے ہیں ـــ

"جہانگیر بادشاہ شیخ کو بڑی قدر منزلت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور ان کے علم و فضل اور زہد و ورع سے بہت متاثر تھا ۔ شیخ بھی اس کے اس جذبے اور اخلاص کی بےحد قدر کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ دربار میں اس سے ملاقات کے لئے بھی گئے جہانگیر اس دور میں شیخ کے علم و فضل تصوف اور طریقت اور توکل و تجرید سے بہت متاثر تھا ۔ اس نے ان کو ایک گاؤں بھی بطور جاگیر پیش کیا شیخ نے پہلے تو یہ گاؤں قبول کرنے سے انکار کردیا مگر جب بادشاہ کا اصرار زیادہ بڑھا تو قبول فرمالیا ۔" (31)

شیخ عبدالحق محدث دھلوی کے حالات بیان کرتے ہوئے جناب خلیق احمد نظامی نے ان کے مکان مدرسہ اور کتب خانے کے بارےمیں لکھا ہے دھلی میں جو ان کا مولد و مدفن ہے وہیں دھلی دروازے سے آگے ایک باغ مہدیاں

---

(31) محمد اسحاق بھٹی ۔ فقہائے ہند ج 4 ص 237

کے قریب شیخ عبدالحق محدث کا مکان خانقاہ اور مسجد واقع تھی ۔ اس خانقاہ کو خانقاہ قادریہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ھے ۔ شیخ کی خانقاہ کا کچھ حصہ انیسویں صدی کے آخر تک موجود تھا ۔ شیخ کا کتب خانہ دیار ھند کا عظیم کتب خانہ تھا ۔ اور بیش قیمت علمی ذخائر پر مشتمل تھا ۔ ان کے بیٹے نورالحق اپنے وقت کے اکابر علماؒ میں سے تھے لیکن اٹھارویں صدی میں جب دھلی کی سیاسی فضا میں انقلاب و تغیر کی مہیب لہریں اٹھیں اور سکھوں مرھٹوں اور جاٹوں نے ھنگامہ آرائی کا وسیع سلسلہ شروع کیا تو معنوی اور علمی دولت کے یہ انمول خزانے بھی دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکے ۔

وفـــــات ـــــ

بالآخر 12 ربیع الاول 1052ھ کو علم کا یہ درخشاں آفتاب غروب ھوگیا جس نے چورانوے سال تک فضائے ھند کو منور رکھا تھا ۔ وصیت کے مطابق حوض شمس کے کنارے ان کو سپرد خاک کیا گیا ۔ نماز جنازہ ان کے فرزند شیخ نورالحق حقی نے پڑھائی ـــ

ان کی وفات کے بارے میں تذکرہ علمائے ھند میں یوں لکھا ھےـــ

"ان کی وفات 1052ھ/3-1642ء میں دھلی میں ھوئی
ان کی قبر قطب صاحب میں حوض شمس کے کنارے ھے
انتقال کی تاریخ "فخرالعلماؒ" سے نکلتی ھے ۔" (32)

اولاد ـــ

شیخ عبدالحق محدث دھلوی کے تین بیٹے تھے ۔ شیخ نورالحق شیخ

---

(32) رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ھند ص 276

علی محمد اور شیخ محمد ھاشم یہ تینوں اصحاب علم و فضل تھے مگر شیخ نورالحق ان سب سے لائق اور بلند مرتبے کے مالک تھے ۔ شیخ صاحب اپنے اس فرزند کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔ دوسرے فرزند شیخ علی محمد اپنے وقت کے فضلا میں سے تھے ۔ تیسرے بھی عالم فاضل اور عہد صالح تھے ۔ان کا حدیث وفقہ کے ماہر علماء میں شمار کیا جاتا ھے اور یہ تینوں فرزند گیارھویں صدی ھجری کے مشہور ھندوستانی علمائے دین میں سے تھے ۔

تصانیف ---

شیخ عبدالحق محدث دھلوی نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں گزارا ان کا کتب خانہ ھندوستان کے بیش قیمت ذخیروں میں سے ایک تھا ۔ ان کے معاصر تذکرہ نگاروں میں عبدالحمید لاھوری محمد صالح کنبوہ اور خانی خان نے یہ تعداد سو سے زیادہ بتائی ھے لیکن انھوں نے اپنے ایک رسالے" تالیف قلب الالیف بذکر فہرس التوالیف"میں اپنی تالیفات کی فہرست انچاس بتائی ھے ۔ لیکن اس رسالہ کی تالیف کے وقت تصنیف کا سلسلہ جاری تھا ۔ اس کے بعد مزید گیارہ کتابیں تصنیف کیں انھوں نے تصنیف و تالیف کے سلسلے کا آغاز طالب علمی کے زمانے سے ھی شروع کردیا تھا جو زندگی کے آخری ایام تک جاری رھا ۔ ان کی تصنیفات سے پتہ چلتا ھے کہ وہ تمام اصناف علم پر ماھرانہ نظر رکھتے تھے ۔ اور اپنے نقطۂ فکر کی وضاحت میں مرتبۂ کمال پر فائز تھے ۔ تفسیر حدیث فقہ عقائد اخلاق تصوف سیرت تاریخ سیاست منطق فلسفہ نحو وغیرہ تمام علوم میں ید طولیٰ حاصل تھا ۔ ذیل میں ان کی تصنیفات کی تفصیل درج کی جارھی ھے ۔

ان کی تصنیفات کے بارے میں "عربی زبان عہد مظلیہ" کے مولف یوں رقمطراز ھیں ـــ

"شیخ عبدالحق نے اپنی تصانیف کی فہرست خود ھی ایک رسالہ جس کا نام "تالیف قلب الالیف بذکر فہرس التوالیف "ھے دی ھے ۔ یہ فہرست جس وقت مرتب کی گئی اس وقت تصنیف و تالیف کا سلسلہ بدستور جاری تھا ۔"ھنوز سلسلہ سخن دراز است و در فیض و در فیض الہی بازتا یکجا رسد و یکجا رسانند" فہرست میں 49 کتابوں کے نام درج ھیں ان میں ایک کتاب "المکاتیب و الرسائل 68 رسائل پر مشتمل ھے فہرس التوالیف کے بعد شیخ نے گیارہ کتابیں اور تصنیف فرمائی تھیں اس طرح ان کی تصنیفات کی کل تعداد ساٹھ ھوتی ھے ۔" (33)

تذکرہ علمائے ھند میں ان کی تصانیف کی تعداد یوں دی گئی ھے ـــ

"لمعات شرح مشکوتہ (عربی) الشعتہ اللمعات ۔ شرح مشکوتہ فارسی۔ شرح سفر السعادت شرح فتوح الغیب۔ اسماء الرجال بخاری۔ اخبار الاخیار۔ جذب القلوب ۔ زبدتہ الآثار۔ جامع البرکات۔ موج البحرین ۔ زادالمتقین فتح المنان فی مناقب النعمان۔ماثبت بالسنتہ حلیہ سید المرسلین ۔چہل رسالہ وغیرہ۔" (34)

ذیل میں شیخ عبدالحق محدث دھلوی کی تصنیفات کا اجمالی جائزہ پیش ھے اس جائزے میں دیگر تذکروں کے علاوہ محمد اسحاق بھٹی کی فقہائے ھند سے زیادہ

---

(33) شبیر احمد قادرآبادی ۔ عربی زبان عہد مظلیہ میں ۔ ص 159-60

(34) رحمان علی ۔ تزکرہ علمائے ھند ص 276

تر استفادہ کیا گیا ہے ـــ

1 - تـــفـــسیر ـــ

تفسیر قرآن سے متعلق شیخ عبدالحقؒ نے تین کتابیں تصنیف کیں ۔
تعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی ۔ شرح صدور تفسیر آیت النور۔ تحصیل الغنائم والبرکات بتفسیر سورتہ و العادیات ۔

2 - شیخ عبدالحق تجرید و قرأت میں بھی مہارت رکھتے تھے اور یہ علم انھوں نے شیخ عبدالوہاب متقی سے حاصل کیا تھا ۔ اس موضوع پر انھوں نے دو کتابیں تصنیف کیں ۔

درتہ الفرید فی قواعدا لتجوید ۔ یہ کتاب نایاب ہے اور ہند و پاک کے کسی کتب خانے میں غالباً اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں ۔ شرح القصیدہ الجذریتہ

3 - حـــدیث ـــ

شیخ عبدالحق محدث دھلوی کی بہت سی بڑی خدمت علم وہ ہے جو انھوں نے علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے لئے انجام دی اس میں پورے خطۂ برصغیر میں ان کا حریف کوئی نہ تھا تمام تذکروں میں تذکرہ نگاروں نے ان کی اس علمی خدمات کا نمایاں الفاظ میں ذکر کیا ہے ۔ انھوں نے اس موضوع سے متعلق تیرہ کتابیں یادگار چھوڑیں ۔

1-٭ اشعتہ اللمعات فی شرح المشکوتہ :-

یہ فارسی زبان میں مشکوتہ شریف کی بڑی جامع اور مفصل شرح ہے

2 - اشعتہ اللمعات ۔ چار جلدوں پر محیط ہے پہلی جلد میں ایک مقدمہ بھی ہے اور 39 صفحات پر مشتمل ہے یہ مقدمہ علم حدیث محدثین اور اقسام

حدیث پر مشتمل ہے اور نہایت عالمانہ اور محققانہ مواد اپنے دامن میں سمیٹے ہے اس مقدمے کے علاوہ "اشعتہ اللمعات" کی پہلی جلد مشکوتہ کی کتاب الایمان۔ کتاب العلم۔ کتاب الطہارت۔ کتاب الصلوتہ۔ کتاب الجنائز۔ کے ترجمے پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد میں کتاب الذکوتہ کتاب الصوم کتاب فضائل القرآن۔ کتاب الدعوات۔ کتاب اسماء اللہ تعالی۔ کتاب المناسک وغیرہ شامل ہیں۔

تیسری جلد میں کتاب البیوع کتاب العتق۔ کتاب الحدود۔ کتاب الامارت والقضاء۔ کتاب الجہاد۔ کتاب الصید والذبا غ۔ کتاب الاطعمتہ۔ کتاب اللباس۔ کتاب الطب والرتی۔ وغیرہ شامل ہیں۔ چوتھی جلد میں کتاب الآداب۔ کتاب الفطن۔ شامل ہیں۔

3 - لمعات التنقیح فی شرح مشکوتہ المصابیح —

یہ عربی زبان میں مشکوتہ کی شرح ہے لمعات التنقیح سے 24 رجب 1025ھ میں فارغ ہوئے اس شرح کی خوبی یہ ہے کہ اس میں بعض لغوی و نحوی مشکلات کی نہایت عمدگی سے عقدہ کشائی کی ہے اور فقہی مسائل کی پیچیدگیوں کو نہایت ہی بہترین اسلوب سے حل کیا گیا ہے۔

4 - "جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین و ترجمتہ الاحادیث الاربعین فی نصیحتہ الملوث والسلاطین —

یہ کتاب ان چالیس احادیث کا مجموعہ ہے جن میں رسول صؐ نے بادشاہوں اور حکمرانوں کو ہدایت و نصائح سے نوازا ہے اور اس کے فارسی ترجمے کا نام "ترجمتہ الاحادیث الاربعین فی نصیحتہ الملوک والسلاطین" یہ ترجمہ انھوں نے شاہجہاں کے لئے کیا تھا۔

5 - جامع البرکات منتخب شرح المشکوته —

اس کتاب کو شرح مشکوته کے خلاصے کی حیثیت حاصل هے اور دو جلدوں پر محیط هے -

6 - رساله اقسام حدیث - (عربی) —

یه عربی زبان میں علم حدیث سے متعلق ایک مفید رساله تھا -

7 - رساله شب برات - یه رساله فارسی زبان میں هے -

8 - ماثبت بالسنته فی ایام السنته (عربی) —

یه کتاب عربی زبان میں هے اور اس میں تفصیل سے بتایا گیا هے که ماه محرم سے ماه ذی الحجه تک یعنی سال بھر کے قمری مهینوں میں کن دینی امور کی انجام دهی احادیث صحیحه سے ثابت هے -

9 - الاکمال فی اسماء الرجال

10 - اسماء الرجال و الروایات المذکورین فی کتاب المشکوته

11 - شرح سفر السعادته -

شرح محدث — سفر السعادته کے بارے میں یه تو ملتے هیں که اس کے مصنف کا مقصد رسول ص کے اعمال مبارک کو حدیث کی روشنی میں ثابت کرنا هے بهر حال شیخ کی یه شرح تین حصوں میں منقسم هے -

12 - تحقیق الاشارته فی تعمیم الشادته الجنته - یه بھی مجموعه احادیث هے -

13 - ترجمه مکتوب النبی فی تعزیته ولد معاذبن جبل (فارسی) —

یه رسول ص کے اس تعزیتی مکتوب کا فارسی ترجمه هے جو رسول نے اپنے مشهور صحابی معاذ بن جبل رض کو ان کے بیٹے کی وفات کے موقع پر لکھا تھا -

4 - فـقـه ــــ

علم فقه کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں ان میں یہ قابل ذکر ہیں ـــ

(1) فتح المنان فی تائید النعمان (عربی)

یہ عربی زبان میں اور فقہ حنفی کی تائید میں ہے -

(2) ہدایت المناسک الی طریق المناهک ـــ

یہ رسالہ مناسک حج اور آداب زیارت حرمین کے متعلق ہے -

5 - عـقـائـد ـــ

عقائد اسلام سے متعلق ان کی کتاب "الایمان و تقویتہ الایمان" ہے جو فارسی میں ہے -

6 - تـصـوف ـــ

تصوف کے مختلف گوشوں کے متعلق شیخ عبدالحق نے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار چھوڑی ہیں ـــ

(1) تنبیہ العارف بماوقع فی العوارف

(2) قدمی ہذہ علی رقبتہ کل ولی اللہ

(3) تحصیل التعرف فی معرفتہ الفقہ والتصوف

(4) شرح فتوح الغیب

(5) ترجمتہ غنیتہ الطالبین

(6) توصیل المرید الی المراد بہ بیان الاحذاب والاوراد

(7) مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین

(8) نکات الحق والحقیقتہ من باب معارف الطریقتہ

7 - اخــــلاق ـــ

آداب و اخلاق کے موضوع پر شیخ محدث نے " آداب الصالحین ـ"
" آداب اللباس ـ آداب المطالعته و المناظره " تسلیته المصاب النیل الاجد د
التواب" وغیره تحریر کی هیں -

8 - وظائف و اوراد ـــ

اس موضوع سے متعلق شیخ عبدالحق کی اجوبته ثنا عشر فی توجیه الصلوته
علی سید البشر ۔
"ترغیب اهل السعادات علی تکثیر الصلوته علی سید الکائنات ـ
" رسالته عقد انامل"
مطلب الاعلی فی شرح اسماء اللّٰه الغنی " وغیره مشهور هیں -

9 - مـنطق اور فلـسـفـه ـــ

شیخ محدث نے منطق و فلسفه سے متعلق عربی زبان میں تین کتابیں
قلم بند کی هیں -
" مبناء الموفوع فی شرصیص مباحث الموضوع"
" درته البهیته فی اختصار الرسالته الشمسیه "
" شرح شمسیه"

10 - تــــاریخ ـــ

تاریخ جیسے اهم موضوع پر شیخ محدث نے تین کتابیں تحریر کیں ـــ
" جذب القلوب الی دیار المحبوب"
" ذکر ملوک"
" رساله نورانیه سلطانیه"

11 - تذکرہ و سیرت ـــ

اس موضوع پر شیخ کی مندرجہ ذیل تصانیف ہیں ـــ

(1) مدارج النبوتہ

(2) اخبار الاخیار

(3) احوال ائمہ اثنا خلاصہ اولاد سید البشر

(4) انوار الجلیہ فی احوال مشائخ الشازلیہ

(5) زبدتہ الاثار

(6) قطع الانوار لبھیتہ فی الحلیتہ النبویتہ"

12 - عـلـم الـنـحو ـــ

(1) حاشیہ الفوائد الضیائیہ "نحو کی مشہور کتاب شرح جامی پر حاشیہ ہے

(2) افکار الصافیہ فی ترجمتہ کتاب الکافیہ

13 - ذاتی حـالات کے متعلق ـــ

ان کتب کے علاوہ شیخ عبدالحق محدث دھلوی نے بعض ایسی کتابیں بھی لکھیں جن میں انھوں نے اپنے ذاتی حالات درج کئے ھیں اور ساتھ ھی ان بزرگان دین کے کوائف بھی بیان کئے ھیں جن سے ان کے ذاتی مراسم یا عقیدت و نسبت تھی ۔ ان میں

"اجازت الحدیث فی القدیم والحدیث

"تالیف قلب الالیف بذکر فہرس التوالیف"

"زاد المتقین الی طریق الیقین"

"وصیت نامہ وغیرہ قابل ذکر ھیں ۔

14 - خطبات —

"فصول الخطب لخیل اعالی الرتب"

اس میں شیخ نے اپنے خطبات جمع کئے ھیں غالباً یہ مجموعہ اب نایاب ھے -

15 - مکاتیب —

"کتاب المکاتیب" شیخ کے ان 68 مکتوبات کا مجموعہ ھے جو انھوں نے بعض اھم اور ضروری مسائل کے بارے میں خواجہ باقی باللہ حضرت مجدد الف ثانی شاہ ابوالمعالی شیخ عبداللہ نیازی نواب مرتضی خان عبدالرحیم خان خانان اور شیخ فرید کے نام تحریر کئیے -

" صحیفتہ المودتہ" یہ شیخ کے دوستوں کے نام بوات مثنوی مکتوبات کا ایک مجموعہ ھے -

16 - شعر و شاعری —

شیخ عبدالحق محدث دھلوی بہت اچھے شاعر تھے اور حقی تخلص کرتے تھے - شعر و سخن کا یہ ذوق انھیں وراثت میں ملا تھا - ان کے والد شیخ سیف الدین سیفی - چچا شیخ رزق اللہ مشتاقی اور دادا شیخ فیروز سبھی شاعرانہ ذوق رکھتے تھے -

شیخ کا مجموعہ کلام جس میں غزلیات قصائد قطعات و رباعیات اور مثنویاں غرض تمام اصناف سخن شامل ھیں - "حسن الاشعار" کے نام سے مرتب ھوا اور غالباً یہی وہ مجموعہ کلام ھےجونواب حسن خان مولف "صبح گلشن" نے دیکھا تھا - لیکن اس میں جو اشعار منتخب ھوئے ھیں وہ عاشقانہ قسم کے ھیں

غالباً قیام فتح پور سیکری میں لکھے گئے ہیں ۔ رود کوثر میں عبدالحق محدث دھلوی کے چند اشعار درج ہیں ۔

شرح چابک سوار من نگرید * فتنه روزگار من نگرید
کوه کن کوه کند و منِ جاں را * کار او نیز و کارِ من نگرید
اے خوش آندم که بارقیباں گفت * حتی خاکسار من نگرید

---

* چوں من میرم چه حاصل گر بهست آرام جاں باشد
من از حسرت بمیرم او بکامِ دیگراں باشد
بهر جو ریکه آں مه می کند از جامر و حقی
که بد خو سرا شائید که مقصود لقعاں باشد (35)

---

4 - علامہ سعداللہ خاں (999ھ/1591ء تا 1066ھ/1656ء) ــــ

ابتدائی حالات ــــ

علامه سعدالله خاں شاہجہانی عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے شاہجہانی عہد کی تاریخوں میں طبقہ علماء میں ان کا نام سر فہرست رکھا گیا ھے ۔

عبدالحمید لاھوری اپنی تصنیف "بادشاہ نامہ" میں لکھتے ہیں ــــ

"علامة الوری فہاسته العصر سعد الله خان باستیفا فنون علوم
معقوله و منقوله و استقائے ضوف دانش و حفظ قرآن مجید و
وجودت قریحت و اضفات ذهن و اصابت فکر و فرط معلومات

---

(35) شیخ محمد اکرام - رود کوثر ص 387

و فصاحت زبان و حسن تقدیر قصب السبق از دانشوران
روزگار جوده و بمیامن انظار خاقانی و برکات توجهات
جهانبانی به منصب عالیه فائز گشتة بنابیه دالای وزارت کل
رسیده است و شرح احوال آں عالی مرتبت و ارتقاء بمراتب
دولت ورطی وقائع سال چهارم از دوم دور جلوس عالم
آرا نگاشته آمد ۔" (36)

علامه سعد الله 999ھ/1591ء میں لاهور میں پیدا هوئے (37) زانوئے تلمذ ملا کمال الدین کشمیری کے سامنے ته کیا اور بچپن میں قرآن پاک حفظ کرلیا اور ساتھ ساتھ علوم عقلی و نقلی میں کامل دستگاہ حاصل کی ان کی تقریر کی فصاحت و بلاغت کی بھی بڑی شہرت تھی مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی اور علامی سعد الله میں ابتدا سے یگانگت تھی علمائے هند کا شاندار ماضی کے مولف ان کے بارے میں یوں رقمطراز هیں ــــ

"مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی اور علامی سعد الله میں ابتدا سے
یگانگت تھی حضرت مجدد صاحب قدس الله سره العزیز کے
استاد مولانا کمال کشمیری سے دونوں نے ابتدائی تعلیم حاصل
کی ایک مرتبه حضرت استاد نے فرمایا بادشاہ کے وزیر کےیہاں
بلاؤ طلبه کو تعجب هوا حضرت استاد نے فرمایا که یہی
سعد الله جو اس وقت خسته حالت میں هے وزیر اعظم هوگا ۔" (38)

---

(36) عبد الحمید لاهوری "بادشاہ نامه" ج 2 ص 754
(37) ثروت صولت ۔ ملت اسلامیه کی مختصر تاریخ ۔ ص 292
(38) محمد میاں ۔ "علمائے هند کا شاندار ماضی" ص 336

استاد کا کہنا اس قدر صحیح ثابت ہوا کہ یہ نابغہ روزگار ہستی بہت تھوڑے ہی عرصہ میں بادشاہ کا مقرب خاص ہوگئی ۔ وہ اپنے وقت کے ممتاز خطیب و انشا پرداز سمجھے جاتے تھے ۔ اور حیرت انگیز طور پر چند سال کے اندر ترقی کرکے بلند سے بلند منصب و عہدہ پر فائز ہوئے ۔ ابتدا میں جب علامہ سعد اللہ شاہ جہاں کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کچھ یومیہ وظیفہ مقرر کردیا گیا ۔ ان کی غیرت نے گوارہ نہ کیا اور وہ واپس چلے گئے اور اپنے کو تعلیم و تدریس میں مشغول کرلیا ۔ شاہ جہاں نے جب ان کے فضل و کمال کا شہرہ سنا تو ان کا گرویدہ ہوگیا اور موسوی خان کو ان کے حاضر دربار کرنے کا حکم دیا چنانچہ یوم یکشنبہ ماہ رمضان المبارک 1050ھ کو شاہ جہانی دربار میں پیش ہوئے۔ شاہ جہاں ان سے غیر معمولی توجہ التفات سے پیش آیا اور مناسب وظیفہ اور خلعت و اسپ عنایت فرمایا ۔ پھر بادشاہ کی مردم شناس اور قدرداں بصیرت نے صرف تین دن بعد وظیفہ کے بجائے منصب مرحمت فرمایا ۔ اور جوہر شناس بادشاہ کی قدردانی نے صرف چار سال کے عرصے میں وزارت عظمی کے اعلی درجہ پر پہنچا دیا ۔ بزم تیموریہ میں "عمل صالح" کے حوالے سے یوں لکھا ہے۔۔۔

> "رمضان 1050ھ میں موسوی خاں صدر کل کی سفارش سے بادشاہ کے حضور میں شرف یابی حاصل کی پہلی مجلس ہی میں بادشاہ کی کمال شناسی اور قدردانی کی وجہ سے اس کی استعداد کا مرتبہ نمایاں ہوگیا اور بادشاہ کی دقیقہ رسی کے باعث اس کا کمال ظاہر ہوا اس کی دقت طبع ۔ جدت فہم ۔ کثرت فراست استنباط۔دقائق و ریافت حقائق اور تحصیل علم وہبی و کسبی وغیرہ کا حال اہل علم پر ظاہر ہوگیا چونکہ بادشاہ شریعت کی ترویج اکابر دین کی تقویت علما"

صلحا٭ کی تعظیم و تکریم طلبہ کر تربیت و اہتمام میں ہمیشہ
رغبت ظاہر کرتا ہے اس لئے اس کی خاص ہمزبانی کی وجہ
سے جس میں آب حیات کی خاصیت ہے اس نے حیات جاودان
پائی ۔" (39)

چنانچہ علامہ سعد اللہ خاں نے 1050ھ میں دربار شاہ جہانی میں حاضری کے بعد صرف ایک سال ہی گذارا تھا کہ منصب ہزاری ذات و دو صد سوار کے علاوہ خطاب خانی سے سرفراز ہوئے اور دولت خانہ خاص کی داروغگی کے منصب پر مامور ہوئے اس طرح ان کا سلسلہ شاہی محل سے وابستہ ہوگیا ۔ اس کے بعد ان کے مناصب میں روز بروز ترقی ہوتی گئی 1052ھ میں ان کے منصب میں پانچ صدی صد سوار کا اضافہ ہوا اور حلقہ٭ خاص سے ایک فیل بھی مرحمت کیا گیا ۔ پھر اسی سال ماہ رمضان میں منصب دو ہزاری و پانصد سوار عطا ہوا اور خدمت میر سامانی تفویض ہوئی پھر اسی سال 1054ھ میں منصب دو ہزار پانصدی ششصد سوار عطا ہوا پھر چند ماہ بعد منصب سہ ہزاری ششصد سوار قرار پایا اور طویلہ خاص سے طلہ کارساز سے مزین گھوڑا عطا ہوا اس کے بعد 1055ھ میں نئے منصب کے ساتھ ایک ہاتھی عطا ہوا اور خالصہ٭ شریفہ کی دیوانی اور فراہین کے مضامین کی تسوید کی خدمت سپرد ہوئی اس کے بعد اسی سال ماہ رجب میں منصب پنج ہزاری ذات و ہزار و پانصد سوار سے ممتاز ہوکر عہدہ وزارت کل "ومدار المہامی" پر مامور کئے گئے اور قلمدان وزارت کے ساتھ غیر معمولی خلعت فاخرہ سے سرفراز کئے گئے پھر منصب پنج ہزاری و علم و نقارہ سے سرفراز ہوئے پھر شش ہزاری بنائے گئے پھر 1056ھ میں اس منصب سے

(39) صباح الدین عبدالرحمان ۔ بزم تیموریہ ص 212

ممتاز کئیے گئیے اور ترقی کرنیے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا یہاں تک کہ 1057ھ میں ہنصب ہفت ہزاری و ہفت ہزار سوار پر سرفراز کردیئیے گئیے۔(40) اس طرح سعد اللہ خان صرف سات سال کے اندر حصول منصب کے بعد ہفت ہزاری تک پہنچ گئیے اور مغلیہ عہد میں ایسی ترقی کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں اور دس کروڑ کا انعام اور علامی و فہامی کا خطاب بھی انہیں دیا گیا ۔ شاہ جہاں کو ان پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ کوئی کام ان کے مشورہ کے بغیر نہ کرتا تھا ۔ ان کے دور وزارت کے کارنامے اور مختلف مکاتیب و فرامین کے تذکرے عہد شاہجہانی کی تاریخوں میں موجود ہیں ۔ ان سے ان کی اعلی استعداد اور ملکی نظم و نسق کے خوبی سے انجام دینے کا اندازہ ہوتا ہے ۔

سعد اللہ خان عقل و فہم۔تدبر اور بصیرت کے باوجود رحمدل اور انصاف پسند واقع ہوئے تھے وہ غرباء اور مساکین کے بہت زیادہ طرفدار تھے ان کا یہ اصول تھا کہ کثرت محاصل ترقی دولت کا سبب نہیں بلکہ رعایا پروری و باشندگان ملک کی خوشنودی و خوشحالی ترقی دولت کی بنیاد ہے ان کی یہی حسن نیت تھی کہ ہندوستان اس وقت دولت اور خوشحالی کی معراج پر پہنچا ہواتھا۔

وفــــات ـــــ

علامہ سعد اللہ خان 1066ھ میں فالج میں مبتلا ہوئیے بادشاہ نے شاہی اطباء سے علاج کرایا اور خود بار بار ان کی عیادت کے لئیے جاتا تھا ۔ مگر چند ماہ کی علالت کے بعد اواخر جمادی الاخر 1066ھ میں انتقال ہوگیا ۔ شاہجہاں کو ان کی وفات کا صدمہ اسقدر ہوا کہ بےاختیار زارزار رودیا ؛(41)

---

(40) معارف ج 56 جولائی تا دسمبر 1945ء معارف پریس اعظم گڑھ ص 395

(41) محمد میاں ۔ علمائیے ہند کا شاندار ماضی ص 336

علامہ سعد اللہ خان کی وفات کے بعد ان کے بڑے لڑکے لطف اللہ کو منصبہ ھفت صدی صد سوار اور دوسرے لڑکوں کو دیگر مناصب ووظائف سے سرفراز کیا گیا ۔ علامہ کو ملک کے ہر طبقے میں ہر دلعزیزی حاصل تھی ۔ ان کی وفات پر عام ماتم کیا گیا ۔

کیونکہ عہد شاہ جہانی کی اس اہم شخصیت نے صرف چند سال میں اعلی سے اعلی منصب و عہدہ پر فائز ہوکر سلطنت اور رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے بہترین خدمات انجام دیں تھیں ان کے بارے میں شاہ جہاں نامہ کے مولف یوں رقمطراز ہیں ـــــ

"۔۔۔۔۔نہایت باشعور تھا کہ دانشمندانِ عصر ان کے آگے طفل مکتب کی حیثیت رکھتے تھے ۔ اس کے باوجود اخلاق ربانی کا نمونہ اور کمالات انسانی و ملکوتی کا پیکر تھا لیاقت و استعداد کے زور سے جزئیات و کلیات پر نظر رکھتا اور ایسی ایسی نادر باتیں کرجاتا کہ یگانہ عصر دقیقہ سنج سر جھکا کر رہ جاتےتھے بیان مطالب میں اتنا خوش گفتار کہ ہر پہلو روشن کرتا چلا جاتا تھا ۔۔۔۔۔ 1060ھ (1656ء) میں انتقال ہوا ۔" (42)

علامہ سعد اللہ خان کی تعریف میں "شروت صولت" یوں رقمطراز ہیں ـــــ

"عہد شاہجہانی کے وزیروں میں سب سے عظیم شخصیت۔دھلی کا لال قلعہ اور جامع مسجد ان کی ہی نگرانی میں تعمیر ہوئے ان کا یہ قول بہت مشہور ہے دیانت قابل تعریف چیز ہے اور وفاداری بہترین طریقہ لیکن بادشاہ کے کاموں میں جو عوام سے

---

(42) محمد صالح کنبوہ ـ شاہ جہاں نامہ تلخیص و ترجمہ ممتاز لیاقت ص 564

متعلق ہوتے ہیں بادشاہ کے بجائے عوام کا خیال رکھنا بہترین
وفاداری ہے ۔" (43)

علامہ سعد اللہ خان نے اپنی پوری زندگی عوام کی فلاح و بہبود میں گزاری معاصر تذکرہ نگاروں نے آپ کا ذکر نہایت ہی اچھے الفاظ میں کیا ہے تحریر و تقریر میں بہت مشہور تھے ذیل میں ان کے خط کا نمونہ پیش کیا جارہا ہے جس سے ان کی تحریر کی بلاغت کا پتہ چلتا ہے یہ خط انہوں نے اپنے ہم‌سبق ملا عبدالحکیم سیال کوٹی کو "رسالہ خاقانیہ" تحریر کرنے کے لئے لکھا تھا یہ خط علامہ سعد اللہ خان کی انشاپردازی کی زندہ مثال ہے ۔ وہ لکھتےہیں ۔۔۔

"افادت پناہ اضافت دستگاہ جامع و معقول و منقول حاوی فروع و اصول وحید العصر الدھر بادراک نشاتین و احراز جادین کامیاب باشند ۔ حسب الحکم اشرف می نویسد کہ چوں از افراد وقائع ایران بمسامع مجامہ/ رسید کہ افادت پناہ اضافت دستگاہ خلیفہ سلطان وزیر دانشور عراق کہ اعلم العلمای آں دیار است از محمد فاروق مشرف و محب علی واقعہ نویس کہ بامارت مآب جان نثار خاں سفیر متعین اند پس از دعوای ایشان بفضل و کمال پرسید کہ امام غزالی درمسئلہ قدم عالم و نفی علم واجب (تعالی شاغ کما یقول الظالمون فی حق انفسھم و الجاھلون باللہ جھلا مر کبا) بجزئیات مادیہ و نفی حشر اجھاد تکفیر ابونصر فارابی و شیخ ابو علی سینا نمودہ و جمعی تاویل کلام حکماء کردہ اند ۔ ایں مراتب

---

(43) ثروت صولت ۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ۔ ص 292

را تقریر باید کرد مدعیان دروغ چوں شمع کشته بی فروغ ماندند
و از سلوک معقولیت دور افتارند - لهذا بکمترین صوید ان حکم
شد که بآن فضائل و کمالات دستگاه سطری چند بر نگارد و
بر گزارد که آں افادت و اضافت مرتبه را درین مسائل مختصری
جامعه و موجود مفید که مستجمع حکمات حکما و تاویلات علماء و
وجه تکفیر اسلامیین و اقوال ملحین و مباحثات و مناظرات و
شکوک و شبهات و ازلات و ازاحات و اسوله و اجوبه و غایت
تدقیقات و نهایت تحقیقات و اصل کلام در هر باب و اساس
متعن در هر جواب و آنچه براں ظفر یافته باشند و برهان بدان
فائز شد و باشند و احاطه مسائل متعلقه بمطلب علم از حضوری
و حصولی بودن و علم عین عالم و عین معلوم باغیر آن و تعلق
آں بجزئیات بروجه کلی است یا بروجهٔ جزئی و تحریر آنکه کلیت
و جزئیت مفهوم تابع مدرک یا تابع مدرک است و نسبت واجب
جزئی هست یانه و بیان آنکه ادراک تعقلی است یا احساسی
و شمول علم بمغیات و مشفعات از زمان و غیر آں و بقای علم
با تغیر معلوم و تبدیل زمان و حضور زماں بجمیع اجزائه من
ازل الآزال الی ابد الآباد به کونه غیر قار وجز آں باشد -
نوشته در حضرت خلافت در عرض پانزده روز باید فرستاد که
بایران فرستاده شود - و آں چناں باید بود که قابل
فرستادن ولائق اضافت بآن فضائل دستگاه بود و بروزگار
ازاں آثار گویند و در تاریخ ناسها نوشته آید -" (44)

---

(44) Journal of the Research Society of Pakistan, Part II, Vol.I, October 1964, p. 49-50

5 - حضرت میاں میر لاہوری (957ھ تا 1045ھ/1635ء) ——

ابتدائی حالات ——

حضرت میاں میر لاہوری عہد جہانگیری کے ایک باکمال بزرگ تھے - علمی حلقوں میں آپ کو بڑی مقبولیت حاصل تھی - جہانگیر آپ کا معتقد تھا اس کے بعد شاہ جہاں اور اس کے بیٹے بھی ان کے معتقد تھے دربار شاہ جہانی میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی - علوم معقول و منقول کے بہت بڑے عالم تھے - ابن عربی کی تصانیف "فتوحات مکیہ" "اصول الحکم" اور جامی کی "شرح خصوص الحکم" زبانی یاد تھیں - تصوف کے حقائق و معارف نیز اصطلاحات کے سمجھنے سمجھانے میں بحر زخار تھے - ان کی پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے -

حضرت میاں میر کا اصلی نام میر محمد تھا اور کنیت میر ہے 957ھ میں سندھ کے قدیم شہر سیستان میں ہوئی - (45) دارا شکوہ نے آپ کی ولادت کے بارے میں سکینتہ اولاولیا میں لکھا ہے ——

"حضرت میاں میر کی ولادت 938ھ میں ہوئی۔" (46)

اور اعجاز الحق قدوسی نے تحفتہ الکرام کے حوالے سے لکھا ہے ——

"میں نے ایک محضر دیکھا ہے جسے آپ کے بھتیجے سیوستان سے تصحیح کرکے لائے تھے اس میں آپ کا سنہ ولادت 975ھ تھا۔" (47)

---

(45) محمد میاں - علمائے ہند کا شاندار ماضی - ص 435

(46) دارا شکوہ - سکینتہ اولاولیا (اردو ترجمہ) ص 19

(47) اعجاز الحق قدوسی - تذکرہ صوفیائے سندھ - ص 221

ان کے والد کا نام سائیں دتہ بن قاضی قلندر اور والدہ محترمہ کا نام بی بی فاطمہ تھا ۔ حضرت میاں میر خاندانی اعتبار سے فاروقی ھیں ۔ آخر میں ان کا نسب حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ھے ۔ ان کے والدین بھی اپنے زمانے کے عارف کامل تھے ۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی پھر ان کے انتقال کے بعد والدہ کے زیر سایہ علوم ظاھری کی تکمیل کرلی ۔ اور بارہ سال کی عمر میں سلوک و طریقت کی طرف ھمہ تن متوجہ ھوگئے ۔ آپ کی والدہ نے آپ کو سلسلہ قادریہ کے سلوک کی تعلیم دی اس کے بعد والدہ سے اجازت لےکر سلسلہ قادریہ میں شیخ خضر سیوستانیؒ کے مرید ھوئے ۔ جو سیوان کے باھر ایک پہاڑ پر مقیم تھے کچھ مدت کی ریاضتوں و مجاھدوں کے بعد شیخ نے فرمایا کہ اب تمھارا کام مکمل ھے تمہیں اختیار ھے جہاں جی چاھے سکونت اختیار کرو ۔ حضرت میاں قدیم طرز کے صوفی بزرگ تھے ۔ شروع کی سختی سے پابندی کرتے تھے ۔ 25 سال کی عمر میں 985ھ میں اس وقت اکبر بادشاہ کا دور حکومت تھا لاھور پہنچ کر زھد و ریاضت میں مصروف ھوگئے ۔ لاھور پہنچ کر مولانا سعد اللہ کے حلقۂ درس میں شامل ھوئے جو اس زمانے کے متجد عالم تھے ۔ پھر کچھ سال مولانا نعمت اللہ اور مفتی عبدالسلام لاھوری سے تعلیم حاصل کی لاھور میں آپ دن کے وقت ویران جگہوں پر جاکر یاد حق میں مشغول رھتے اور جو مریدین آپ کے ساتھ ھوتے وہ بھی الگ الگ درختوں کے نیچے یاد الٰہی میں مشغول ھو جاتے ۔ جب نماز کا وقت آتا سب مل کر نماز با جماعت ادا کرتے ساری رات عبادت میں مشغول رھتے اکثر یہ اشعار پڑھتے ؎

کسے کو غافل از حق یک زمان ست
در آں دم کافرست اما نہاں ست

کزمیں غفلت بجاں پیوستہ بودے
در اسلام بروئے بستہ بودے (48)

لاهور میں جب آپ کی ولایت کی شہرت هوئی تو آپ سرهند تشریف لے گئے لیکن وهاں آپ کو بیماریوں نے آگھیرا اس بیماری میں آپ کے ایک مرید حاجی نعمت الله سرهندی نے آپ کی دل و جان سے خدمت کی وہ آپ کے سب سے پہلے مرید هیں جنھیں آپ نے درجہ کمال پر پہنچا دیا ۔ ایک سال سرهند میں قیام کرنے کے بعد آپ واپس لاهور آگئے اور خان پورہ میں رشد و هدایت میں مشغول هوگئے ۔ اپنے مریدوں کی اصلاح فکر اور تہذیب نفس کرکے ایک ایسی جماعت پیدا کی جس سے رشد و هدایت کے چشمے پھوٹے ۔ وہ ایک قدیم طرز کے صوفی تھے جو فنا فی الله کی منزل میں تھے ۔ ان کا تمام وقت عبادت میں گزرتا تھا ۔ انھوں نے وحدت الوجود کے فلسفے کو اپنا منتہائے نظر بنایا تھا ۔ شہرت سے نفرت تھی اسی وجہ سے سندھ سے لاهور تشریف لانے کے بعد چالیس سال تک لاهور والوں کو اس کا علم بھی نہ هوسکا ۔

عام لوگوں کے علاوہ درباری حلقوں میں بھی آپ کا احترام کیا جاتا تھا ۔ شاهان مغلیہ میں جہانگیر شاہ جہاں اور دارا شکوہ وغیرہ آپ کے بہت معتقد تھے دارا شکوہ اپنی کتاب سکینتہ اولیا میں حضرت میاں میر کا تذکرہ نہایت ادب و عقیدت کے ساتھ کرتا ہے ان کے زهد و تقوی اور علم و فضل کی وجہ سے ان کے نزدیک هر وقت علماء و فضلا کا جمگھٹا رهتا تھا ۔ جہانگیر کو آپ سے بےحد عقیدت تھی "تذکرہ صوفیائے سندھ" کے مؤلف لکھتے هیں ـــــ

"جہانگیر آپ سے بےحد عقیدت رکھتا تھا اس نے اپنی تزک میں لکھا ہے "جب مجھے علم هوا کہ لاهور میں ایک درویش

(48) اعجاز الحق قدوسی ۔ تذکرہ صوفیائے پنجاب ۔ ص 568

میاں میر نامی سندھ کے رھنے والے نہایت فاضل بابرکت اور
صاحب حال ھیں اور توکل اور گوشہ عزلت کو اپنا شعار بنائے
ھوئے فقر کی دولت کی بدولت غنی اور دنیا سے مستغنی ھیں
ان اوصاف کی بنا پر میرا دل ان کی ملاقات کے لئے بےچین
ھوا اور ان کی زیارت کے لئے میں نے اپنے دل میں غیرمعمولی
رغبت پائی لیکن میرے لئے لاھور جانا مشکل تھا میں نے ایک
خط کے ذریعہ ان کی خدمت میں اشتیاق ملاقات ظاھر کیا ۔
حضرت باوجود ضعف پیری کے زحمت فرما کر تشریف لائے اور
ایک طویل عرصہ تک میں خلوت میں آپ کے ساتھ بیٹھا ۔ اور
آپ کی صحبت سے مستفید ھوا بلا شبہ آپ کی ذات غیرمعمولی
شرف کی حامل ھے اور اس زمانے میں آپ کا وجود مغتنمات میں
سے ھے ان ملاقاتوں میں مجھے آپ سے بہت سے معارف و
حقائق سننے کا اتفاق ھوا میں نے ھر چند چاھا کہ آپ کی
خدمت میں نذر پیش مروں لیکن آپ کے پایہ عالی کو دیکھتے
ھوئے مجھے اپنی اس تمنا کے اظہار کی جرأت نہ ھوئی آخر
میں ایک سفید ھرن کی کھال جانماز کے طور پر آپ کی خدمت
میں پیش کی ۔ (49)

سکینتہ اولیاء میں ھے کہ جہانگیر نے اس ملاقات کے موقع پر عرض کیا کہ آپ مجھ
سے کسی بات کی خواھش کریں آپ نے فرمایا جو کچھ میں طلب کرونگا تم دوگے؟

---

(49) اعجاز الحق قدوسی ۔ تذکرہ صوفیائے سندھ ص 224

اس نے کہا ھاں ! آپ نے فرمایا تو بس اب مجھے رخصت کی اجازت دو ۔ جہانگیر نے آپ کو نہایت تعظیم و توقیر سے رخصت کیا ۔ اور آپ واپس لاھور تشریف لے آئے لاھور آنے کے بعد بھی جہانگیر نے آپ سے خط و کتابت جاری رکھی ۔

شاہ جہاں کو بھی آپ سے بےحد عقیدت تھی ۔ وہ دو مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ھوا ۔"بادشاہ نامہ" "عمل صالح" اور "سکینتہ اولیا" میں ان ملاقاتوں کا ذکر ملتا ھے ۔ تذکرہ صوفیائے پنجاب میں "بادشاہ نامہ" کے حوالہ سے لکھا ھے ـــ

" 8 رجب 1044ھ
خدیو آگاہ اسباب صفوت وصفا رھنمائے اصحاب معرفت وتقی۔
قدوۂ شناساں صافی ضمیر میاں میر کہ جنکی تشریف آوری
سے پہلے بھی یہ گھر محیط انوار بن چکا تھا ۔ دوبارہ
تشریف لائے اور بادشاہ کی گزارش پر آپ نے بہت سے
دقائق حقائق اور غوامض و معارف کو اس دلکش طریقے پر
بیان فرمایا جو انشراع صدر اور انبساط قلب کا موجب تھا۔" (50)

شاہ جہاں نامہ کے مولف شاہ جہاں سے حضرت میاں میر کی ملاقاتوں کا ذکر کرتے ھیں کہ ـــ

"بادشاہ سلامت کشمیر سے واپسی پر دو مرتبہ ان کی خانقاہ میں حاضر ھوئے اور اتنی عقیدت ھوئی کہ بارھا کہا ھندوستان

---

(50) اعجاز الحق قدوسی ۔ تذکرہ صوفیائے پنجاب ص 578

کے عارفوں اور درویشوں میں میاں میر صاحب کو کامل پایا۔" (51)
دارا شکوہ بھی حضرت میاں میر کا عاشق تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انھوں نے بھی اس کی روحانی تربیت اور ذوق و شوق کو آب رنگ بخشا تھا ۔ دارا شکوہ اپنی تصنیف "سکینتہ اولیاء" میں لکھتا ھے کہ ایک بار میں ایسا بیمار ھوا کہ طبیبوں نے جواب دے دیا تھا ۔ میرے والد میاں میر کی خدمت میں مجھے لے کر حاضر ھوئے اور دعا کے لئے عرض کی انھوں نے اس پیالے سے جس میں خود پانی پیتے تھے پانی دم کرکے پلایا مجھے اس پانی سے شفا ملی ۔ دوسری ملاقات میں جب شاہ جہاں حضرت میاں میر کے پاس دارا شکوہ کو لے کر گیا تو وہ عقیدت کی وجہ سے ننگے پاؤں ان کی خدمت میں حاضر ھوا وہ بہت خوش ھوئے اور اس کے حق میں دعا کی ۔ لیکن جب دارا شکوہ کو ان کی بیعت کا خیال آیا تب تک وہ وفات پا چکے تھے ۔ اس لئے اس نے آپ کے محبوب ترین خلیفہ ملا شاہ محمد بدخشی سے بیعت کی سکینتہ اولیاء میں اس کی روایت ھے کہ آپ نے مجھے غائبانہ طور پر اپنی وفات کے بعد مشاھدہ اور مراقبہ سکھایا ۔ اسی عالم کی ایک اور کیفیت بیان کرتے ھوئے لکھتا ھے کہ حضرت نے مجھے اپنے سینہ سے لگا کر فرمایا اپنی امانت لے لو آپ کے سینہ مبارک سے اسقدر انوار میرے سینہ میں داخل ھوئے کہ میں نے عرض کیا حضور بس کیجئے میں اب اس سے زیادہ کا متحمل نہیں ھوسکتا اس وقت سے میں اپنے سینے کو منور اور پر ذوق پاتا ھوں ۔

وفات

حضرت میاں میر لاھوری نے بالآخر 7 ربیع الاول 1045ھ/1635ء میں وفات پائی (52) سکینتہ اولیا میں ھے کہ آخر عمر میں آپ اسہال میں مبتلا

---

(51) محمد صالح کنبوہ ۔ شاہ جہاں نامہ (اردو) مترجم ممتاز لیاقت ص 556
(52) اعجاز الحق قدوسی ۔ تذکرہ صوفیائے سندھ ص 222

ھوئے پانچ روز تک بیمار رھے اور محلہ خانپورہ میں وفات پائی آج بھی آپ کا مزار ھاشم پورہ جو اب میاں میر کے نام سے موسوم ھے زیارت گاہ خاص و عام ھے ۔ وفات کے بارے میں بھی اختلاف ھے ۔ محمد صالح کنبوہ نے "شاہ جہاں نامہ" میں ان کی وفات کے بارے میں یوں لکھا ھے ـــــ

"1044ھ/33 - 1632ء میں انتقال فرمایا مرقد منور
غلہ منڈی عالم گنج (لاھور چھاونی) کے نزدیک موضع
غیاث پور میں ھے ۔" (53)

مؤلف علمائے ہند کا شاندار ماضی رقمطراز ھیں ـــــ

"ساٹھ سال تک آپ زینت افزا لاھور رھے 7 ربیع الاول
بروز سہ شنبہ بعد نماز ظہر 1045ھ اٹھاسی سال کی
عمر پاکر دفتر ھستی کو طے کیا ۔" (54)

حضرت میاں میر لاھوری کے بہت سے مریدوں اور عقیدت مندوں نے تاریخ وفات کہہ کر اپنی عقیدت اور دلی سوز و غم کا اظہار کیا ۔ ملا فتح اللہ جو آپ کے مریدوں میں سے تھے کی یہ تاریخ آپ کے گنبد کے دروازہ پر کندہ ھے ۔

میاں میر سر دفترِ عارفاں * کہ خاک درش رشکِ اکسیر شد
سفر جانب شہر جاوید کرد * ازیں محنت آباد دل گیر شد
خرد بہر سال وفاتش خوشت * بفردوس والا میاں میر شد

1045ھ

---

(53) محمد صالح کنبوہ (ممتاز لیاقت) شاہ جہاں نامہ ص 556
(54) محمد میاں ۔ علمائے ھند کا شاندار ماضی ص 434

خزینتہ الاصفیا؁ میں مفتی غلام سرور لاھوری نے ان کی تاریخ ولادت و وفات کہہ کر اس طرح اظہار عقیدت کیا ھے۔ ؎

میر دنیا و دیں میاں میرہست * واقف راز و محرم اسرار
ھست "میر بہشت" تولیدش * ھم میاں میر چشمہ؁ انوار
957ھ
باز فرمود شیخ والا جاہ" * عقل تولید او بصد تکرار
"بندہ؁ مقتدا میاں میرہست * سال تولید آں شہ ابرار
957ھ

ھادی صدق میر اشرف خاں * وصل آں شاہ زبدتہ الاخیار
1045ھ
نیز فیاض حق ولی آمد * ھم میاں میر دستگیر ای یار(55)
1045ھ

حضرت میاں میر کے مزار مبارک کی تعمیر کے لئے دارا شکوہ نے تمام مسالہ جمع کیا لیکن ابھی تعمیر کی نوبت نہ آئی تھی کہ دارا شکوہ اپنے بھائی کے حکم سے قتل کیا گیا ۔ بہت دن تک مزار کی عمارت نامکمل رھی کئی سال بعد عالمگیر آپ کے مزار پر حاضر ھوا اور اس نے عمارت کو مکمل کرایا ۔ دارا شکوہ کی بیوی نادرہ کی قبر بھی آپ کے مزار مبارک کے قریب ایک شکستہ بارہ دری میں واقع ھے ۔

حضرت میاں میر نے باوجود کمال و فضل کے کوئی کتاب نہیں لکھی اور نہ کبھی کوئی شعر فرمایا ۔ لیکن پھر بھی جب کبھی کسی آیت یا حدیث یا بزرگوں کے مشکل اشعار کے معنی بیان فرماتے تو علما و فضلا دنگ رہ جاتے

(55) اعجاز الحق قدوسی ۔ تذکرہ صوفیائے پنجاب ۔ ص 585

لیکن اگر آپ کے بیان کئے مضامین و مطالب کو کوئی لکھنا چاھتا تو آپ ناپسند فرماتے تھے ۔ ایک دفعہ آپ کی مجلس میں " التعظیم الامر اللہ والشفقتہ علی خلق اللہ " پر گفتگو چھڑی ۔ اس مجلس میں ایک عالم موجود تھے آپ نے ان سے پوچھا کہ اس قول کا کیا مطلب ھے ۔ انھوں نے کہا کہ امر الہی کو بجا لانا چاھئے ۔ اور اللہ کے بندوں سے مہربانی سے پیش آنا چاھئے آپ نے فرمایا اس سے بہتر معنی بیان کیجئے انھوں نے عرض کیا کہ آپ ھی ارشاد فرمائیں ۔ فرمایا امر سے مراد روح ھے جیسا کہ قرآن پاک میں ھے "قل الروح من امر ربّی ۔ روح کی تعظیم یہ ھے کہ اسے یادِ الہی سے غافل نہ رکھا جائے اور خطرات سے دور کیا جائے اور خلق سے مراد خلقت ھی ھے ۔ یعنی اپنے اعضاء ان پر شفقت یہ ھے کہ ان سے کوئی فعل خلاف شرع صادر نہ ھو تاکہ وہ آخرت کے عذاب میں گرفتار نہ ھوں ۔ ایک دفعہ اپنے بعض مریدوں سے مخاطب ھوکر فرمایا کہ میری ھڈیوں کو نہ بیچنا اور میری قبر پر دوسروں کی طرح دوکان نہ بنا لینا ۔ فرمایا کرتے تھے حب جاہ کو دل سے نکالنا بڑا کام ھے میاں میر کے خلفاء میں حاجی نعمت اللہ سرھندی ۔ ملا بدخشی ۔ میاں نتھا صاحب ۔ حاجی وصطفی ۔ ملا حامد گجر ۔ ملا روحی مسمی بہ ابراھیم ۔ ملا خواجہ کلاں حاجی صالح کشمیری ۔ ملا عبد الغفور وغیرہ قابل ذکر ھیں ۔ حضرت میاں میر لاھوری نے تمام عمر پارسائی و تجرّد میں گذاری شادی بیاہ بال بچوں کے بکھیڑے میں نہ پڑے فقر و غنا اور بے نیازی کا حال یہ تھا کبھی کسی سے کچھ سوال نہ کیا ۔ اھل دنیا کو ملا حق کا پھندا توڑنے کی تلقین کرتے جو سعادت مندان کے حلقہ میں داخل ھوکر طریقت کی منزل میں قدم رکھتا بہت جلد اونچے درجے

تک پہنچ جاتا ۔ آخری عمر میں ہر وقت محبوب حقیقی کا جلوہ نظر میں سمایا رہتا اور سب سے بیگانے ہوکر گوشہ عزلت میں بیٹھے رہتے ہے (56)

6 ۔ ملا محمود جونپوری (1015ھ تا 1062ھ/1653ء)

ابتدائی حالات ۔۔

ملا محمود جونپوری عہد شاہ جہانی کے معقولات و منقولات کے ممتاز علماء و فضلاء کی فہرست میں شامل ہیں خاندانی روایات کے مطابق ملا محمود جونپوری کی ولادت نورالدین جہانگیر کی سلطنت کے دوسرے سال رمضان المبارک 1015ھ میں جونپور میں ہوئی ۔ (57)

لیکن تجلی نور کے مصنف مولوی نورالدین زیدی اور مولانا عبدالحئی نے "نزهته الخواطر" میں اس سے اختلاف کرتے ہوئے ملا محمود کی پیدائش 993ھ لکھی ہے جو صحیح معلوم نہیں ہوتی .نزهته الخواطر کے مولف لکھتے ہیں ۔۔

> "الشیخ الامام العالم الکبیر العلامته الشهیر محمود بن محمد العمری الجونپوری احد الافضل المشهورین لم یکن فی زمانه مثله فی العلوم الحکمیه والمعارف الالهیه ولد جونپور سنته ثلاث و تسعین و تسع ماته ۔" (58)

---

(56) محمد صالح کنبوه ۔ شاه جہاں نامه ص 556

(57) سید اقبال احمد ۔ تاریخ سلاطین شرقی و صوفیائے جونپور ج 2 ص 1345

(58) عبدالحئی الحسنی ۔ نزهته الخواطر ج 5 ص 409

ملا محمود جونپوری کی ولادت کے بارے میں "معارف" میں قدرے وضاحت سے یوں تحریر کیا گیا ھے ـــ

"ملا صاحب اپنے گھر کی روایت کے مطابق سلطان نورالدین جہانگیر کی سلطنت کے دوسرے سال رمضان 1015ھ میں پیدا ھوئے مولانا ابوالخیر نے "شیر و شکر" میں تصریح کی ھے ولادت با سعادتش در مبارک سنه ھزار و پانزدہ واقع شد مگر "تجلی نور اور "نزھته الخواطر" میں ملا صاحب کی پیدائش 993ھ درج ھے جو صحیح نہیں ھے ملا صاحب کی جائے پیدائش جونپور ھے جیسا کہ انھوں نے خود "الفرائد" کے شروع میں تحریر فرمایا ھے اما بعد فیقول العبد الملتجی الی ربه الصمد محمود بن محمد الفاروقی محتداً الجونفور ی مولداً ..... ان کے والد شیخ محمد 4 ربیع الاول 1027ھ میں فوت ھوئے اس وقت ملا صاحب کی عمر 12 سال سے بھی کم تھی اور نانا شیخ شاہ محمد زندہ تھے انھوں نے اپنے نواسے کو اپنی تعلیم و تربیت میں پروان چڑھایا ۔" (59)

ملا محمود جونپوری ماں کی طرف سے عثمانی اور باپ کی طرف سے فاروقی تھے ابتدائی تعلیم ملا شمس الدین سے جونپور ھی میں حاصل کی بارہ سال کی عمر میں ھی باپ کے سایہ شفقت سے محروم ھوگئے لہذا تعلیم و تربیت کا دوسرا مرحلہ ننھیال میں نانا کے زیر نگرانی انجام پایا ۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے

---

(59) مولانا قاضی اطہر مبارکپوری ۔ دیار پورب میں علم اور علما ص 306و 307
معارف جون 1973ء ص 424

بعد جونپور کے افضل العلماء استاذ محمد افضل بن ھمزہ جونپوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ۔ سبحتہ المرجان میں لکھا ھے کہ ھندوستان میں دو فاروقی ایسے گزرے ھیں جن کا جواب نہیں ان میں سے ایک فاروقی شیخ احمد سرھندی اور دوسرے علوم عقلیہ و ادبیہ کے ماھر ملا محمود جونپوری پرورش اور نشوونما کا تذکرہ "نزھتہ الخواطر" کے مؤلف اس انداز میں کرتے ھیں ـــــ

"و نشأ فی محمد جد شاہ محمد و قرأ علیہ الکتب الدرسیتہ
ثم لازم الشیخ الاستاذ محمد افضل بن ھمزہ العثمانی الجونپوری
و اخذ عنہ و اقبل علی المنطق والحکمتہ اقبالا کلیا حتی برز
فی تلک الفضائل و بریع اقرانہ ولہ
بسمع عشرتہ سنتہ ۔ وکان غایتہ فی الذکاء و الفطنتہ و سیلان
الذھن و قوتہ الحفظ والادراک ۔" (60)

طالب علمی کے ھی زمانے میں ایسی شہرت اور ناموری حاصل ھوئی کہ بڑے بڑے علماء و فضلاء علمی مسائل پہ گفتگو کرنے سے احتراز کرتے اور آپ کی استعداد صلاحیت کے معتقد تھے ۔ وہ ملا محمد افضل جونپوری کے نہایت ھی چہیتے شاگرد تھے ان کے شاگردوں کی اگرچہ ایک طویل فہرست ھے مگر ان میں سب سے زیادہ شہرت ملا محمود جونپوری کو حاصل ھوئی ۔ استاذ الملک ملا افضل اپنے دونوں شاگردوں دیوان عبدالرشید (م 1083ھ) اور ملا محمود جونپوری (م 1062ھ) پر بڑا فخر کرتے تھے ۔ انھوں نے 17 سال کی عمر میں علوم

---

(60) سید عبدالحئی الحسنی ۔ نزھتہ الخواطر ۔ ج 5 ص 409

میں علوم کی تکمیل کے بعد درس کو زینت بخشی کم عمری میں اس عظیم کارنامے کا ذکر "البحرالعلوم" کے مؤلف یوں کرتے ھیں ـــــ

" وفرغ من تحصیل العلوم و ھوابن سبع عشرته سنته له تصانیف شھیرته منھا الفرائد شرح الفوائد (القاضی عضدالدین الایجی فی المعانی والبیان) و علق علیه حاشیته احسن فیھا کل الاحسان ـ" (61)

ملا محمود جونپوری تعلیم سے فراغت کے بعد درس و تدریس میں مشغول ھوگئے دور دراز علاقوں سے تشنگان علم آپ سے فیض حاصل کرنے کے لئے جونپور آنے لگے ملا محمد صادق ملا دائم قادری ـ ملا محمد جمیل اور بہت سے شاگردوں نے آپ سے علم حاصل کرکے گھر کی چوکھٹ سے ایوان شاھی تک آپ کی شہرت میں چار چاند لگائے ـ حتی کہ شاہ جہاں بھی آپ کی لیاقت اور قابلیت کا قائل ھوگیا ـ اس نے ملا جونپوری کو دارالسلطنت دھلی میں طلب کرکے زمرهٔ فضلائے شاھی میں شامل کرلیا اور منصب سہ صدی ذات سے نوازا جب وہ دھلی بادشاہ کی طلب پر آئے تو وزیر سعد اللہ خان نے ان کا شاھانہ طریقہ سے استقبال کیا اور دربار میں شاہ جہاں نے ان کو اپنے پہلو میں جگہ دی جس سے ان کی شہرت میں مزید اضافہ ھوا ـ انھیں بادشاہ اور اس کے امرأ وزرأ کی خصوصی توجہات حاصل تھیں شاہ جہاں ـ شہزادہ شجاع ـ آصف خاں ـ شائستہ خاں اور سعد اللہ خاں وغیرہ ان کے عقیدت مندوں میں شامل تھے ـ مستقل جاگیر کے علاوہ درباری منصب بھی عطا کیا گیا تھا ـ وہ نہایت فارغ البالی سے

---

(61) نواب صدیق حسن خان ـ ابجد العلوم - ص 901

زندگی بسر کرتے تھے - جونپور کے مدرسہ شاھی میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رھے ان کے معاصر تذکرہ نگار بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان ھیں محمد صالح کنبوہ لکھتے ھیں ــــ

"فضل و دانش کا نیّر تاباں جونپور میں پیدا ھوا سخنوری اور سخندانی میں بڑا فضل و کمال پایا تھا - تمام علوم بالخصوص فلسفہ ، منطق ، ریاضی ، طبیعات ، الٰہیات اور منقولات میں بڑے باکمال مقابلہ کرنے سے بڑے عاجز تھے - لیکن تیز زبانی اور گویائی سے بہرہ مند نہ تھا - البتہ تحریر و تصنیف میں اس کا قلم نہایت رواں تھا کلام اللہ کی تفسیر اور حقائق اشیاء کی تشریح کرتے وقت ایسے ایسے نکتے قلم سے نکلتے تھے کہ معنی پردازی کا حق ادا ھو جاتا -" (62)

ملا محمود جونپوری کی بتحر علمی کی شہادت سید اقبال احمد جونپوری اپنی شہرہ آفاق کتاب " تاریخ سلاطین شرقی و صوفیائے جونپور" میں یوں دیتے ھیں وہ لکھتے ھیں کہ ــــ

"شاہ ایران کی طرف سے ایک سفیر اکمج نامی شاہ جہاں کے دربار میں آیا وہ مادر زاد اندھا تھا - لیکن قدرت نے اس کی چشم باطن کو روشن کردیا تھا - علوم عقلی و نقلی میں اور دیگر علوم و فنون میں اس کو مہارت تامہ حاصل تھی -

---

(62) محمد صالح کنبوہ ترجمہ ممتاز لیاقت - شاہ جہاں نامہ ص 566

اس نے "اثبات ھیولٰی" پر علماء ھند سے مناظرہ کی خواھش
ظاھر کی بادشاہ نے اکبرآباد وغیرہ کے علماء کو بلایا مگر مناظرہ
میں وہ اکمج کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور شکست فاش ھوگئی
شاہ جہاں کو اس واقعہ سے بڑا افسوس اور تعجب ھوا اس نے
ارکان دولت سے کہا میری قلمرو میں بڑے بڑے علماء و فضلائے
روزگار موجود ھیں لیکن اس میں سے کسی ایسے عالم کو بلایا
جائے جو اکمج سے مناظرہ کرسکے اور ھندوستان کی شان پر
کوئی حرف نہ آئے وزیر سعد اللہ خاں جو حضرت ملا محمود
جونپوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرچکے تھے ان کو آپ کی
ذھانت و فطانت کا پورا علم تھا ناظم جونپوری کے نام شاھی
فرمان بھیجا کہ علامہ کی خدمت میں خود حاضر ھوکر اور
شاھی فرمان پیش کرکے پھر کسی طرح ان کو دارالخلافہ آنے
کے لئے راضی کیا جائے چنانچہ ملا محمود جونپوری بہت ھی
کروفر اور جاہ و جلال کے ساتھ دھلی روانہ ھوئے اور جب
قریب دھلی پہنچے تو وزیر سعد اللہ خاں آصف خاں اور
دوسرے ارکان دولت نے بڑھکر حضرت ملا کا استقبال کیا
اور کمال تعظیم و توقیر اور عزت و حرمت کے ساتھ ان کو
دربار میں لے گئے اور شاہ جہاں کے حکم سے مجلس
مناظرہ منعقد ھوئی جس میں اثبات ھیولٰی کی بحث چھڑ
گئی ۔ اکمج نے اثبات ھیولٰی پر بہت سے دلائل پیش کئے
اور خزانہ علم کو خالی کردیا حضرت ملا محمود جونپوری نے

اکمج کی ہر دلیل کا ایسا کافی و شافی جواب دیا کہ تمام
حاضرین مجلس انگشت بدنداں رہ گئے ۔

"آخر میں اکمج نے حضرت ملا صاحب سے کہا اچھا اگر آپ
کے پاس اثبات ھیولیٰ پر کوئی دلیل ھو تو بیان کریں حضرت
ملا نے اثبات ھیولی پر اپنا ایک رسالہ "الدولتہ المیادتہ فی
حدیقتہ الصورتہ و المادتہ" پیش کیا ۔ اس کے علاوہ اثبات
ھیولیٰ پر چند خاص دلائل بیان کئے اس کو سن کر اکمج
بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا اور حضرت ملا کے ھاتھوں کو
بوسہ دیا اور اپنی کمر کا خنجر ان کی کمر میں باندھ دیا
اور ان الفاظ میں حضرت ملا محمود جونپوری کے علم و فضل
کا بھری مجلس میں اقرار و اعتراف کیا ۔

"جوانے بایں فہم و فراست از ولایت ایران تا ھندوستان
کمستر یافتہ ۔" (63)

(ترجمہ) ایسی فہم و فراست اور ذھانت و فطانت کے جوان عالم ایران سے لے کر ھندوستان تک بہت ھی کم نظر آئے ھیں ۔"

شاہ جہاں ملا محمود جونپوری کی کامیابی پر بہت خوش ھوا اور زر و جواھر سے بھرا ھوا خوان ان کی خدمت میں پیش کیا چند روز بعد جب اکمج واپس ایران جانے لگا تو اس نے درخواست کی ملا جونپوری کی تصانیف بھی شاھی تحائف میں شامل کی جائیں اور شاہ ایران کی خدمت میں بھی یہ تحفہ

---

(63) مولانا اطہر مبارکپوری ۔ دیار پورب میں علم اور علماء ص 314-317

بھیجا جائے ۔ ملا محمود خود بھی بڑے غیور و حساس تھے اور علماء و فضلاء کی غیرت و حمیت سے بھی اچھی طرح واقف تھے انھوں نے بادشاہ سے کہا کہ یہ عالم حد درجہ غیور و حساس ہے اور معقولات میں کسی کو اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتا اس مناظرہ میں شکست فاش اور خفت کی وجہ سے یہ زندہ نہیں رہ سکے گا ان کا یہ اندازہ بالکل صحیح ثابت ہوا اور اکمج اکبرآباد سے ایران جاتے ہوئے تیسری ہی منزل پر فوت ہوگیا ۔

حوض شمسی کا واقعہ ـــ

ملا محمود جونپوری کو نہ صرف یہ کہ حکمت و فلسفہ پر مہارت حاصل تھی بلکہ ریاضی حساب اور مقدار و پیمائش کا بھی بخوبی علم تھا ایک مرتبہ وہ احباب کے ساتھ سیر کرتے ہوئے دہلی میں حوض شمسی تک پہنچے اس حوض میں جھانک کر دیکھا اور برسبیل تذکرہ کہنے لگے کہ اس میں پانی مقدار اتنی ہے تو لوگوں کو بڑا تعجب ہوا اور ان کی آزمائش کرنی چاہی چنانچہ تھوڑے عرصہ بعد اس حوض سے کچھ پانی نکال دیا گیا پھر اس کے بعد ان کا جب دوبارہ ادھر سے گزر ہوا تو دوستوں نے پوچھا اب بتائیے حوض میں پانی کی مقدار کتنی ہے انھوں نے بغور جائزہ لیا اور فرمایا اس میں سے اتنی مقدار میں پانی نکال لیا گیا ہے اور یہ مقدار اتنی تھی جتنے گھڑے نکالے گئے تھے ۔ یہ سن کر لوگ آپ کی حکمت دانشمندی اور فن مہارت کے معترف ہوگئے ۔ "تاریخ سلاطین" شرقی و صوفیائے جونپور کے مؤلف ان کے بارے میں لکھتے ہیں ـــ

"ایک بار شاہ جہاں لاہور گیا اس کے ساتھ ملا محمود جونپوری اور حضرت ملا عبدالحکیم سیالکوٹی بھی تھے یہ

تینوں حضرات حضرت میاں میر لاهوری کی خدمت میں پہنچے
لیکن اقلیم فقر کا یہ تاجدار (میاں میر) ان لوگوں کی طرف
متوجه نه هوا اس کا ان اقلیم دنیا کے شہنشاهوں کو رنج هوا
اور عالمانه شان میں میاں میر سے کہا ۔

"توجه بعلماء نه کردن چه معنی دارد "

پھر بھی میاں میر نے اس کا کوئی جواب نه دیا اندر گئے
اور اپنا کمبل لاکر بچھا دیا اور اس پر خود مؤدب هوکر
بیٹھے اور ان دونوں فاضلوں کو بھی بٹھا کر فرمایا ۔ میں
جاهل هوں اور آپ حضرات عالم هیں اس شعر کا مطلب مجھے
سمجھا دیں ـــ

مبادا دل آں فرو مایه شاد * که از بہر دنیا دہددیں بباد

(ترجمه) ایسا نه هو که دل فرومایه شاد هو جائے جس نے دنیا کے لئے
اپنا دین بادشاہ کی نذر کردیا هے ۔

یه شعر سن کر حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی لوٹنے لگے اور گریه
کی کیفیت طاری هوگئی اور ملا محمود بہت هی متاثر هوئے گریبان چاک کرڈالا
اور درباری زندگی اور شاهی ملازمت و جاه حشم ترک کرکے جونپور چلے گئے
اور باقی زندگی تدریس و تصنیف میں گذار دی۔" (64)

جونپور واپس آکر تصوف کی طرف مائل هوئے اور جب شاہ شجاع کی
تربیت کے لئے بنگال گئے تو شیخ نعمت الله فیروزی سے بیعت و ارادت حاصل

---

(64) سید اقبال احمد ۔ تاریخ سلاطین شرقی و صوفیائے جونپور ۔ ص 349 1

کی اور اپنا زیادہ وقت ذکر و ازکار و ریاضت میں گذارا - وہ حکیم و فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ شاعرانہ ذوق بھی رکھتے تھے - انھیں تمام علوم پر مہارت تامہ حاصل تھی -

وفـــات ــــ

بالآخر دور شاہ جہانی کے اس نامور عالم نے زیادہ عمر پائے بغیر 1062ھ/ 1652ء میں اس جہانِ فانی سے کوچ کیا - مُولف مآثر الکرام یوں لکھتے ھیں ــــ

"رحلت ملا محمود نہم ربیع الاول سنہ 1062ھ اثنین و ستین و الف -" (65)

اور"نزھتہ الخواطر"میں ان کی وفات کے بارے میں لکھا ھے ــــ

"توفی لتسع خلون من ربیع الاول سنتہ اثنین و ستین و الف بمدینتہ جونپور و قبرہ مشھور ظاھر خارج البلدتہ -" (66)

اس کے بر خلاف الافاضتہ القدسیتہ کے مصنف مولنا محمد شریف مصطفی آبادی نے اپنے مقدمہ میں ان کی وفات 1032ھ بتائی ھے جو حالات و تاریخ کی روشنی میں صحیح نہیں ھے کیونکہ ملا جونپوری کی ولادت 1015ھ میں ھوئی جس پر تجلی نور اور نزھتہ الخواطر کے علاوہ سب مؤرخین کا اجماع ھے کیونکہ ملا محمود کے بہنوئی اور ھمعصر شاہ ابوالخیر ابو سعید فاروقی بھیروی نے

---

(65) غلام علی آزاد بلگرامی - مآثر الکرام ج ، 1 ص 203

(66) سید عبدالحئی الحسینی - نزھتہ الخواطر - ج : 5 ، ص : 411

بھی ان کی وفات 1062ھ میں بتاتی ھے ان کی وفات علم و فن کی وفات تھی ۔ ملا محمود جونپوری کے استاذ ملا محمد افضل کو ان کی وفات کا صدمہ اس قدر ھوا کہ چالیس دن تک مسکرائے تک نہیں اور پھر اسی غم و اندوہ کی حالت میں انتقال کرگئے ۔ تجلی نور کے مصنف نے ملا جونپوری کی وفات پر اپنے جذبات کا اظہار کیا ھے ؎

"دریغا ز دنیائے نا پائیدار * سفر کرد محمود عالی تبار
ستھی شد زمانہ ز علم وھنر * بجز جاھلے نیست کہ غمگسار
زمیں گردش آسماں نیلگوں * سیہ گشت گیتی جہاں سوگوار
رگ ابرار اشکباری ھنوز * مطرِ برق ورما تمش بیقرار (67)

(ترجمہ) ھائے افسوس ملا محمود عالی تبار اس دنیائے بے ثبات سے رخصت ھوگئے ۔ زمانہ علم و ھنر سے خالی ھوگیا اب جاھلوں کے سوا کوئی غمگسار باقی نہیں رھا ۔ محمود کے ماتم میں زمین غبار ھوگئی نیلگوں آسمان کالا پڑ گیا ساری دنیا غمزدہ ھوگئی ۔ بادل آج تک انسو بہا رھے ھیں ۔ بجلیاں آج تک پیچ و تاب کھا رھی ھیں ۔

حضرت ملا محمود جونپوری کے بارے میں مؤلف تاریخ سلاطین شرقی اور صوفیائے جونپور رقمطراز ھیں ۔

"ملا محمود جونپوری کی وفات 9 ربیع الاول 1062ھ/ 1652ء میں جونپور میں ھوئی ۔" (68)

---

(67) قاضی اطہر مبارک پوری ۔ "دیار پورب میں علم اور علما" ص 333
تذکرہ علمائے ھند 321 - مآثر الکرام ص 203

(68) سید اقبال احمد ۔ تاریخ سلاطین شرقی و صوفیائے جونپور ج 2
ص 1349

ملا محمود جونپوری اپنے آبائی قبرستان فتدپورہ متصل روضہ جمال خاں اندر چہاردیواری دفن ہوئے ان کے جیسی عظیم ہستی جس نے خدا داد ذہانت و فطانت سے ایران کے فلسفی سے ہندوستان کی آبرو رکھنے والے اور عرب و عجم کے علماء و فلاسفر سے خراج تحسین حاصل کرنے والے عالم کے مزار کی حالت اسقدر خراب ہے کہ عوام تو عوام علماء جونپور جو ان کی کتاب شمس بازغہ کا درس دیتے ہیں وہ بھی کبھی ایصال ثواب کے لئے مزار پر نہ گئے سید اقبال احمد ان کے قبرستان کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں —

"قبرستان کی چوحدی یہ ہے پچھم کھیت ٹھاکر داس
پورب صحن و راستہ بعدہ مکان - اتر تکیہ و عام قبرستان
و روضہء جمال خاں دکھن کھیت لال جی موریہ وغیرہ کا ہے۔" (69)

تصنیفات —

ملا محمود جونپوری کو علوم عقلیہ و نقلیہ دونوں میں یکساں مہارت تھی انھوں نے ایک طرف علوم عقلیہ میں شمس بازغہ جیسی اہم کتاب تصنیف کرکے فلسفہ میں امتیازی حیثیت قائم کی دوسری طرف علم معانی و بیان و شاعری وغیرہ میں اپنی مہارت کا ثبوت دیا ذیل میں ان کی تصنیفات کا اجمالی خاکہ پیش کیا جارہا ہے —

1 - الشمس البازغہ
2 - الفرائد فی شرح الفوائد
3 - الفرائد

---

(69) سید اقبال احمد - تاریخ سلاطین شرقی و صوفیائے جونپور ص 357

4 - الدوحته المیادته فی حدیقته الصورته والحادته

5 - رساله فی الکلی و الجزئی

6 - رساله ارتفاع النقیضین

7 - نائیکا بھید

8 - اقسام نسواں

9 - رساله جبر و اختیار

1 - شمس بازغه ـــ

یه ان کی شہرہ آفاق تصنیف ھے جو ان کے معقولی علوم و فنون کا ترجمان ھے انھوں نے اس کو ایسے وقت تصنیف کیا تھا جبکه چاروں طرف سے پریشانیوں و بیماریوں نے ان کو جکڑ رکھا تھا اور صحت و تندرستی تقریباً جواب دے چکی تھی جیسا که خود لکھتے ھیں ـــ

"کنت ادب فی التالیف دہیاوان للدھر فی تقریب جمانی
ارقالاً و تقریباً حینا او سودت کثیر امن مباحث ماقبل
الطبیعته و بقی اکثر و املیت من و طالب ما بعد الطبیعته
الاقل الاندر ھجم المرض الھیل و ضرب علی طبل الرحیل ـ" (70)

اس کتاب میں انھوں نے الحکمته البالغته کے نام سے متن لکھکر " الشمس البازغته" کے نام سے اس کی شرح کی ھے اس کے علاوہ بہت سے مباحث ان کی سخت بیماری کے سبب شمس بازغته میں آ نه سکے تھے جنھیں انھوں نے الگ رساله کی شکل میں ترتیب دیا تھا یه سب رسائل بھی شمس بازغته کے آخر میں موجود

(70) شمس بازغته (قلمی) ص 2 مسلم یونیورسٹی لائبریری علیگڑھ
سبحان الله کلکشن نمبر 110/25

ھیں ۔ بعض مؤرخین نے ان کے رسالوں کو بھی الگ تصنیف قرار دیا ھے ان رسائل کے بارے میں عبدالحئی رقمطراز ھیں کہ ملا صاحب کی تصانیف میں سے اندوحتہ المیادتہ "رسالہ کلی و الجزئی ۔ رسالہ تحقیق ۔ اجتماع نقیضین و ارتفاع نقیضین بھی ھیں ۔ جن سے غلام علی آزاد بلگرامی ناواقف تھے (71) ۔ "شمس بازغہ" صرف حکیمانہ و فلسفیانہ مباحث کا مجموعہ ھی نہیں بلکہ ادب و بلاغت کا بہترین نمونہ ھے کیونکہ وہ حکیم و فلسفی ھونے کے ساتھ ساتھ عربی ادب کا بھی نہایت ستھرا ذوق رکھتے تھے ۔ اور یہی وجہ ھے کہ آج عرصہ دراز کے بعد بھی وہ داخل نصاب ھے وہ حکمت و فلسفہ کے ساتھ ساتھ فن ریاضی میں بھی عالی نگاہ رکھتے تھے جیسا کہ محمد صالح کنبوہ کی تحریر سے واضح ھے —

"در انواع فنون دانش خصوصی علم معقول و منقول و ریاضی و طبیعی والھی ھیچ کس از رباب استعداد را قوت دعوی برابری بادے نبود ۔" (72)

ان کی اس شہرہ آفاق تصنیف "شمس بازغہ" کے مخطوطات ھندوستان کی بہت سی لائبریریوں میں محفوظ ھیں ۔ کلکتہ ۔ رام پور لائبریری ۔ نیز علیگڑھ یونیورسٹی لائبریری کے سبحان اللہ کلکشن وغیرہ میں محفوظ ھیں ۔ ان میں پہلا نسخہ جو سبحان اللہ کلیکشن نمبر 110/7 ھے ۔ یہ انتہائی شکستہ حالت میں ھے تحریر بھی بہت مشکل سے پڑھی جاتی ھے ھر صفحہ میں 21 سطریں ھیں اور کل 43 اوراق ھیں اس نسخہ کی طوالت نو اعشاریہ تین انچ ھے اور چوڑائی پانچ اعشاریہ پانچ انچ ھے ۔ اس مخطوطے کے علاوہ ایک اور نسخہ بھی اسی

---

(71) قاضی اطہر مبارکپوری ۔ دیار پورب میں علم اور علماء ۔ ص 342

(72) محمد صالح کنبوہ ۔ عمل صالح ج سوم ص 383 - 384

لائبریری میں موجود ہے ۔ سبحان اللہ نمبر 110/25 ۔ یہ بھی عربی زبان میں ہے اور صاف اور سادہ انداز میں تحریر کیا گیا ہے اس کے پہلے صفحہ پر لکھا ہے

الجزالاول ۔ ھذہ الرسالتہ مسمیًا للمتن بالحکمتہ البالغتہ والشرح بالشمس البازغہ من تصنیفات مولانا محمود الجونپوری نوراللہ تعم مرقدہ ۔

اس مخطوطے کے 230 اوراق ہیں اور ہر صفحہ میں 17 سطریں ہیں اس کی لمبائی دس اعشاریہ چار انچ ہے اور چوڑائی چھ اعشاریہ چھ انچ ہے اس کی ابتدا یوں کی گئی ہے —

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد اللہ حمد الشاکرین و اصلی علی محمد و آلہ الطاھرین

اما بعد فانی کنت قد انتصت لتعلیم ما علمنی اللہ والھمنی

والصدق المعبین و الحق الیقین من اسرار الحکمتہ الحقتہ

الحقیقہ الموزونہ بقسطاس البرھان الواجب التاع المنخولہ عن

اخالیط الجدل ......"

2 ۔ الفرائد فی شرح الفوائد —

یہ کتاب الفوائد الغیاثیہ کی شرح ہے جو مشہور عالم متکلم امام قاضی عضدالدین الایجی (م ۔ 756ھ) کی تصنیف "الفوائد الغیاثیہ" اور اس کا حاشیہ دونوں ان کے علمی ذوق و شوق اور ادب و بلاغت کا مظہر ہیں ۔ ملا محمود جونپوری جو ادب و بلاغت کے شیدائی تھے ان کو اپنے ذوق کے لئے اس فن کی

کسی معیاری کتاب کی تلاش تھی آخر ان کی نگاہ انتخاب "الفوائد الغیاثیہ" پر ٹھہری اور اس کی بہترین شرح کی اور شاہ جہاں کی نذر کردی اور جو لوگ ان کو صرف حکیم و فلسفی سمجھتے تھے ان کے اس کارنامہ پر ششدر رہ گئے۔

ملا محمود جونپوری نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "الفرائد فی شرح الفوائد" لکھنے کے بعد خود ھی اس کا حاشیہ بھی لکھا ھے جس سے اس کی قدر و منزلت میں اور اضافہ ھوگیا ۔ علمائے کرام نے ان کے اس کارھائے نمایاں کو نہ صرف سراھا بلکہ ان کی شان میں توصیفی کلمات بھی کہے ۔ مولانا آزاد بلگرامی نے لکھا ھے کہ ملا محمود نے فوائد کے حاشیہ میں نہایت عمدگی اور سلیقہ مندی سے کام لیا ھے یہ حاشیہ در حقیقت بڑی شرح ھے جس سے ان کی بتحر علمی کا اندازہ لگایا جاسکتا ھے ۔ وہ لکھتے ھیں ـــ

"و علق علیہ حاشیہ احسن فیھا کل الاحسان و ھو شرح بلیل القدر یعرف منہ بتحرہ فی علوم الفصاحتہ طالعتہ کثیرا۔" (73)

مولانا عبدالحئی فرنگی محلی نے شمس بازغہ کے آخر میں لکھا ھے کہ ملا صاحب نے الفرائد پر حاشیہ تحریر کیا جو اصل کتاب سے زیادہ ھے اس میں خوش کن عجائب بیان کئے ھیں جن سے ذھنوں کو نشاط اور کانوں کو فرحت ملتی ھے ۔

3 ـ الدوحتہ المیادتہ فی حدیقتہ الصورتہ والمادتہ ـــ

ملا محمود جونپوری جب شمس بازغہ تصنیف کر رھے تھے تو مختلف النوع امراض نے انھیں اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا ۔ یہ مرحلہ ان کے لئے بڑا

---

(73) قاضی اطہر مبارکپوری ۔ دیار یورپ میں علم اور علماء ص 343

غلام علی آزاد بلگرامی ۔ سبحتہ المرجان ص 53

دشوار کن تھا ۔ اس دوران انھوں نے ماقبل الطبیعہ کے بہت سے مباحث کا مسودہ تیار کرلیا تھا جو ان کے مقررہ معیار کے عین مطابق تھا ۔ چنانچہ انھوں نے انھیں پر ابواب قائم کئے البتہ مابعد الطبیعہ کے جو گنجلک مسائل تھے اور جس کی نظم و ترتیب کے لئے وقت درکار تھا ان مسائل مبادی اجسام کو بعد میں ایک علیحدہ رسالہ کی شکل میں مرتب کیا جس کا نام " الدوحته المیادته فی حدیقته الصورته المادته" رکھا جیسا کہ شمس بازغہ میں خود فرماتے ھیں —

"وکان ماسورته مما قبل الطبیعته الذی کنت فردته وکان ما شھرلی من تالیف ما بعد الطبیعته مباحث مسوده قریب مما یترتب علیه الکتاب و قدرته علیه نظم الابواب والا ان جملته منھا کان تنسبقه النظام وھی المباحث المتعلقته بمبادی الاجسام وجعلتھا رسالته مفرد بالدوحته المیادہ فی حدیقته الصورته والمادته ۔" (74)

5 - رسالہ فی الکلی و الجزئی —

یہ رسالہ بھی ملا محمود جونپوری کی غیر معمولی ذکاوت و ذھانت کا اعلی شاھکار ھے جو فی الحقیقت شمس بازغہ کے مباحث کا تتمہ اور تکملہ ھے اور شمس بازغہ کسے آخر میں الدوحته المیادته فی حدیقته الصورته والمادته کے بعد بسم اللہ سے شروع ھوتا ھے اور متن و شرح پر مشتمل ھے ۔

---

(74) شمس البازغہ (قلمی) ص 2 - سبحان اللہ کلکشن نمبر 110/25
مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ

6 - رسالہ ارتفع النقیضین

مولانا عبدالحئی فرنگی محلی نے اس رسالہ کا نام رسالہ فی تحقیق اجتماع النقیضین و ارتفاعھا لکھا ھے - یہ رسالہ بھی شمس بازغہ کے آخر میں متن و شرح پر مشتمل ھے اور رسالہ کلی والجزئی کے بعد فی ارتفاع النقیضین کے نام سے شروع ھوتا ھے -

7 - نائیکا بھید

ملا محمود جونپوری اپنے دور کے عالم بے کراں تھے جنھیں تمام مروجہ علوم میں مہارت حاصل تھی - وہ حکیم و فلسفی ھونے کے ساتھ شاعرانہ ذوق بھی رکھتے تھے ان کی زندہ دلی اور شاعرانہ دلچسپی کا ثبوت ان کا رسالہ "نائیکا بھید" ھے یہ فارسی زبان میں ھے اور اب نایاب ھے قاضی اطہر مبارکپوری کے علاوہ تمام تذکرہ نگاروں نے ان کے اس شاعرانہ ذوق سے پہلو تہی کی ھے - قاضی صاحب نے نائیکا بھید کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ھے - مولانا آزاد بلگرامی کے بقول اس میں عورتوں کی قسمیں بیان کی گئی ھیں ان کی شاعری کے متعلق قاضی اطہر مبارکپوری نے تجلی نور کے حوالے سے لکھا ھے —

"ملا محمود جونپوری طبع سخنوری ھم نیکو داشت
شاعر اوابند و موجد انداز ھائے دل پسند بود
تخلص محمود کرد دو دیوان فارسی دارد یکے
دیوان شعراء دو عین مستند شعراء -" (75)

(75) قاضی اطہر مباکپوری - دیار پورب میں علم و علماء ص 328

(ترجمہ) ملا محمود شاعرانہ طبیعت رکھتے تھے وہ نہایت اچھے شاعر اور دل پسند طریقوں کے موجد تھے ۔ کامیاب شاعر تھے ۔ تخلص محمود تھا ان کے فارسی اشعار کے دو دیوان تھے ایک دیوان شعراء اور دوسرا مستند شعراء قاضی صاحب آگے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کے دونوں دیوان صرف ان کے اشعار پر مشتمل نہ تھے بلکہ ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک میں مختلف شعراء کے منتخب اشعار تھے جن میں انھوں نے اپنے اشعار بھی درج کئے تھے اور دوسرے مستند شعراء کے حالات و اشعار تھے ۔ انھوں نے تجلی نور کے حوالہ سے ملا محمود کے چند اشعار لکھے ہیں ؎

"ہر آں مے کہ ندارد خمار در لب تست
چرا در چشم تو پیوستہ در خمار بود
اشکے کہ راز عشق بگوید فعشاند نیست
طفلے کہ خوش محاورہ افتد نماند نیست
حظ کر و ظاہر آں دہن غنچہ رنگ را
درکار بودہ حاشیہ ایں متن تنگ را
ہر صوفی بے وجد و حال است عبادت
ہر شیشہ کہ خالی مست ذمے سجدہ حرام است
ریخت کافر بچہ خون مسلمان را
یاد آں روز کہ من نیز مسلمان بودم
سبب چاک گریباں من خستہ مپرس
کہ شب غم باجل دست و گریباں بودم" (76)

---

(76) قاضی اطہر مبارکپوری ۔ دیار پورب میں علم اور علماء بحوالہ تجلی نور ص 329

(ترجمه) هر[1] وہ شراب جس میں تیرے ہونٹوں کا نشہ نہ ہو تو تیری آنکھ بھی ہمیشہ خمار آلود ہو - جن[2] آنسوؤں سے راز عشق ظاہر ہو وہ جھڑ جاتے ہیں خوش گفتار بچے زندہ نہیں رہتے - پھول[3] جیسے چہرے کو نمایاں کرنے کے لئے خط ضروری ہے یعنی مختصر عبارت (متن) کی تشریح کے لئے حاشیہ ضروری ہوتا ہے - بے[4] حال صوفی پر عبارت بھی وبال ہے جو شیشہ شراب سے خالی ہو اس پر سجدہ حرام ہے - جب کافر[5] نے مسلمان کا خون بہایا تو مجھے بھی یاد آیا کہ کبھی میں بھی مسلمان تھا یعنی اگر میں آج تک سچا پکا مسلمان ہوتا تو مجھے بھی جام شہادت میسر ہوتا - میری خستہ[6] حال چاک گریبانی کی کیفیت نہ پوچھ اس لئے کہ غم کی رات ایسی گذری ہے جس میں میں اور موت باہم دست و گریباں تھے یعنی میں موت کی کشمکش کر رہا تھا -

8 - اقسام نسواں

ملا محمود جونپوری کا یہ چہار ورقہ رسالہ فارسی زبان میں ہے جو بقول مولنا آزاد بلگرامی فن نائیکا بھید میں ہے جس میں باعتبار سن و سال و بلحاظ بعمر و مراتب عورتوں کی مختلف قسمیں اور الگ الگ نام بیان کئے گئے ہیں اگرچہ یہ کتاب نایاب ہے لیکن بعض مؤرخین اس کا ذکر کرتے ہیں ــ

"و للعلامتہ رسالتہ موجزہ اربعتہ اوراق متوسطتہ بالفارسیتہ فی
اقسام نسواں بین فیھا اقسامھن و تعارلیفھن خالیتہ من الامثلتہ
لتعدرھا لان الفرس مغاذ التھم بالاثمار دلنا لجزائد -" (77)

---

(77) غلام علی آزاد بلگرامی - سبحتہ المرجان ص 54

ما بعد کے تذکرہ نگار جنھوں نے ملا جونپوری کی اس نایاب کتاب کا حوالہ دیا ھے ان میں سے بیشتر کا مآخذ و مرجع یہی چند کتابیں شیروشکر۔ تجلی نور۔ اور سبحتہ المرجان وغیرہ ھیں ۔

9 - رسـالہ تحقیق قـضا و قـدر (جبر و اختیار) ـــ

یہ رسالہ قضا و قدر کی تحقیق میں فارسی زبان میں ھے اس کا تذکرہ قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی کتاب میں یوں کیا ھے ـــ

"اس رسالہ کا اردو ترجمہ سرشاہ سلیمان نے الہ آباد میں ایک عالم سے کرایا تھا ۔ جس پر مولنا محمد شریف مصطفی آبادی صاحب الافاضتہ القدسیتہ نے تعاقب لکھکر دوسرے کے نام سے شایع کیا تھا ۔ مولنٰا اس زمانہ میں مدرسہ مصباح العلوم میں صدر مدرس تھے ۔" (78)

اس کے بعد اس رسالہ کو علی مہدی خاں نے 1934ء میں ایڈٹ کراکے برکات اکبر پریس الہ آباد سے شائع کیا جس میں متن کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی شامل ھے اس کے مقدمہ میں جونپور شہر کی سیاسی۔ سماجی و معاشرتی اور علمی و ادبی تاریخ سے بحث کی گئی ھے لیکن کافی تلاش کے بعد بھی یہ نسخہ حاصل نہ ھوسکا ۔ علی مہدی خاں اس رسالہ کے تعارف میں لکھتے ھیں فطری طور پر ھمیں یہ توقع رکھنی چاھئے کہ اس کے نسخے ملا محمود کے تلامذہ اور پسماندگان کے پاس رھے ھونگے لیکن ایسا معلوم ھوتا ھے کہ اس زمانہ کے علماء فلسفہ و حکمت نے اس رسالہ کو زیادہ اھمیت نہیں دی ۔ کیونکہ بیشتر علماء کے

---

(78) قاضی اطہر مبارکپوری ۔ دیار پورب میں علم اور علماء ۔ ص 344

کے پاس اس کے نسخے مفقود تھے ۔ ان کے سوانح نگاروں نے بھی ان کی تصنیف کی جو فہرستیں دی ھیں ان میں اس رسالہ کا ذکر نہیں یہاں تک کہ ماثر الکرام ۔ سبحتہ المرجان یا تذکرہ علماء ھند میں اس کا ذکر نہیں ملتا ۔ مولنا عبدالحئی نے اس کے اصل نام کے بجائے رسالہ فی تحقیق القضاء والقدر سے موسوم کیا ھے البتہ حافظ عابد حسین جو ملا جونپوری کے خانوادے سے تعلق رکھتے تھے انھیں حسن اتفاق سے یہ رسالہ میسر آگیا تھا ۔ وہ اپنے مقدمہ میں لکھتے ھیں ـــــ

"فلما ساعد فی الزمان غب اوقات زمان رحلت الالہ اباد حرسھا اللہ عن الفساد والکساد افاد فی اللہ تعالی بالرسالتین لہ بشقّ الأنفس احدھا فی القصائد متن فی لسان عربی بین وثانیھا بالجبر والاختیار بالفارسیتہ نافعتہ القلوب الخاشیتہ والفاسیتہ فاغتنھما وحمدت اللہ علی ذلک حمداً کبیراً و حتمت ان یعم نفعھما کثیرا ۔" (79)

غالباً یہ رسالہ اس زمانہ کی تصنیف ھے جب ان پر امراض کا ھجوم تھا ۔ اور ضعف و بیماری کی وجہ سے وہ دربار کی حاضری اور خدمت گذاری سے معذور ھو چکے تھے جہاں تک موضوع کا مسئلہ ھے وہ فکر اسلامی کی تاریخ میں مشکل ترین مسئلہ ھے ۔ بقول ملا محمود جونپوری از راہ تعارض دلائل غامض ترین مسائل است " ۔ فلاسفہ متقدمین متاخرین دونوں نے اسے حل کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ھوسکے جب اسلامی دور میں فلسفیانہ مباحث کا آغاز ھوا تو مسئلہ

---

(79) رسالہ جبر و اختیار ص 5 حوالہ معارف جولائی 1973ء ص 67-66

جبر و اختیار کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ۔ عقیدہ جبر کے علمبردار جھم بن صفوان اور اس کے متبعین کا قول تھا کہ انسان مجبور ہے نہ اس کے لئے آزاد ارادہ ہے اور نہ ہی اس کو اپنے افعال کے خلق پر قدرت حاصل ہے بلکہ خود اللہ تعالی اس کے ہاتھوں اعمال و افعال کا خالق ہے جبکہ معتزلہ کا عقیدہ اس کے برعکس ہے ۔ ملا محمود جونپوری نے بھی اپنے ایک رسالہ کے آغاز میں معتزلہ کا مؤقف واضح کرنے کے بعد اسی مسلک کو واضح کیا ہے اور انسان ایک لحاظ سے مجبور ہے لیکن دوسرے اعتبار سے مختار ہے کیونکہ اس کے جملہ افعال و اعمال کسی علت کے محتاج نہیں اور وہ علت اس کی قدرت و ارادہ کا فعل سے تعلق ہے چنانچہ لکھتے ہیں ـــــ

"و ارباب تحقیق فراتراز میں ہے پردہ باصرہء بصیرت مشاہدہ نمودہ اند کہ انسان مختارے است مجبور و قادرے است مضطر کہ انعاش اختیاری و اختیارش اضطراری چہ ھمچناں کہ افعالش بواسطہء امکان محتاج بعلت است کے آں قدرت و ارادہ او بلکہ تعلق آں ارادہ و قدرت تواند بود ھمچنان کہ تعلق قدرت و اختیار ممکن نہ واجب جائز است نہ ضروری پس بنابریں ناچار محتاج بود بہ مرجح کہ جانب وجودش را بر علوم ترجیح دھد و از جھت و ارادہ او کہ بقدرت و ارادہ حق تعالیٰ مشوط مربوط بود ۔" (80)

آگے لکھتے ہیں کہ جس وقت قدرت و ارادہء انسانی کا تعلق فعل کے ساتھ بشرط وجود جملہ اسباب خارجیہ پیدا ہوتا ہے لازمی طور پر فعل معرض وجود میں آجاتا

---

(80) قاضی اطہر مبارکپوری ۔ دیار پورب میں علم و علماء ص 369

ہے اور جب یہ تعلق معلوم ہوتا ہے تو وجود فعل محال ہو جاتا ہے اس کی توضیح خود ملا محمود جونپوری فرماتے ہیں ـــــ

"و اگر کسے نگاہے ژرف از نظام عالم بکار مردہ ارسوافل بعوالی و از ثوانی بہ اوائل سیر نماید بہ یقین دریابد کہ آخر این سلسلہ بہ ادیش در پیوستہ است و منتہائے این رشتہ بمبداش باز بستہ وچوں چنیں باشد پس ہنگام تعلق قدرت و ارادہ و اختیار بفعل باوجود سائر و شرائط و اسباب وجود فعل ضروری بود وگر نہ تخلف معلول از علت لازمہ آید دودفت عدم این تعلق وجود فعل محال باشد و اگر نہ ممکن از علت مستغنی گردد ۔" (81)

رسالہ جبر و اختیار کا جو اجمالی خاکہ پیش کیا گیا اس سے ملا صاحب کی عظیم المرتب شخصیت کا اور فلسفیانہ اور کلامی مباحث میں ان کی عبقریت کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے واقعہ یہ ہے کہ مسئلہ جبر و اختیار دقیق ترین اور نازک ترین مسئلہ ہے اس لئے شارع علیہ السلام نے اس میں غور و خوض سے منع فرمایا ہے لیکن ملا صاحب نے اس مسئلہ کے غوامض و حقائق کو ایسی وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ منقح و مجلی ہوکر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

---

(81) قاضی اطہر مبارکپوری ۔ دیار پورب میں علم اور علماء ص 370

باب چہارم :

علمی و ادبی کارنامے

— تفسیر
— فقہ
— عقائد و علم کلام
— منطق و فلسفہ
— علم نحو و بلاغت
— مستقل تصانیف
— متفرق

علمی و ادبی کارنامے

جیسا کہ گذشتہ ابواب میں عرض کیا جاچکا ہے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اپنے دور کے ایک با کمال عالم تھے اکثر معاصر تذکرہ نگار اور مؤرخ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں ۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے انہیں "آفتاب پنجاب" قرار دیا ہے ۔ غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے ـــــ

"علامہ زماں و افتخار زمانیاں است الحق و در جمیع فنون درسی مثل او از زمین هند بر نہ ساخت ـ"

ملا عبدالحمید لاہوری لکھتے ہیں ـــــ

"در فنون علم بنام بادشاہ دانش نواز تصانیف رائقه دارد ـ" (1)

وہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع اور اپنے عہد کے نامور عالم تھے ان کی شہرت ان کی حسین حیات میں قسطنطنیہ تک پہنچ چکی تھی چنانچہ حاجی خلیفہ (م ـ 1068ھ ـ 1657ء) نے اپنی تصنیف "کشف الظنون" میں ان کی تصانیف کا ذکر کیا ہے ۔ مولانا محمد ہاشم کشمی جو حضرت مجدد کے ارشد مریدوں میں سے تھے "زبدۃ المقامات" میں لکھتے ہیں کہ حضرت مجدد فرمایا کرتے تھے کہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی علوم عقلیہ و نقلیہ میں تصانیف عالیہ رکھتے ہیں اور اس وقت دیار هند میں ان کا کوئی ثانی نہیں ۔ ابوالفیض کمال الدین نے بھی "روضہ قیومیہ" میں لکھا ہے کہ علامہ سیالکوٹی علمائے وقت کے بادشاہ اور تصانیف عالیہ تھے (2)

---

(1) پروفیسر اختر راهی ـ تذکرہ مصنفین درس نظامی ـ ص 141

(2) دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) ج 12 (1393ء/1973ء) ص 835

ان کا دائرہ تصنیف و تالیف خاصا وسیع تھا وہ علم کلام تفسیر منطق فلسفہ صرف و نحو اصول فقہ اور علم فرائض میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور ان تمام علوم میں ان کی تالیفات موجود ہیں منطق و فلسفہ اور اسلامی عقائد سے انہیں گہری دلچسپی تھی وہ ایک فاضل مصنف اور انشاء پرداز بھی تھے جس طرح و معقولات و منقولات کے درس میں مہارت فن کا ثبوت دیتے تھے اسی طرح تصنیفات و تالیفات میں زور قلم اور متانت بیان کا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ عربی نثر میں ان کی تحریریں بہت اہمیت کی حامل ہیں ان کا تصنیفی میدان بیشتر شروح و حواشی کا رہا ہے اور ان کی تمام عمر درس و تدریس میں ہی گذری مولانا شبیر احمد خاں غوری ان کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں ـــــ

"But when after the death of Jahangir ascended the throne, he took keen interest in the promotion of learning and knowledge and began to patronize the scholars and divines of his country. His fame as patron of science and literature reached even the distant corners of Persia and scholars of that country after completing their studies in Shiraz, came to India to avail the munificence of the Timurids, so much so, that Shiraz. The University town of the then Iran, was generally regarded as a training centre of India Nahawandi in his Maathir-i-Rahimi quotes a certain physician who had heard in Persia that."

شیراز مکتب خانہ ہندوستان است (3)

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے اپنی تمام عمر درس و تدریس اور تصنیف و تألیف میں گذاری اور عہد اکبری میں اکبرآباد میں اس کے قائم کردہ مدرسے

---

(3) Journal of the Research Society of Pakistan, Oct. 1964, p.52

میں کافی عرصہ تک مشہور و معروف شاعر قدسی کے ساتھ فرائض درس و تدریس انجام دیئے جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ انہیں تمام علوم میں مہارت حاصل تھی اور ان تمام علوم میں ان کی کوئی نہ کوئی یادگار تصنیف ہے اگرچہ زیادہ تر متعروف درسی کتابوں کے شروح و حواشی ہیں مگر انہیں کی بنا پر وہ علمی دنیا میں مشہور و معروف ہیں اور ہندوستانی علماء کی صف میں ایک اعلی و ارفع مقام پر فائز- حافظ عبدالرحمان امرتسری نے اپنے سفرنامہ میں ان کی نسبت لکھا ہے۔

"مولوی صاحب شاہ جہاں بادشاہ کے زمانہ میں زبردست عالم اور صاحب تصانیف گذرے ہیں آپ نواب سعد اللہ خاں وزیر اعظم کے ہم سبق تھے ۔ عراق شام اور استنبول کی متعدد درس گاہوں میں مجھے آپ کی تصانیف داخل درس دیکھنے کا موقع ملا اگرچہ نواب سعداللہ خاں کو ہندوستان کی وزارت کا رتبہ حاصل ہے مگر ہندوستان سے باہر بلاد اسلامیہ میں علمی حیثیت سے جو شہرت مولوی عبدالحکیم کو حاصل ہے اسے کوئی مصنف حاصل نہیں کرسکتا ۔" (4)

ان کی تألیفات عام طور پر ان کے مربی و قدر دان مغل شہنشاہ شاہ جہاں کے نام معنون ہیں ۔ غرضیکہ عبدالحکیم عہد شاہ جہانی کے ان عظیم علماء و فضلاء میں سے تھے جنھوں نے اپنے خون جگر سے گلستان علم کی آبیاری کی درحقیقت وہ علمائے وقت کے بادشاہ اور بلند پایہ علمی کتابوں کے مصنف تھے ۔ جس وقت انھوں نے جنم لیا پورے عالم اسلام پر جمود و انحطاط کا دور تھا اور علماء

---

(4) حافظ عبدالرحمن امرتسری ۔ سیاحت ہند لاہور ص 60

مصنفین نے نئی نئی تخلیقات اور تصانیف لکھنے کی بجائے اپنے آپ کو صرف شروح و حواشی تک مقید کرلیا تھا لہذا ایسے حالات میں ہندوستانی علماء سے اسی قدر ہمت کی توقع کی جاسکتی تھی اور وہ اس توقع پر حتی المقدور پورے بھی اترے اس وقت کے بڑے بڑے علماء و فضلاء متقدمین کے فنون کی تشریح و توضیح ہی میں مصروف تھے اس لئے شروح و حواشی اس دور میں اس قدر عتاب کی نظر سے نہیں دیکھے جاتے تھے بقول منشی محمد الدین فوق ـــــ

"اس کوشش اور کاوش میں بعض بزرگوں نے اپنا نصب العین اور زندگی کا مدعا ہی چمنستان علم کی نخل پیرائی اور مشکل کتابوں کی عقدہ کشائی کو قرار دیا ۔ ان رہنمایان وادیٔ پر خار میں میرسید شریف جرجانی مولانا بحرالعلوم عبد العلی لکھنوی ہمارے مخدوم مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی یا ہمارے قریب تر زمانے میں مولانا عبد الحلیم لکھنوی اور ان کے فرزند مولانا عبد الحئی لکھنوی صف اول میں جگہ پانے کے مستحق ہیں ان بزرگوں کی بدولت سینکڑوں قابل قدر بیش قیمت مگر مشکل تصانیف کے گراں بہا جواہر ریزے صاف و مجلا ہوکر ہم تک پہنچے اور اسلامی لٹریچر کی نفیس نعمتیں اور باریک و لطیف بحثیں قیام و استحکام کا خلعت پہن کر اور سلاست و سہولت کے زیور سے آراستہ ہوکر نابینا کو بینا اور بےدست و پا کو کار فرما بنانے کا باعث بنیں سمجھنے میں ہماری ہمت قصور کرے اور ہماری نظر سیر چشمی دکھائے توچشمہ آفتاب را چہ گناہ ۔" (5)

---

(5) ماہنامہ ثقافت جون 1967ء ص 15

هوسکتا هے کہ بعض لوگوں کی طبیعت "حواشی" سے بیزار هو اور وہ حاشیہ کے نام سے چیں بچیں هو جائیں ان کی خدمت میں ڈاکٹر زبید احمد کا یہ بیان کافی هے —

"In regard to the commentries and glosses compiled in India. It may be stated generally that they are often more useful and more coplous then these produced outside India for instance. Haji Khalifah speaks highly of the glosses of Abdul Hakim where ever he mentions them. Professor Margoliouth has to the credit of India, expressed his appriciation of a Hashiyat al-Bayadawi composed in India in his preface to chrishtomathia Baidawiana."(6)

حقیقت یہ هے کہ جس زمانہ میں مولانا عبدالحکیم نے جنم لیا وہ شروح و حواشی هی کا دور تھا اس لئے شروح و حواشی کو اس قدر عتاب سے دیکھنا کچھ ایسا مستحسن امر بھی قرار نہیں دیا جاسکتا کیوں کہ انھوں نے هر معروف درسی کتاب پر حاشیہ لکھا هے اور شرح کی هے جس سے طالب علموں کو بہت فائدہ هوا اور اگر دیکھا جائے تو ان کے شروح و حواشی کے بغیر وہ کتاب حل هی نہیں هوسکتی اسی لئے اس سلسلے میں منشی محمد الدین فوق اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے هیں —

"همارا یہ زمانہ هوتا تو ایسے متن اور شرحیں دریا برد کردی جاتیں اور سہل کتابوں کی تلاش هوتی کیونکہ هم نے انگریزی

---

(6) Contribution of India to Arabic Literature by Zubaid Ahmed
بحوالہ ثقافت جون 1967ء ص 14

علوم و فنون میں همیشه سریع الفہم کتابیں داخل نصاب دیکھی هیں ..... (مگر اس زمانے میں) اس تعلیم سے دماغی قوتوں سے یونہی مشق کرائی جاتی تھی همارے زمانے کی سہل‌گیر طبعتیں اس طرز کو ناپسند کریں تو تعجب نہیں افسوس ان بزرگوں پر هے جو اس چمن کی گلچینی کرکے گلفروش کہلائے اور اسی طرز تعلیم کی بدولت قوت فیصلہ سے بہرہ اندوز هوئے اور پھر اپنے هی بزرگوں کی محنت کو رائگاں اور ان کی کوششوں کو بے شود مشہور کرنے میں سب سے سبقت کرنے اور نئی راهیں ڈھونڈنے لگے وہ بزرگ ان کی بات سنتے تو یہی کہتے ــــ

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست (7)

جیسا کہ عرض کیا جاچکا هے کہ ان (مولانا عبدالحکیم) کی فیض رسانیوں کا آغاز اگرچہ عہد جہانگیری هی سے هو چکا تھا مگر شاہ جہاں کے عہد میں یہ اپنے نقطہ عروج کو پہنچ گیا ۔ چنانچہ همعصر مورخ عبدالحمید لاهوری نے "بادشاہ نامہ" میں یوں لکھا هے ــــ

"در ایام سعادت فرجام حضرت جنت مکانی بضروریات معیشت در ساختہ عزلت گزیں بود درین دولت خدا داد کے بازار دانش رواج دیگر گرفتہ است و کار دانشوراں از سر اسباب رفاهت حال و فراغت بال فراهم دارد چند دہ در بست برسم سیورغال برو مرحمت ۔" (8)

---

(7) منشی محمد الدین فوق ۔ سوانح ملا عبدالحکیم بحوالہ ثقافت جون 1967ء ص 15

(8) عبدالحمید لاهوری ۔ بادشاہ نامہ ۔ ج اول حصہ دوم ص 341

میر غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے ـــــ

"چوں نوبت دارائی ہندوستان بہ صاحب قرآن شاہجہاں انار اللہ برہانہ و سید وظائفہ علما و شعرا را رواجے دیگر پدید آمد ملا دریں عہد بارہا خود را بدرگاہ خلافت رسانید ہر گاہ دارد حضور می گردید برعایت فقودنا محدود و مخصوص می گشت و دوبارہ بہزار سنجیدہ شد وجوائز ہم سنگ ہم گرفت و چند قریہ برسم سیورغال انعام شد ملا بحضور خاطر و فراغ بال در وطن مالوف اقامت داشت و تخم فضل و علم و سینہ وہا و سفینہ ہامی کاشت ۔" (9)

لیکن کیا یہ سب کچھ ایک استبداد پسند بادشاہ کی خود آرائی اور اسراف کا نتیجہ تھا ؟ یقیناً نہیں علامہ کی جن جگر کاویوں کو دربار میں اس قدر عزت افزائی کا مستحق سمجھا گیا وہ اسی پایہ کی تھیں بعد کے جوہر شناس مبصروں نے اس کی تصدیق کردی اور اس کے علاوہ سب سے بڑا قاضی خود زمانہ ہے اور زمانہ نے حتمی طور پر توثیق کردی کہ علّامہ کی جگر کا وپاں اسی تبصرہ کی مستحق ہیں ۔ علوم عربیہ کی کساد بازاری کے باوجود ان کی تصانیف ہنوز درس میں متداول ہیں پھر جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ اعتنا ہندوستان میں ہی نہیں ہوا بلکہ بیرونی ممالک میں ان کی یہ تصانیف بڑی آب و تاب سے شائع کی گئیں ۔ ان کی تصانیف کا تذکرہ مختلف کتابوں میں مختلف انداز میں دیا گیا ہے ۔ محمد صالح کنبوہ نے ان تألیفات کی مندرجہ ذیل فہرست تحریر کی ہے ـــــ

---

(9) غلام علی آزاد بلگرامی ـ مآثر الکرام ص 204 - 205

1 - حاشیہ بر حاشیہؑ بیضاوی

2 - حاشیہ بر مقدمات اربعہ تلویح

3 - حاشیہ بر مطول

4 - حاشیہ میر سید شریف

5 - حاشیہ بر شرح مواقف

6 - حاشیہ بر شرح عقائد تفتا زانی

7 - حاشیہ خیالی

8 - حاشیہ بر شرح شمسیہ

9 - حاشیہ بر شرح مطالع

10 - حاشیہ بر شرح ملا عبدالغفور

11 - حاشیہ بر شرح ملا جلال الدین دوانی در اثبات علم دیگر حواشی در کنار

12 - حاشیہ شرح حکمتہ العین دیگر حواشی در کنار شرح

13 - ھدایتہ الحکمتہ

14 - دیگر حواشی در کنار صراح الارواح (10)

اس کے علاوہ آپ کی چند اور تصانیف و حواشی کا بھی پتہ چلتا ھے آزاد بلگرامی نے ان میں حسب ذیل کا اضافہ کیا ھے ۔

15 - تکملہ حاشیہ عبدالغفور

16 - درہؑ ثمینہ در اثبات واجب تعالی (11)

اس کے علاوہ آپ نے 17 - قطبی و میر قطبی پر بھی حواشی تحریر کئے اور

---

(10) محمد صالح کنبوہ ۔ شاہ جہاں نامہ ج سوم ص 377

(11) غلام علی آزاد بلگرامی ۔ مآثر الکرام ص 205

حضرت مجدد الف ثانی کی تائید اور تجدید الف کے اثبات میں ایک رسالہ 18 - دلائل التجدید کے نام سے لکھا اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی مشہور تصنیف 19 - غنیتہ الطالبین کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا - منشی محمد الدین فوق نے ان کے ایک اور حاشیے 20 - حاشیہ بر شرح تہذیب اور ایک کتاب 21 - القول المحیط کا بھی ذکر کیا ہے اور وہ لکھتے ہیں کہ یہ رسالہ منطق میں ہے نیز ڈاکٹر زبید احمد نے پروفیسر براکلمان کے حوالے سے ان کی ایک تصنیف 22 - زبدتہ الافکار کا ذکر بھی کیا ہے علاوہ ازیں دو اور حواشی 23 - حاشیہ الکشاف اور 24 - حاشیہ علی الحسامی کو بھی انھیں کی تألیف بتایا جاتا ہے -

جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہوا کہ مولانا عبدالحکیم کی تألیفات کا تذکرہ ان کے معاصرین نے شاندار الفاظ میں کیا ہے ان کے شروح و حواشی نہ صرف اس زمانے میں بلکہ ما بعد عہد میں بھی ہمیشہ عزت و احترام سے دیکھے گئے چنانچہ مولانا کی وفات کے ایک طویل عرصے بعد آزاد بلگرامی نے ان کی تصانیف کی یوں گواہی دی ہے ـــ

"لہ تصانیف غرّاً دائرتہ فی الامم رائجتہ فی دیار العرب والعجم -" (12)

اور مآثر الکرام میں یوں رقمطراز ہیں ـــ

"الحق در جمیع فنون درسی مثل او از زمین ھند برنہ خاست آثار دانش ہایش کیفیت و کمیت و حسن قبول بر صفحہ روزگار نہ گذاشت - تصانیف او در بلاد عرب و عجم سائر و دائراست -" (13)

---

(12) غلام آزاد بلگرامی - سبحتہ المرجان ص 66

(13) " " " - مآثر الکرام - دفتر اول ص 205 - 204

مولانا عبد الحئی ان کو "صاحب التصانیف الفائقته و التالیف الرائقه" کے لقب سے یاد کرتے ھیں ان کا کہنا ھے ـــ

"تصانیفہ کلھا مقبولته عند العلما ٔ محببته الیھم ولا سیّما عند علما ٔ بلاد الروم یتنافسون فیھا وھی جدیرته بذلک ـ" (14)

محمد المجبّی نے مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کو حسب ذیل الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ھے ـــ

"افنی کھولته و شیخو خته فی الانھماک علی العلوم وحل دقائقھا و مضی من جلیّھا غامضھا علی حقائقھا . والف مولفات عدیدته . . . . . وفضله اشھر من ان یزاد فی وصفه ـ" (15)

ان تمام کتابوں اور ان کے مصنفین کے بیان کے مطابق راقمه کی رائے میں ان کی تصانیف کو مندرجہ‌ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ھے ـــ

فن تفسیر

فقـه

علم کلام

منطق و فلسفه اور

نحو بلاغت وغیره

مختلف مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کی تصانیف کا ذکر اپنی تصانیف میں بڑے شاندار الفاظ میں کیا ھے ـ اگرچه علّامه

---

(14) عبد الحئی الحسنی ـ نزھته الخواطر ج 5 ص 210

(15) خلاصته الاثر الجزالثانی ص 9-318 بحواله ماھنامه ثقافت جون 1967ء ص 18

سیالکوٹی نے متداول درسی کتابوں پر شروح و حواشی میں لکھنے پر اکتفا کیا مگر یہ شروح و حواشی محض رسمی شروح و تحشیہ کے مصداق نہیں تھے بلکہ اپنے اپنے فنون کے اندر ادبیات عالیہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان سے اسلامی فکر کی ثروت میں بیش بہا اضافے ہوئے ہیں ۔ اسی بات کی وضاحت کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جن تصانیف کے شروح و تحشیہ کو انھوں نے اپنی تحقیقات علمیہ کا موضوع بنایا تھا ۔ اسلامی ادب میں پہلے ان کا مقام متعین کیا جائے کہ کیا وہ اس توجہ و اعتنا کی مستحق ہیں بھی یا نہیں ؟۔ اس کے بعد بیرون ہند اور خود ہندوستان میں ان کے ساتھ جو اعتنا کیا گیا اس کا اجمالی جائزہ پیش کیا جائے کیونکہ اس جائزے کے بعد ہی مولانا سیالکوٹی کی جگر کاویوں کی داد دی جاسکتی ہے ۔ لہذا مختلف مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کی نگارشات کی مدد سے اس کی ایک مبسوط فہرست درج ذیل ہے ــــ

<u>فن تفسیر</u>

1 - حاشیہ تفسیر بیضاوی — مطبوعہ

2 - حاشیہ علی الکشاف — غیر مطبوعہ

<u>فــقـــہ</u>

3 - حاشیہ علی التلویح — غیر مطبوعہ

4 - حاشیہ علی الحسامی — مطبوعہ

<u>عــــلم کلــــام</u>

5 - حاشیہ علی الخیالی یا (حاشیہ شرح عقائد النسفیہ) ۔ مطبوعہ

6 - حاشیہ علی شرح عقائد الجلالی یا حاشیہ شرح العقائد العضویہ مطبوعہ

7 - حاشیه شرح المواقف مطبوعه

8 - الرسالته الخاقانیه غیر مطبوعه

9 - زبدته الافکار غیر مطبوعه

منطق و فلسفه

10 - حاشیه علی میر قطبی غیر مطبوعه

11 - حاشیه علی قطبی غیر مطبوعه

12 - حاشیه شرح مطالع یا حاشیه علی حاشیه مطالع الانوار مطبوعه

13 - حاشیه علی میذی یا حاشیه شرح هدایته الحکمته غیر مطبوعه

14 - حاشیه شرح حکمته العین

نحو و بلاغت

15 - حاشیه علی المطول مطبوعه

16 - تکمله حاشیه عبدالغفور علی شرح الجامی مطبوعه

17 - حاشیه علی حاشیه عبدالغفور مطبوعه

18 - حاشیه شرح مراح الارواح غیر مطبوعه

متفرق

19 - ترجمه غنیته الطالبین غیر مطبوعه

20 - القول المحیط منطق " "

21 - حاشیه شرح تهذیب منطق " "

22 - حاشیه شریفیه

23 - کتاب مشهود

24 - دلائل التجدید وغیره

1 - تفسیر — تفسیر بیضاوی —

قبل اس کے کہ "تفسیر" کے ضمن میں دسویں اور گیارھویں صدی ھجری کے علماء کی خدمات کا جائزہ لیا جائے مختصراً یہ عرض کیا جائے کہ تفسیر کے کیا معنی ھیں ۔ ھندوستان میں اس فن نے کسی طرح ترقی کے مدارج طے کئے اور کن کن علماء نے اس سلسلے میں اضافے کئے ۔

اللہ تعالی نے اپنی ارسال کردہ وحی کے لئے جو نام تجویز کئے ان میں دو القاب سب سے زیادہ مشہور ھیں ۔ الکتاب اور القرآن ۔الکتاب کا اشارہ اس جانب ھے کہ اسے سطور میں جمع کیا گیا ھے اور القرآن کہہ کر اس کے سینہ میں محفوظ ھونے کا اشارہ کیا ۔ یہ دونوں نام آرامی الاصل ھیں کتابت کے معنی آرامی زبان میں حرف کا لکھنا اور نقش کرنا اور قرأت تلاوت کو کہتے ھیں اس سے یہ بات واضح ھو جاتی ھے کہ قرآن کریم کے لئے یہ دونوں نام کیوں تجویز ھوئے قرآن کریم کو کسی بھی نام سے یاد کیا جائے اس کی جامع تعریف یہ ھے کہ

> "قرآن کریم وہ معجزہ نما کلام ھے جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ھے جسے صحیفوں میں لکھا جاتا ھے اور جو آپؐ سے بتواتر منقول ھے اور جس کی تلاوت عبادت کا درجہ رکھتی ھے ۔" (16)

سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق نے قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب کے مطابق مرتب کیا ۔ پھر حضرت عثمان کے عہد خلافت میں معلمین قرآن کو مختلف انداز میں پڑھانے کی وجہ سے ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے۔

---

(16) ڈاکٹر صبحی صالح (مترجم) غلام احمد حریری ۔ علوم القرآن ص 30

اور جب خلیفہ وقت حضرت عثمان رض کو ان اختلافات کے بارے میں پتہ چلا تو انھوں نے صحابہؓ سے کہا کہ سب لوگ مل کر قرآن کا ایک نسخہ مرتب کردو - اور حضرت علی نے ابوالاسود (م - 49ھ) کو حکم دیا کہ نحو کے قواعد مرتب کریں تاکہ عربی زبان کا تحفظ کیا جاسکے بعد ازاں خلفائے راشدین نے قرآن کریم کی جمع و تدوین کا کام شروع کیا اور اس طرح یہ کام منزل بہ منزل آگے بڑھتا گیا چونکہ تمام صحابہ کو ہر آیت اور ہر سورت کے اسباب نزول کا بخوبی علم تھا - اس لئے انھیں اس کو سمجھنے میں زیادہ تردد نہ کرنا پڑا لیکن گذرتے وقت کے ساتھ ساتھ اسے سمجھنے اور سمجھانے والوں میں کمی آتی گئی لہذا ضرورت اس بات کی ہوئی کہ قرآن کریم کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے کوئی ایسا علم ہو جس سے یہ کام بحسن و خوبی انجام دیا جاسکے اسی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے فن تفسیر کا آغاز ہوا غلام احمد حریری نے تفسیر کی نہایت ہی جامع تعریف ان الفاظ میں کی ہے ــــ

"لفظ تفسیر کا سہ حرفی مادہ فسَر ہے جس کے معنی کھول کر بیان کرنا بے حجاب کرنا اور ظاہر کرنا ہے کسی لفظ کی تشریح و توضیح کو تفسیر کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کے مطلوب و مقصود کو گویا بےحجاب کردیا جاتا ہے یہ تفسیر کا لغوی مفہوم ہے - تفسیر کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کے ایسا علم جس کی مدد سے قرآن کریم کے معانی و مطالب معلوم کئے جاتے ہیں اور اس میں مندرج احکام و مسائل اور اسرار حکم سے بحث کی جاتی ہے -" (17)

---

(17) غلام احمد حریری - تاریخ تفسیر و مفسرین ص 3

تفسیر "فسر" کا مصدر ہے اس کے معنی کھولنا اور تشریح و توضیح کرنا ہے ف ۔ س ۔ ر اور س ف ر دونوں مادوں میں کھولنے اور پردہ ہٹانے کے معنی ہیں ۔ لیکن "سفر" ظاہری اور مادی چیزوں کو کھول کر سامنے لانے کے معنی میں اور "فسر" باطنی اور معنوی چیزوں کو کھول کر سامنے لانے میں بیان ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ علم تفسیر ایسے علم کو کہتے ہیں جو معلومات بشری کے مطابق عربی کے قواعد کے مطابق قرآن کریم کے معانی سے بحث کرتا ہے ۔ علوم عالیہ و آلیہ مثلاً صرف و نحو لغت معانی بیان بدیع جدل قرأت اسباب نزول ناسخ و منسوخ اصول فقہ اصول حدیث وغیرہ تفسیر کے مبادی ہیں ۔ لہذا قرآن کریم کی عبارت کو سمجھنا علم تفسیر کہلاتا ہے اور اس کا موضوع کلام خدا لہذا قرآن کریم خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجمل کو بیان فرماتے اور ناسخ و منسوخ کی تفسیر کی طرف اشارہ فرما دیتے تھے ۔ خلافت راشدہ کے دور سے ہی اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا جس کی وجہ سے ذہنی و سماجی انقلاب پیدا ہوا جب منتختلف اقوام حلقہ بگوش اسلام ہونے لگیں تو نئے نئے مسائل پیدا ہوئے چنانچہ کلام اللہ کی روشنی میں مسائل کا استنباط کیا گیا نیز عقلی و نقلی دلائل سے کام لیا گیا ۔ آیات قرآنی سے ہی اس کے مطالب و معانی کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ۔ اس ضرورت کے پیش نظر تفسیر قرآن پر کتابیں لکھی گئیں ۔

اس کے علاوہ علماء میں اس امر پر بھی اختلاف ہے کہ تفسیر و تاویل کے مابین کیا فرق ہے اگرچہ یہ ایک دشوار علمی کام ہے اس سلسلے میں ابو عبیدہ ابن الاعرابی خطیب ازہری فیروزآبادی اور ابن منظور کے نزدیک تفسیر و تاویل ہم معنی لفظ ہیں اور ان میں باہمی نسبت پائی جاتی ہے یعنی جب قطعیت کے ساتھ بتایا جائے کہ باری تعالی کی مراد یہ ہے تو تفسیر کہلائے گا اور کئی مستعمل

معانی میں سے ایک معنی کا بتانا تاویل ۔ ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ تفسیری ادب ایک ایسا آئینہ ہے جس میں اسلام کی فکری تاریخ کے ارتقاء کے سارے نمایاں خدوخال کا نظارہ کیا جاسکتا ہے ۔

تفسیر کی تاریخ قرآن کریم کے نزول کے ساتھ ہی شروع ہوتی ہے قرآن کریم عربی زبان میں عربی اسلوب کے موافق کم و بیش 23 سال تک نازل ہوتا رہا اور قرآن کریم کے مخاطبین اجمالی طور پر تو اسے سمجھ لیتے مگر بدیہی طور پر ہر شخص اس کے مفاہیم و مطالب کی ساری تفصیلات نزاکتوں اور باریکیوں پر پورا حاوی نہیں ہو پاتا تھا ۔ یہ سمجھنا کہ قرآن کے سارے مخاطبین یا سب صحابہ عربی زبان و ادب کے پورے ذخیرے پر یکساں گہری نظر اور اس کی پوری واقفیت رکھتے تھے ایک زعم باطل کے سوا کچھ نہیں یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف پیغامبر ہی نہ تھے بلکہ آپؐ کے رسالت کے فرائض کے علاوہ یہ بات بھی شامل تھی کہ آپؐ اپنے قول و فعل سے قرآن کی شرح بھی پیش کریں ۔ اور اس طرح آپؐ کی حیثیت معلم اور مبین کتاب کی بھی تھی ۔

فن تفسیر کی ابتدا صدر اسلام سے ہی ہوچکی تھی اور صحابہ کرام میں دس صحابہ کو خاص شہرت حاصل ہوئی ان میں خلفاء اربعہ حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عبداللہ بن عباس حضرت ابی بن کعب حضرت زید بن ثابت حضرت ابو موسی اشعری اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین قابل ذکر ہیں ۔ خلفائے راشدین میں تفسیری اقوال سب سے زیادہ حضرت علی سے منقول ہیں اور ان کے بعد سب سے فائق ترجمان حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں مفسرین میں دوسرا طبقہ تابعین کا ہے ان میں مجاہد عطا بن ابی رباح عکرمہ سعید بن

جبیر حسن بصری ابوالعالیہ ضحاک اور قتادہ قابل ذکر ہیں ۔ تیسرے طبقے میں باضابطہ کتب تفسیر کی تصنیف کا دور شروع ہوا اور اس طبقہ مفسرین نے متقدمین تابعین اور صحابہ کے اقوال و روایات جمع کرکے قرآن کریم کی تفاسیر کی تصنیف شروع کی ان میں تفسیر سفیان بن عینیہ – تفسیر وکیع بن الجراح ۔ تفسیر شعبتہ بن الحجاج ۔ تفسیر یزید بن ھارون ۔ تفسیر عبدالرزاق ۔ تفسیر آدم بن ابی ایاس۔ تفسیر اسحاق بن راھویہ ۔ تفسیر روح بن عبادہ– تفسیر عبد بن حمید –تفسیر ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔

صحابہ اور تابعین کے بعد ایک اہم اور نتیجہ خیز علمی جدوجہد کا آغاز ہوا جس نے فن تفسیر کی باقاعدہ تدوین کے لئے فضا ہموار کی اسے تبع تابعین کا دور کہا جاتا ہے ۔ اس طبقے کی تفاسیر میں بعض روایات ضعیف اور منکر درج ہوگئی تھیں لہذا چوتھے طبقے کے مفسرین نے قدرے تحقیق و تدوین سے کام لیا ۔ اس طبقہ کی تفاسیر میں سب سے زیادہ عظیم المرتبت تفسیر ابن جریر طبری (م 310ھ) کی ہے ہر دور اور ہر طبقہ کے ائمہ مفسرین نے ابن جریر طبری کی تفسیر کو بڑی قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے پانچویں طبقے میں امام ابو عبداللہ جوئنی (م - 438ھ) شیخ ابوالقاسم عبدالکریم قشیری (م - 463ھ) اور ابوالحسن احمد واحدی (م 468ھ) وغیرہ مشہور مفسرین ہیں عصر تدوین کے بعد تفسیر کے طویل ترین تاریخی دور کا آغاز ہوا جو عصر عباسی سے لے کر عصر حاضر تک پھیلا ہوا ہے پہلے تفسیر کا انحصار روایات پر تھا ۔ اس کے بعد ائمہ نے مختلف حثیات کے پیش نظر اس کی طرف توجہ کی ۔ اس دور میں عقلی و نقلی اختلاط کا آغاز ہوا چنانچہ مختلف مکاتب فکر نے اس فن میں طبع آزمائی کی ۔نحوی علماء زجاج واحدی اور ابوحیان وغیرہ نے اپنی تفاسیر میں نحوی

مہارت کا ثبوت دیا ہے امام فخرالدین رازی (م - 606ھ) نے اپنی تفسیر "مفاتیح الغیب المعروف تفسیر کبیر میں عقلی و نقلی اقوال کو جمع کیا گیا ہے امام ابوالقاسم محمد بن زمخشری (م 538ھ) کی تفسیر "کشاف" میں فصاحت و بلاغت کے قواعد کو جمع کیا گیا ہے چنانچہ متاخرین میں سب نے انھیں کی اتباع کی ہے قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں خصوصیت کے ساتھ لطائف عربیہ اور بلاغت کے اہم نکات "تفسیر کشاف" سے ہی لئے ہیں - ساتویں صدی ہجری کے ائمہ و مفسرین کے ممتاز اور قابل فخر اماموں میں امام فخرالدین رازی (م - 606ھ) کی تفسیر "مفاتیح الغیب معروف بہ تفسیر کبیر" قاضی ناصرالدین بیضاوی (م - 685ھ) کی تفسیر "انوار التنزیل و اسرار التاویل" جو عام طور پر "تفسیر بیضاوی" کے نام سے مشہور ہے وغیرہ قابل ذکر ہیں - قاضی بیضاوی کے بعد کے دور میں امام ابوالبرکات عبداللہ بن محمود نسفی (م - 710ھ) کی تفسیر مدارک ابوالفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر (م 774ھ) وغیرہ کے بعد نویں صدی اور اس کے بعد کے مفسرین جن میں خصوصی طور پر "شیخ جلال الدین محلی شافعی (م 846ھ) شیخ جلال الدین السیوطی (م - 911ھ) جنھوں نے ان کی تفسیر کو جو نامکمل تھی مکمل کیا اور اسی وجہ سے یہ کتاب "تفسیر جلالین" کے نام سے مشہور ہے کے علاوہ شیخ عبدالرحمن ابن عمر بلیقنی اور شیخ ابوالسعود محمد بن عمادی حنفی (م - 982ھ) وغیرہ قابل ذکر ہیں -

ان تمام باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ تفسیر کا میدان نہایت وسیع ہے اور قرآن پاک کی تفسیریں مختلف نقطہ نظر سے مرتب کی گئیں ہر شخص کا زاویہ نگاہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے جب کوئی کسی عبارت یا آیۂ کریمہ کی تفسیر کرتا ہے تو وہ اس پر اپنے طرز فہم کا رنگ چڑھا دیتا ہے کم و بیش ہ تفسیر

میں مفسر کی شخصیت کا رنگ جھلکتا ھے ایک نے اگر احکام کے استنباط کا خیال رکھا تو دوسرے نے ادبی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی تیسرے نے اسلاف کی روایتوں اور متقدمین کے اقوال جمع کرنے کی سعی کی تو چوتھے نے تصوف کے رموز و نکات کو اپنے انداز میں واضح کیا غرض کہ ھر مفسر نے الگ انداز سے کلام پاک اور اس کی آیات کی تفسیر کی صدر اسلام سے ھی مفسرین کو اندازہ ھوگیا تھا لہذا وہ ھر سورت کو بالترتیب لیکر آیت کے ایک ایک ٹکڑے یا پوری آیت یا چند آئیتوں کو لے کر اس کا مطلب بیان کرتے اور اپنی فکر کے ذریعہ شخصیت کا رنگ اس تفسیر میں نمایاں کرتے تھے ۔

ھندوستان میں تفسیر کا فن کب اور کیسے آیا اور سب سے پہلے مفسر کون تھے اس کا صحیح تعین کرنا خاصا مشکل ھے چونکہ ھندوستانی مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ مکمل اور منضبط تاریخ نہیں ھے جس میں شروع سے اب تک کے تمام حالات معہ تصانیف وغیرہ کے تذکرے کے موجود ھوں حالانکہ عربوں کے ھندوستانیوں سے تعلقات بہت قدیم ھیں اور ان تعلقات کی بنیاد تجارت پر قائم تھی ۔ بنی امیہ کے دور میں سلطنت اسلامی کی حدود ھندوستان تک پھیل چکی تھیں ۔ ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں سندھ باقاعدہ اسلامی سلطنت کا ایک صوبہ بن چکا تھا۔ ھندوستان میں فن تفسیر کے آغاز کے بارے میں ڈاکٹر مسعود انور علوی لکھتے ھیں ـــ

"چونکہ ھندوستانی مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ مکمل اور منضبط تاریخ نہیں ھے ۔ اس لئے اس عبادت کی صحیح تعین کرنا بہت مشکل ھے کہ سب سے پہلے کس نے تفسیر لکھی ۔ ایک روایت ھے کہ ایک ھندی راجہ مہروک بن رائق تاجدار

"الرا" کی فرمائش سے 270ھ/ 883ء میں عبداللہ بن عمر بن
عبدالعزیز صاحب منصورہ نے کسی عراقی الاصل سندھی عالم سے
جس کی نشونما ہندوستان میں ہوئی تھی اور جو مختلف زبانیں
جانتا تھا ہندی زبان میں تفسیر قرآن لکھوائی جو کم از کم
"سورتہ یٰسین" تک پہونچی تھی ۔" (18)

چنانچہ فن تفسیر کا یہ تابناک اور درخشاں سفر ختم نہیں ہوا بلکہ اس میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے اور ہندوستانی علماؑ نے بھی باقی علوم و فنون کے ساتھ تفسیر کے میدان میں بھی طبع آزمائی کی اور اس میں ہر علم و فن کے لوگوں نے حصہ لیا ۔ شروع کی صدیوں میں جن مفسرین نے اس فن کی آبیاری کی ان میں زمخشری کا درجہ "کشاف" کی وجہ سے بلند ہے کیونکہ آئندہ صدیوں میں لکھی گئی تفاسیر کا مآخذ الکشاف ہی ہے ان میں تفسیر بیضاوی اور تفسیر جلالین نہایت ہی بلند پایہ ہیں ۔ یہ دونوں حیرت انگیز اختصار بلاغت کی وجہ سے مشہور ہیں ۔ بیضاوی کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آئندہ زمانوں کے کئی علماؑ نے اس کی متعدد شرحیں اور حواشی لکھے ۔ قرآن پاک کی کوئی تفسیر اس قدر مشہور نہیں ہوئی جتنی کہ وہ۔ ہندوستان میں قرآن کریم کی جو تفاسیر لکھی گئیں ان کی کئی اقسام ہیں لہذا تفسیر کی کتب کی بالکل صحیح تعداد کے بارے میں حتمی ممکن نہیں ہے۔ بقول ڈاکٹر سالم قدوائی ـــ

"تفسیر سے متعلق کتب کی تعداد کتنی ہے جو ہندوستانی علماؑ
نے لکھیں ان کی مکمل فہرست کے بارے میں حتمی طور پر
کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اب تک جن کتابوں کے مجموعی

---

(18) ڈاکٹر مسعود انور علوی ۔ عربی ادب میں اودھ کا حصہ ص 57

طور پر نام ملے ھیں ان کی تعداد 165 ھے اور مصنف کے
مطابق ابھی یہ فہرست طویل ھوسکتی ھے اگر بہت سے ذاتی
کتب خانوں اور ذاتی نسخوں کا پتہ چلتا اور مصنف نے ان کو
چار حصوں میں تقسیم کرتے ھوئے پہلے حصے میں مکمل تفسیریں
دوسرے حصے میں اجزائے قرآن کی تفسیریں اور تیسرے حصے میں
قدما کی تفسیروں کے حواشی اور شرحوں کا ذکر ھے اور چوتھے
حصے میں متعلقات قرآن مجید سے متعلق ھیں -" (19)

عربی کی پہلی مشہور و معروف تفسیر "غرائب القرآن و رغائب الفرقان" ھے یہ مولانا نظام الدین حسن محمد حسین شافعی نے دو جلدوں میں لکھی ھے یہ بلحاظ ترتیب و مواد بہت عمدہ ھے اس کے بعد دوسری مشہور تصنیف جنوبی ھند کے مشہور مفسر صوفی شیخ زین الدین علی بن احمد علی المہائمی کی "تبصیرالرحمن و تیسیر المنان" ھے ان کی یہ تفسیر "تفسیر رحمانی" کے نام سے مشہور ھے-

ھندوستانی مفسرین نے فن تفسیر تراجم قرآن اور کتب تفسیر کے شروح و حواشی میں قابل قدر کام کئے ھیں چند ھندوستانیوں کے نام قابل ذکر ھیں -

1 - کاشف الحقائق و قاموس الدقائق - محمد بن احمد گجراتی (820ھ/1417ء
2 - الدر رالملتقط - سید محمد گیسو دراز (825ھ/1422ء)
3 - تبصیر الرحمن و تیسیر المنان - علامہ علی المہائمی (835ھ/2-1431ء)
4 - تفسیر محمدی - محمد بن احمد میانجیو (982ھ/1547ء)
5 - منبع عیون المعانی و مطلع شموس المثانی - شیخ مبارک ناگوری (1001ھ/ 3 - 1592ء)

---

(19) ڈاکٹر محمد سالم قدوائی - ھندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں ص 13

6 - سواطع الالہام - شیخ ابوالفیض فیضی (1004ھ/6 - 1595ء)

7 - انوار الاسرار - شیخ عیسی بن قاسم سندھی (1031ھ/1663ء)

8 - تفسیر مظہری - قاضی ثناء اللہ مظہری (1225ھ/1810ء)

9 - التفسیرات الاحمدیہ - شیخ احمد بن ابی سعید صالح امیٹھوی (1130ھ/ 1718ء)

اجزاء قرآنی پر مشتمل تفاسیر بھی لکھی گئیں

1 - تفسیر بیضاوی (حاشیہ) (سیقول کے ثلث تک ہے) - ملا عبد الحکیم سیالکوٹی (1067ھ/1656ء)

2 - تفسیر سورہ فاتحہ - عبد اللہ بن عبد الحکیم (1093ھ/1682ء)

3 - انوار الفرقان - غلام نقش بند لکھنوی (1126ھ/1714ء)

4 - شئون المنسزلات - شیخ علی متقی برھانپوری (975ھ/8 - 1567ء)

5 - ینابیع الانوار - سید محمد تقی لکھنوی (1289ھ/1872ء)

وہ تفاسیر جو اجزائے قرآن کی تفسیروں پر مشتمل ہیں اور بہت سے جلیل القدر علماء نے بعض مشہور و معروف تفاسیر پر شروح و حواشی لکھے ان میں سب سے زیادہ قابل توجہ تفسیر بیضاوی ہے چونکہ یہ عرصہ دراز سے ہندوستان کے زیادہ تر مدارس میں شامل رہی ہے اس لئے اس کو آسان فہم بنانے کے لئے اس پر حواشی لکھے گئے جن میں مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی (م - 1067ھ/1656ء) کا حاشیہ سب سے زیادہ مقبول ہوا -

چونکہ تفسیر بیضاوی کا اہم ترین حصہ پہلی دو سورتوں سے متعلق ہے اسی لئے علامہ نے صرف اپنی دو صورتوں پر حاشیہ لکھا ہے۔"تفسیر بیضاوی" پر اگرچہ بہت سے حواشی لکھے گئے جن کے سلسلے میں آئندہ صفحات میں مفصل

بیان بھی آئے گا ۔ مگر سب سے پہلے "تفسیر بیضاوی" کا ایک اجمالی خاکہ پیش ہے اس کی ابتدا کس دور میں ہوئی ۔

اصل میں تفسیر بیضاوی قاضی بیضاوی کی تصنیف کردہ ہے ۔

<u>صاحب تفسیر بیضاوی ـــ</u>

ان کا پورا نام عبداللہ لقب ناصر الدین کنیت ابوالخیر اور نسبت بیضاوی ہے شافعی مسلک تھے ۔ اور بیضاوی نامی بستی ان کا اصل مسکن ہے۔ محمد حنیف گنگوہی قاضی بیضاوی کے بارے میں رقمطراز ہیں ـــ

"قاضی صاحب نہایت ہی عابد و زاہد اور یگانہ روزگار امام تھے ابتدا میں شیراز کے عہدہ قضا پر فائز رہے پھر وہاں سے معزولی کے بعد تبریز تشریف لائے ۔ تبریز میں کسی فاضل کے حلقہ درس میں اتفاقیہ حاضری کا موقع ملا اثنا تقریر میں فاضل مذکور نے کوئی اشکال پیش کیا ۔ اور کہا کہ حل نہ کرنے کی صورت میں کوئی کم از کم میرے طرز پر نفس اشکال کا اعادہ ہی کر دکھائے یہ سن کر قاضی صاحب نے ایسے مدلل انداز میں جواب دیا کہ عالم بغلیں جھانکتا رہ گیا ۔ اسی محفل میں تبریز کا وزیر بھی بیٹھا تھا اس نے ان سے پوچھا کہاں سے تشریف لائے ہیں ؟ انھوں نے کہا میں بیضاوی ہوں اور طلب قضا کی خاطر شیراز سے حاضر ہوا ہوں اس نے ان کی علمیت سے متاثر ہوکر کافی عرصہ اپنے پاس رکھا مگر بعد میں قاضی بیضاوی نے اپنا ارادہ ترک کیا اور شیخ محمد بن کتحتانی کے ساتھ رہنا پسند کیا ۔

اور انھیں کے ایما پر آپ نے بیضاوی جیسی عظیم الشان کتاب
تصنیف کی تقریباً تمام علماء بیضاوی کی تصانیف کے ثناخواں ھیں
آپ نے بقول امام سبکی 691ھ اور ابن کثیر کے نزدیک 685ھ
میں بمقام تبریز وفات پائی -" (20)

عبد اللہ بن عمر البیضاوی کے علمی کارنامے بہت روشن ھیں - ان کو حکمت ومیزان علوم دینیہ معانی و بیان غرض جملہ علوم میں مہارت اور کامل دسترس حاصل تھی ان کی تصانیف میں مختصرا الوسیط یعنی الغایہ القصوی فقہ شافعی منہاج الوصول اور شرح منہاج اصول فقہ طوالع الانوار علم و کلام مصباح الارواح اصول دین شرح مصابیح حدیث اور شرح کافیہ نحو شرح مطالع منطق لب الباب فی علم الاعراب نظام التواریخ وغیرہ ان کے بتحر علمی کا منہ بولتا ثبوت ھیں ان کی سب سے عظیم الشان تصنیف "انوار التنزیل و اسرار التاویل" ھے جو فن تفسیر کی نہایت ھی جامع اور عمدہ کتاب ھے یہ قرآن پاک کی تفسیروں میں ایک خاص درجہ رکھتی ھے - قرآن پاک کی تفسیر میں جتنے موضوعات سے بحث کی جاسکتی ھے وہ سب بہت احسن طریقے سے اس میں جمع کردئے گئے ھیں ھیں - علامہ بیضاوی کی یہ تفسیر متوسط الحجم اور تفسیر و تاویل دونوں کی جامع ھے عربی زبان کے قواعد اور اصول و ضوابط پر مشتمل ھونے کے علاوہ اس میں امام رازی کی تفسیر کبیر اور راغب اصفہانی کی تفسیر سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ھے ان کا اسلوب اسقدر دلکش اور جاذب ھے کہ پڑھنے والا حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ھو جاتا ھے مگر بعض جگہ عبارت اس درجہ عمیق و دقیق ھے کہ جسے صرف ایک ذھین و فطین آدمی ھی سمجھ سکتا ھے -

---

(20) محمد حنیف گنگوھی - با احوال المصنفین - ص 33 - 34

دراصل تفسیر بیضاوی حقائق کلام و حکمت حدیث و سنت اسرار معانی و بیان رموز فلسفه و بیان فوامض صرف و نحو محاسن نظم قرآن مقاصد تنزیل وغیرہ غرض صدھا علوم کا خزینه ھے یه تفسیر کشاف کا گویا سنی ایڈیشن ھے اور عموماً اس کو "مختصر الکشاف" ھی سمجھا جاتا ھے ۔ حاجی خلیفه اپنی شہرہ آفاق تصنیف کشف الظنون میں لکھتے ھیں ــــ

"ان ھذا الکتاب رزق من عند اللّٰہ سبحانه و تعالی بحسن القبول عند جمہور الافاضل والفحول فعکفوا علیه بالدرس و تحشیته ۔" (21)

چنانچه شروع سے ھی اس پر علماء نے حواشی و تعلیقات لکھنے شروع کئے ان کا تذکرہ ذیل میں مختصر طور پر کیا جاتا ھے ــــ

1 - نورالدین حمزہ قرامانی (متوفی - 871ھ)

2 - محمد بن فراموز ملا خسرو (متوفی 871ھ)

3 - محمد بن مصطفی بن حلج حسن (متوفی - 911ھ)

4 - سعدی آفندی (متوفی 977ھ)

5 - قاضی ذکریا بن محمد انصاری (متوفی 910ھ)

6 - حافظ جلال الدین السیوطی (متوفی 911ھ)

7 - عصام الدین بن عرب شاہ اسفرائنی (متوفی 943ھ)

8 - ملا فوصی (متوفی - 994ھ)

جن علماء نے ھندوستان کے باھر تفسیر بیضاوی پر حواشی لکھے ــــ

1 - ذکریا بن بہرام انقروی (متوفی - 1001ھ)

---

(21) حاجی خلیفه ۔ کشف الظنون ج 1 ص 163

2 - احمد بن روح اللہ انصاری (متوفی - 1009ھ)

3 - ملا حسین خلخال (متوفی 1014ھ)

4 - صدر الدین شیروانی (متوفی 1020ھ)

5 - محمد بن عبدالغنی (متوفی 1036ھ)

6 - هدایت اللہ العلائی (متوفی 1039ھ)

7 - موسیٰ النبوی (متوفی 1046ھ) زیادہ مشہور هیں -

هندوستان میں تفسیر بیضاوی کا رواج غالباً دسویں صدی هجری میں هوا اس سے پہلے درس میں "کشاف" هی متداول تھی - بہر حال غالباً دسویں صدی هجری میں محقق دوانی (م - 908ھ) کے شاگرد هندوستان میں آئے اور اس کے بعد تفسیر بیضاوی کے ساتھ اعتنا شروع هوا سب سے پہلے خطیب ابوالفضل کازرونی نے جو محقق دوانی کے شاگرد تھے تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا - ان کے دوسرے شاگرد ملا عماد طارمی بھی گجرات آئے جہاں ان سے شیخ وجیہہ الدین گجراتی نے پڑھا - اور تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا - ان کے علاوہ ملا عبدالسلام لاهوری نے "تفسیر الزهراوین کے نام سے حاشیہ رلکھا - ملا عبدالسلام لاهوری کے شاگرد مفتی عبدالسلام دیوی جو مولانا سیالکوٹی کے معاصر اور حریف تھے نے بھی اپنے اساتذہ کی روایت پر چلتے هوئے اس کا حاشیہ لکھا تفسیربیضاوی کے بارے میں باحوال المصنفین کے مولف یوں رقمطراز هیں ـــــ

"تفسیر بیضاوی کی اهمیت اس سے اور زیادہ واضح هوتی هے کہ اگر کوئی شخص فقرہ کے مختلف پہلوؤں پر ادبی نقطہ نظر سے ذهن کو منتقل کرنا چاهے تو اس کے لئے کشاف کے بعد قاضی بیضاوی هی کی تفسیر زیادہ موزوں هے اس کی گرم بازاری

> کا حال مغل فرمانرواؤں شاہ جہاں اور عالمگیر کے عہد تک تو یہ رہا کہ بعض لوگ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ پوری بیضاوی کو بھی حفظ کر لیا کرتے تھے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے مشہور شاگرد مولانا محمد معظم ساکن پٹنہ تھے تذکرہ علمائے ہند کے مصنف نے ان کے متعلق لکھا ہے "قرآن مجید معہ تفسیر بیضاوی حفظ گرفتہ مگر جب سے دیگر عقلی و ذہنی کتابوں کا بوجھ بڑھا ہے اس وقت سے عام مدارس میں بیضاوی کے صرف ڈھائی پارے رہ گئے ہیں ۔" (22)

تفسیر بیضاوی پر زمانہ قدیم سے عصر حاضر تک ہر عالم نے اپنے جُداگانہ اسلوب میں اس پر شروح و حواشی تحریر کئے ۔ چنانچہ بعض علماء نے اس کی صرف ایک سورہ پر اور بعض نے پوری کتاب پر حواشی تحریر کئے اس کے کل حواشی کی تعداد چالیس سے بھی زائد ہے ۔ ان سبھی حواشی کی زبان نہایت آسان اور سلیس ہے مگر ہر عالم کا طرز تحریر جداگانہ ہے حالانکہ ان حواشی کی تصنیف کا مقصد صرف اتنا تھا کہ طالبان علم کو قرآن پاک سمجھنے میں آسانی ہو ۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے حاشیہ کے علاوہ بقیہ سبھی قلمی ہیں ۔ یہ حاشیہ بھی سیقول کے ثلث تک ہے ۔ خلاصہ کلام بیضاوی کو امہات کتب التفسیرہ میں شمار کیا جاتا ہے اور جسے قرآن کے معانی و مطالب اور اسرار و رموز سے دلچسپی ہو وہ تفسیر بیضاوی سے بےنیاز نہیں ہوسکتا ۔ ذیل میں چند ہندوستانی علماء کا مختصر تعارف پیش ہے تاکہ ان علماء کے علمی کارناموں کا اندازہ ہوسکے اور علامہ سیالکوٹی کا حاشیہ ان سب میں کیوں محترم ہے اور اس کے علاوہ یہ اپنے معاصر علماء میں کس حیثیت سے اتنا مقبول ہوا ۔

---

(22) محمد حنیف گنگوہی ۔ باحوال مصنفین ص 36

1 - خطیب ابوالفضل گاذرونی گجراتی (متوفی - 959ھ/1551ء) ---

تفسیر بیضاوی پر دسویں صدی ھجری میں جن لوگوں نے ھندوستان میں حواشی لکھے ان سب میں خطیب ابوالفضل گذرونی گجراتی اول ھیں یہ پہلے تو محقق دوانی کے شاگرد تھے مگر بعد میں گجرات چلے آئے - ان کے اساتذہ میں ابوالفضل جلال الدین دوانی اور محی الدین کا نام لیا جاتا ھے وہ بڑے عالم فاضل اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے ان کی تصانیف میں حاشیہ علی شرح المواقف اور شرح الارشاد اور حاشیہ علی تفسیر بیضاوی وغیرہ مشہور ھیں - ان کے حاشیہ بیضاوی کا مقصد بیضاوی کی مشکلات کو حل کرنا ھے اور اپنی اس کاوش میں وہ کامیاب بھی رھے (23)

2 - علامہ وجیہہ الدین علوی گجراتی (910ھ/1505ء تا 998ھ/1589ء) ---

علامہ وجیہہ الدین بن نصراللہ بن عماد الدین علوی اپنے زمانے کے بڑے مشائخ علماء میں سے تھے - ان کی تاریخ پیدائش "تذکرہ علمائے ھند" میں 911ھ اور بعض جگہ پر 910ھ بتائی گئی ھے مگر مستند تذکروں کے مطابق 910ھ/1505ء میں جانپانیر گجرات میں پیدا ھوئے (24)

اپنے زمانہ کے مشاھیر سے علوم حاصل کرنے کے بعد 934ھ میں خانپور احمد آباد میں ایک مدرسہ "عالیہ علویہ" کے نام سے قائم کیا اور 94 سال تک اس میں درس دیتے رھے لیکن آخری عمر میں اس نام بدل کر "مدرسہ درس محمدی"

---

(23) ڈاکٹر زبیر احمد - عربی ادبیات میں پاک و ھند کا حصہ ص 272

(24) معارف 1992ء ج 151 ص 29

رکھدیا تھا - انھیں تصنیف و تالیف اور اچھی عبارت لکھنے میں بڑی مہارت حاصل تھی - درس و تدریس میں ہمہ وقت مشغول رہنے کی وجہ سے وہ استاد الاساتذہ کے لقب سے مشہور تھے - انھوں نے بہت سی کتب پر حواشی لکھے اور کچھ باقاعدہ کتب بھی تصنیف کیں جن کی کل تعداد 197 بتائی جاتی ہے - انھوں نے جو حواشی تحریر کئے ان میں حاشیہ بیضاوی حاشیہ کشف الاصول یزدی حاشیہ علی المواقف حاشیہ ھدائیہ حاشیہ مختصر مطول حاشیہ عضدیہ و شرح تجرید شرح عقائد حاشیہ قدیمہ و شرح مقاصد حاشیہ شرح جامی حاشیہ قطبی حاشیہ شرح چغمینی حاشیہ مختصر معانی حاشیہ شرح ارشاد النحو رسالہ جنت العدن شرح حکمت العین وغیرہ مشہور و مقبول ہیں (25)

ملا وجیہہ الدین کے تحریر کردہ حاشیہ بیضاوی کے تین مخطوطے اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں - پہلا علی گڑھ یونیورسٹی لائبریری کے حبیب گنج کلکشن میں دوسرا حیدرآباد آصفیہ لائبریری اور تیسرا سالار جنگ لائبریری حیدرآباد میں ہیں تینوں نسخے مکمل ہیں اور ان کے کاتب الگ الگ ہیں - تینوں نسخے سورہ فاتحہ سے سورہ حجر تک ہیں -

اس حاشیے کا مقصد بھی وہی ہے جو دوسروں کے پیش نظر تھا یعنی بیضاوی کی مشکلات کو حل کرتے ہوئے مسائل کو زیادہ آسان انداز میں ذھن نشین کرانا اور اس سلسلے میں ان کی کاوش قابل قدر ہے - وہ عبارت کو قولہ کے بعد تحریر کرتے ہیں اور اس کے بعد تشریح کئی جگہوں پر ان کی اور بیضاوی کی عبارت میں تفریق کرنا مشکل ہے اسلئے کہ انھوں نے کوئی ایسی علامت

---

(25) ڈاکٹر ظہورالحسن شارب - تاریخ صوفیائے گجرات ص 132

تحریر نہیں کی جس سے دونوں کو الگ کیا جاسکے ۔ عبارت صاف ستھری ہے جہاں پر گرامر کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں اس سے بھی بحث کی ہے ۔ اس دور کی دوسری شرحوں کے مقابلے میں یہ بہتر ہے اور مفہوم کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے ۔

ملا وجیہہ الدین کو اپنے مدرسے سے اسقدر لگاؤ تھا کہ تادم آخر اس میں مصروف رہے چونکہ آپ کثیر التصانیف ہیں لہذا آپ کا قائم کردہ علوی کتب خانہ ہندوستان میں مشہور رہا ہے ۔

3 - مولانا عبدالسلام لاہوری (متوفی - 1037ھ/1627ء) ---

یہ اپنے وقت کے بڑے عالم و فاضل شخص تھے درسی کتابیں شیخ اسحاق سے پڑھیں پھر شیخ سعداللہ اور قاضی صدر الدین سے بھی کسب فیض کیا اس کے بعد میر فتح اللہ شیرازی سے حکمت سیکھی اور تمام علوم عقلیہ و نقلیہ سے فراغت کے بعد اپنے آبائی وطن لاہور میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا شیخ محب اللہ الہ آبادی اور مفتی عبدالسلام دیوی ان کے مشہور و معروف شاگرد ہیں - 1037ھ/8-1627ء میں وفات پائی اور لاہور میں مدفون ہوئے(26)

ملا عبدالسلام لاہوری نے بھی تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا اس کا اصل نام "حاشیہ زہراوین" ہے یہ 273 صفحات پر مشتمل ہے اس کا ایک قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانے میں موجود ہے یہ سورہ فاتحہ سے سورہ آل عمران تک ہے بیضاوی کے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے انھوں نے اپنے حاشیے کو زیادہ آسان

---

(26) رحمان علی ۔ تذکرہ علمائے ہند ص 298

اور عام فہم بنانے کی کوشش کی ہے مگر کسی بھی شرح کی جب مزید شرح کی جاتی ہے تو چھان بین اور مسائل کی تحقیق و تدوین میں بسا اوقات بات سلجھنے کے بجائے الجھ جاتی ہے ایسا ہی کچھ اس حاشیے میں بھی ہے بہت سی جگہوں پر باتیں کافی لمبی ہو گئیں ہیں اور پتہ چلانا مشکل ہے کہ مطلب کیا ہے اس کے علاوہ انھوں نے اس حاشیے میں احادیث بھی نقل کی ہیں اختلافی مسائل میں ائمہ کی راہیں بھی لکھیں اور ساتھ میں ان اختلافات کو بھی نقل کیا ہے کہ مختلف مسائل میں علماؔ کا مذھب کیا رہا وغیرہ غرضیکہ ان کی پوری کوشش تھی کہ یہ حاشیہ مقبول عام ہو ۔ دوسرے ہندوستانی علماؔ میں شیخ عیسی بن عثمان سندی برہانپوری شیخ صبغت اللہ گجراتی شیخ شمس الدین بیجاپوری شیخ طیب بن عبدالواحد بلگرامی شیخ ماھر رضی ھمدانی قاضی نور اللہ شوستری میر محمد ھاشم گیلانی اور قاضی محمد آصف الہآبادی نے تفسیر بیضاوی پر حواشی تحریر کئے علامہ سیالکوٹی کے حریفوں میں ملا عبدالسلام دیوی کے علاوہ شیخ یعقوب بن یوسف البنانی اور ملا حسین کشمیری نے بھی تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا ۔

ان تمام علماؔ کے حواشی قلمی ھیں مگر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا حاشیہ علی تفسیر بیضاوی مطبوعہ ھے اسی وجہ سے وہ اپنے ھمعصروں میں نہایت ھی بلند مرتبہ رکھتے ھیں ۔ ان کے تحریر کردہ حاشیہ کی اھمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ھے کہ یہ آج بھی مختلف عربی مدارس میں شامل نصاب ھے اگرچہ ان کی یہ تصنیف مطبوعہ ھے مگر اس کے قلمی نسخے بھی مختلف کتب خانوں میں موجود ھیں یہ پہلے دو پاروں کی شرح ھے چونکہ یہ حصہ اھم مسائل سے متعلق ھے اسی لئے انھوں نے اس کی تشریح کرنا ضروری سمجھا ۔

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی بھی عام دستور کے مطابق اپنے مدرسے میں تفسیر بیضاوی کا درس دیتے تھے اور وہ اس کی اہمیت سے بھی خوب واقف تھے۔ چنانچہ انھوں نے تفسیر بیضاوی کے دیباچہ میں لکھا ہے ـــ

"ان التفسیر العتیق البصر و العمیق المسمی بانوار التنزیل لکلام الھمام قدوته علماء الاسلام سلطان المحققین برھان المدققین القاضی ناصر الدین عبدالله البیضاوی قد استھز العلماء عل مشکلاته و اسھر الاذکیا اھداقھم لفتح مغلقاته الانه لوجازته العبارات و احتوائه علی الاشارات جل ان یکون شریعته لکل و اردوان یطلع علیه الاواحد بعد واحد۔"

(ترجمه) وہ قدیم تفسیر اور (علوم قرآنیه کا) عمیق سمندر جس کا نام انوار التنزیل ہے اور جو امام ہمام قدوته علمائے اسلام محققین کے بادشاہ اور دقیقه سنجوں کی برھان ناصر الدین عبدالله بیضاوی کی تصنیف ہے علمائے کرام اس کی مشکلات کے حل کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور اذکیائے روزگار نے اس کے مغلقات کی توضیح کے لئے اپنی آنکھوں کو شب بیداری کرائی ہے ۔ لیکن یه کتاب اپنی عبارتوں کے ایجاز کی بناء پر اور اشارات علمیه پر مشتمل ہونے کی وجه سے اس بات سے کہیں بلند ہے که ہر اترنے والے کے لئے پانی کا گھاٹ بن جائے (ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آجائے) اور یکے بعد دیگرے لوگ اس کے دقائق و غوامض پر مطلع ہو جائیں) ۔

مولانا سیالکوٹی کا اصل مقصد "بیضاوی" کی مشکلات کو حل کرنا تھا اور دوسرے یه بات بھی پیش نظر تھی که عبارت عام فہم ہو اسی وجه سے انھوں نے تفسیر بیضاوی کے چھوٹے چھوٹے جملوں اور کہیں کہیں پر مبہم تفسیر کی

تشریح و توضیح پوری تفصیل سے کی ھے تاکہ پڑھنے والے فائدہ اٹھا سکیں ۔ ان کا یہ حاشیہ اسقدر کثیر الفوائد ھے کہ بیضاوی نے جن فنون کے سہارے یہ تفسیر مرتب کی تھی علامہ سیالکوٹی نے ان تمام پر گہری نظر رکھتے ہوئے دو چند فنون کی مدد سے اس حاشیہ کی افادیت میں اضافہ کیا ھے اس کے مختصر فوائد یہ ھیں کہ علامہ بیضاوی کی بعض عبارات بڑی مغلق ھیں جو آسانی سے سمجھ میں نہیں آتیں علامہ سیالکوٹی نے ان عبارات کی نہایت عمدہ تشریح کی ھے اس کے علاوہ بیضاوی کے شافعی نقطہ نظر کے مقابلہ میں ملا سیالکوٹی نے اپنے حنفی نقطہ نظر کو بڑی وضاحت اور استدلال کے ساتھ پیش کیا ھے علامہ بیضاوی پر عائد کردہ الزام کہ " وہ زمخشری کے خوشہ چیں ھیں " کی مدافعت کرتے ہوئے دونوں تفسیروں کا تقابل و تفاضل بھی کیا ھے اور جگہ جگہ بیضاوی کی برتری کی نشاندھی کی ھے ۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے اپنا یہ شہرہ آفاق حاشیہ شاہ جہاں کے دور حکومت میں تحریر کیا وہ فرماتے ھیں ــــ

"حتی جذب صنیعی و جمع شتات عمری دولتہ السلطان
..... ابوالمظفر شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ
..... وجدت بعین عنایتہ ملحوظا و بین اعیان الناس
مغبوطاً ۔ فعیت بی الطل وضاقت علی العیل فشرعت فی
جمع ما سمع بہ خاطری العلیل و ذھنی الکلیل .....
جاداً فی تحقیق معانیہ باشتغن رموز مبانیہ مومیاً فی اثنائہ
الی اجوبتہ شکوک الناظرین ..... فجاءت بعون اللہ
کنزاً لایحصی فوائدہ و بحراً لا یقضی فرائدہ ـ" (27)

---

(27) المعارف مارچ 1968ء ص 33

(ترجمہ) یہاں تک کہ سلطان ابوالمظفر شہاب الدین شاہ جہاں بادشاہ کی
دولت نے مجھے کھینچ لیا - اور میری پراگندگی طبع کو اطمینان خاطر سے بدل
دیا ..... اور میں اس کی عنایت کی آنکھوں کا منظور نظر ہوگیا اور اعیان
ملک میں محمود اتران بن گیا - اب بہانہ سازی میرے ساتھ عاجز ہوگئی اور
حیلے حوالے میرے اوپر تنگ ہوگئے (یعنی اب دوستوں سے پراگندگی طبع و انتشار
خاطر کا زیادہ بہانہ نہیں کرسکتا تھا) پس میں نے ان نکات و فوائد کے جمع
کرنے کی ابتدا کی جو میری بیمار طبیعت اور کھٹل ذھن میں آئے تھے .....
لیکن ان کی ترتیب و تدوین میں میں نے تحقیق معانی کو پیش نظر رکھا اور ان
کے بنیادی مسائل کے رموز سے بحث کرتا رہا اور اس تحریر کے اندر ناظرین کے
شکوک و شبہات کے جواب کی طرف اشارہ کرتا رہا ..... پس اللہ تعالی کی
مدد سے ایسا خزانہ ظہور میں آیا جس کے فوائد کا شمار نہیں کیا جاسکتا
اور ایسا سمندر جس کے موتی ختم نہیں ہو سکتے) -

اس طرح پہلے پارہ کی تفسیر کا حاشیہ ختم ہوا جسے علامہ نے
شاہ جہاں کے ملاحظہ کے لئے پیش کیا - ان کا یہ حاشیہ مصر کے علاوہ ہندوستان
میں بھی شائع ہو چکا ہے اس کے علاوہ انھوں نے زبان و لغت کی باریکیوں کا
ذکر کرتے ہوئے تفسیر بیضاوی کے مشکل الفاظ و محاورات کی اپنے مخصوص طرز میں
نحوی و لغوی تشریح کی ہے - ان کی تشریحی عبارتیں دوسرے شارحین کے مقابلے
میں زیادہ آسان ہیں اور ان احادیث کی اسناد جو قاضی بیضاوی محض اشارةً
ذکر کرکے چھوڑ گئے تھے پورا متن درج کرتے ہوئے اس حاشیہ میں ایسا طرز
تحریر اختیار کیا ہے کہ وہ دوسرے تمام شارحین سے سبقت لے گئے ان کی تشریحی
عبارتیں بغیر کسی الجھن کے قاری کی سمجھ میں آجاتی ہیں - قاضی صاحب

بعض مقامات پر تفسیر کرنا چھوڑ گئے ھیں اور ملا عبدالحکیم نے "واعلم ان المصنف رحمہ اللہ تعالی لہ یفسیر " لکھ کر خود اس کی تفسیر نہایت جامع انداز میں کی ھے بیضاوی نے "و آمنوا بما انزلت مصدقاً لما معکم " کی تفسیر میں ایک حدیث نقل کی ھے جس میں یہ تذکرہ ھے کہ اگر موسیٰ ھوتے تو وہ بھی میرے دین کی اتباع کرتے ۔ صاحب بیضاوی نے اس حدیث کا کوئی حوالہ نقل نہیں کیا ھے ۔ علامہ سیالکوٹی نے اس واقعہ کی پوری تفصیل نقل کرتے ھوئے اس کے الفاظ نقل کئے ھیں کھتے ھیں ـــــ

والذی نفسی محمد بیدہ لبعد ألکم موسی فاتبعتموہ و ترکتمو
فی لظللتم عن سواء السبیل ولوکان حیًا و ادرک نبوّتی لاتبعنی "
مشکوتہ اور دارمی کا حوالہ بھی دیا ھے ۔" (28)

حاشیہ علی الکشاف ـــــ

فن تفسیر میں مولانا عبدالحکیم کی دوسری تالیف زمخشری کی الکشاف کا حاشیہ ھے جواب ناپید ھے ۔

خلاصہ یہ کہ تفسیر کا دور گیارھویں صدی تک ھی محدود نہ رھا بلکہ اس کا سفر آج بھی جاری ھے اس کے علاوہ ھندوستانی علماء نے صرف شروح و حواشی پر ھی اکتفا نہیں کیا ۔ بلکہ اپنی علمیت کا ثبوت دیتے ھوئے بہت سی مشہور و معروف تفاسیر بھی لکھیں اور صرف فن تفسیر میں ھی نہیں بلکہ تقریباً ھر موضوع چاھے وہ فقہ ھو یا علم حدیث علم ھئیت ھو یا فلسفہ یا نحوو بلاغت پر ایسی بےشمار اور لازوال تصانیف چھوڑی ھیں کہ شمار کرنا ناممکن ھے

---

(28) ڈاکٹر محمد سالم قدوائی ۔ ھندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں ص 189

تاریخی اعتبار سے اگرچہ ہندوستان کا موجودہ سلسلہ تفسیر عرب و ایران کی تاریخ تفسیر سے بہت بعد میں شروع ہوا پھر بھی تفاسیر کی کثرت اور بہت سی تفاسیر کی تاریخ تألیف کی کامیابی کی صورت میں ان تمام تالیفات کا تاریخ وار تذکرہ بہت دشوار ہے -

2 - **فقہ** —

فقہ کے لغوی معنی "العلم بالشی ٔ والفہم لہ" یعنی کسی چیز یا شے کا علم اور اس کی فہم - اور اصطلاحی معنی میں "شریعت کا علم" - قرآن پاک میں اور حدیث میں اس لفظ کا استعمال اس کے لغوی معنی کے قریب ہے یعنی محض علم و فہم کی بنا پر کسی مسئلے کو کھولنا یا اس کی حقیقت معلوم کرنا فقہ کہلاتا ہے - فقہ کا پہلا مآخذ "قرآن پاک" ہے جو شریعت کا اصل الاصول ہے اس میں عقائد کا مفصل بیان ہے اور دوسرا مآخذ "سنت نبوی ﷺ" تیسرا "اجماع" (کسی بھی زمانے کے مجتہدین کا کسی ایک حکم پر متفق ہو جانا) اور چوتھا اور آخری مآخذ "قیاس" ہے یعنی کسی شرعی حکم کو کسی مصلحت کی بنا پر کسی دوسرے امر کے شرعی حکم کے حصول کے لئے بنیاد بنانا ہے - یہ اجماع سے وسیع تر اور آسانی سے ممکن العمل طریقہ اور شریعت کا نہایت ہی اہم اور وسیع النشر مآخذ ہے - الخضری کی شہرہ آفاق تصنیف "تاریخ فقہ اسلامی" کے مطابق فقہ اسلامی کے چھ ادوار ہیں —

1 - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں

2 - صحابہ کرام رض کے عہد میں

3 - صحابہ رض اور تابعین کے عہد میں

4 - وہ زمانہ جس میں فقہ نے ایک مستقل علم کی شکل اختیار کی اور بڑے بڑے علماء نے یہ علم مدون کیا - یہ دور تیسری صدی ہجری پر ختم ہوتا ہے -

5 - وہ دور جس میں ائمہ کے اجتہادات پر فقہ و نظر اور ان کے مسائل کی مزید تحقیق ہوئی یہ دور انقراض خلافت بغداد پر ختم ہوکر مصر میں قدرے اس کے بعد تک قائم رہا -

6 - اس کے بعد کے زمانے میں زیادہ تر تقلید پر زور دیا گیا - غرض فقہ وسیع تر اصطلاح ہے اور اس کا اطلاق دین عقائد و عبادات و معاملات احکام سلطانیہ سب کے مجموعے پر ہوتا ہے اس کی غرض و غایت یہ ہے کہ اعمال شرعیہ پر عمل کرنے کا انسان میں ملکہ پیدا ہو - گویا فقہ کی ترویج و اشاعت اسلام کی آمد سے ہی شروع ہوئی کیونکہ شرعی احکام کو جاننا اور ان پر عمل کرنا فقہ کے ذریعہ ہی ممکن ہے - فقہ میں شرعی احکام کے استنباط سے تفصیلی دلائل کے ذریعہ بحث کی جاتی ہے - اس میں کلام الہی اور سنت نبوی کی روشنی میں فقہی مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے -

امت مسلمہ نے جن مذاہب فقہیہ کو قبول کیا اور جو اب تک عالم اسلام میں موجود ہیں وہ چار ہیں -

فقہ حنفی مالکی شافعی اور حنبلی عالم اسلام کے ہر حصے میں ان میں سے کسی ایک فقہ کو مقبولیت حاصل ہوئی جیسے اندلس اور شمالی افریقہ کے مغربی حصہ میں لوگ مالکی فقہ پر عمل کرتے ہیں حجاز و یمن میں شافعی فقہ رائج ہے نجد میں فقہ حنبلی پر عمل ہوتا ہے اور ہندوستان میں شروع سے امام ابو حنیفہ کے فقہ کو عام مقبولیت حاصل ہوئی ہندوستان کے علاوہ عراق - ماوراالنہر آذربائجان خوارزم اور افغانستان میں بھی فقہ حنفی ہی رائج ہے

لیکن جنوبی ھندوستان میں ساحل سمندر کے قریب اھل حجاز اور یمن کی آمد و رفت کے سبب اس علاقہ کے کچھ لوگ فقہ شافعی پر قائم ھیں ۔ ھندوستانی علماء نے شرعی علوم میں سب سے زیادہ فقہ اور اصول فقہ میں اپنے ذھن و قلم کو صرف کیا ھے چنانچہ جب ھندوستانی علماء عربی میں تصنیف و تالیف کرنے لگے تو اس وقت تک فقہ کے موضوع پر اتنی کثرت سے کتابیں لکھی جاچکی تھیں کہ مصنفین نے نئے موضوعات پر لکھنے کے بجائے اپنی قلمی مساعی کو شروح و حواشی تک محدود کرلیا چنانچہ اس موضوع پر جو کچھ بھی لکھا گیا ھے اس کی نوعیت ایسی ھے کہ جیسے پرانی عمارتوں کے مسالے سے ایسی نئی عمارات بنائی جائیں جو پرانی تعمیروں کی محض نقل ھوں اور خاکے میں نہایت معمولی ترمیم کی گئی ھو ۔

ھندوستانی علماء نے متقدمین فقہاء کی مشہور و مفید عام کتابوں کی تشریح و توضیح کا فریضہ ادا کیا اور حواشی لکھنے کے علاوہ فقہی کتابوں کی تالیفات کا ایک عظیم سرمایہ جمع کردیا ۔ مشہور و متداول کتب فقہ کا فارسی و دیگر زبانوں میں ترجمہ کیا ۔

علم اصول فقہ کا بانی ابو ھلال عسکری و اصل بن عطاء الغزالی (م - 131ھ) تھا ۔ اصول فقہ میں قطعی دلائل کے ذریعہ فقہی مسائل اور شرعی احکام کے استنباط کا طریقہ بتایا جاتا ھے ۔ اس کا مقصد یہ ھے کہ کتاب و سنت اور اجماع و قیاس سے ان مسائل و احکام کے جاننے اور پرکھنے کی مہارت پیدا ھو جائے لہذا جن میں اس مسلک کے فقہی اصول درج ھیں وہ کتابیں چاروں مسالک میں موجود ھیں ۔

اصول فقه کی جن قدیم کتابوں کو بنیادی حیثیت حاصل ھے ان میں ابن الحاجب کی "منتحی الاصول والامل فی علمی الاصول و الجدل" ابن السعاتی کی "کتاب القواعد" اور الکتاب البدیع" امام فخرالدین رازی کی "المحصول" قاضی بیضاوی کی "منہاج الاصول" امام نسفی کی "منارالاصول" صدرالشریعته کی "التنقیح" اور اس کی شرح "التوضیح" علامه سعدالدین تفتا زانی کی "التلویح" اور ابن همام کی "تحریر الاصول" وغیرہ مشہور اور قابل ذکر ھیں ۔

علوم شریعیه میں سب سے زیادہ فقه پر هندوستانی مصنفین نے کتابیں لکھیں ان میں کچھ تو مستند کتابوں کی شرحیں اور حواشی ھیں اور کچھ فتوے کی کتابیں چند مشہور مقبول کتب کا تذکرہ ذیل میں کیا جارھا ھے ۔

عمر بن اسحاق الهندی (م۔ 773ھ/1317ء) کی "شرح المغنی" فقه کے موضوع پر بڑی معتبر تصنیف ھے محب الله بہاری کی "مسلم الثبوت" دوسری مشہور کتابوں میں سے ایک ھے اور یه بہت سی شرحوں کی بنیاد بنائی گئی اس کے علاوہ "شرح هدایته" شیخ حمید الدین مخلص دھلوی (م 764ھ) شرح هدایه پر شیخ الله داد جونپوری شیخ وجیهه الدین علوی گجراتی اور مفتی عبدالسلام دیوی نے بھی حواشی لکھے ۔"شرح وقایه" پر شیخ وجیهه الدین گجراتی شیخ عنایت الله لاهوری شیخ محمد وارث بنارسی اور شیخ نورالدین گجراتی بن محمد صالح وغیرہ نے بہت سی شرحیں اور حواشی تحریر کئے ۔

اصول فقه میں امام شافعی نے سب سے پہلے کتاب تصنیف فرمائی اور قدیم کتابوں میں ابوزید دبوسی کی "تقدیم الادله" اور فخرالاسلام بزدوی کی "اصول" اور عبدالعزیز بن احمد بخاری کی الکشف شرح الاصول علامه آمدی کی "منہاج الاصول" علامه سعد الدین تفتا زانی کی "التلویح" اور ابن همام کی "تحریرالاصول"

بھی اس فن کی قدیم کتابوں میں ہیں (29) اصول فقہ پر ہندوستانی علماء کی کئی گرانقدر کتابیں ہیں ان کی مشہور و معروف تصنیفات میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں ــــ

شرح البزدوی - شیخ سعد الدین خیرآبادی

شرح البزدوی - شیخ الله داد جونپوری و شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی

شرح الحسامی - شیخ معین الدین عمرانی دھلوی شیخ سعد الدین خیرابادی اور شیخ یعقوب ابو یوسف بنانی لاھوری

حاشیہ التلویح التوضیح - ملا وجیہہ الدین علوی گجراتی

حاشیہ التلویح - شیخ یعقوب کشمیری بن حسن صدنی

حاشیہ التلویح بر مقدمات اربعہ - ملا عبد الحکیم سیالکوٹی

التصریح حاشیہ التلویح - شیخ عبد اللہ بن ملا عبد الحکیم سیالکوٹی

ان کتابوں کے علاوہ فقہ کے موضوع پر ہندوستان میں بےشمار کتابیں لکھی گئیں ــــ

3 - حاشیہ علی التلویح ــــ

مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی نے اصول فقہ کی اس مستند کتاب پر حاشیہ لکھا - سب سے پہلے "تلویح توضیح" کا اجمالی تعارف پیش ہے "تلویح توضیح" اصول فقہ کی بڑی مستند کتاب ہے - اس کا متن تنقیح الاصول علامہ صدر الشریعہ کی تصنیف ہے بعد میں انھوں نے اس پر "التوضیح فی حل غوامض التنقیح" کے عنوان سے شرح لکھی جس پر آٹھویں صدی کے وسط میں "تفتازانی نے "تلویح" کے نام سے حاشیہ لکھا اور کچھ دن بعد یہی حاشیہ اصول فقہ کی مستند درسی

---

(29) مولانا عبد الحئی - الثقافتہ الاسلامیہ فی الھند (اردو) ص 180

کتاب کی حیثیت سے مدارس کے لطی نصاب میں داخل ہوگیا اور ہندوستان کے مدارس عربیہ میں آج تک داخل ہے ۔

تلویح توضیح کی تصنیف ـــــ

اصول بزدوی کی وضاحت صدر الشریعتہ عبید اللہ بن مسعود (م- 747ھ) نے "التنقیح" میں کی ۔ اور اس کی ترتیب و تدوین میں انھوں نے امام رازی کی "کتاب المحصول" اور "اصول ابن حاجب" سے بھی مدد لی ۔ بعد ازاں عبید اللہ بن مسعود نے "التوضیح فی حل غوامض التنقیح" کے نام سے اس متن کی شرح لکھی لیکن یہ شرح خود وضاحت طلب تھی ۔ چنانچہ علما نے اس پر حواشی لکھے جن میں سب سے زیادہ علامہ سعد الدین تفتازانی کا حاشیہ "تلویح" مقبول ہوا انھوں نے یہ حاشیہ "کشف الظنون" کے مطابق 758ھ میں لکھا تھا ۔ چنانچہ تلویح نے جلد ہی ممالک اسلامیہ کے مدارس میں خصوصی مقبولیت حاصل کرلی اور علما نے اس کے ساتھ اعتنا برتنا شروع کیا ۔ مشاہیر حاشیہ نگاروں سے میں برہان الدین احمد بن عبد اللہ علاؤ الدین طوسی خسرو ابن کمال پاشا مولی خضر شاہ ۔ مولی لطفی وغیرہ روم کے اندر اور میر سید شریف جرجانی اور مولانا معین الدین عجم کے اندر مشہور ہیں ۔

ہندوستان میں زمانہ قدیم میں اصول بزدوی کا رواج تھا ۔ پھر تغلق سلاطین کے عہد میں "حسامی" کا ذکر بھی آتا تھا ۔ اور مآثر الکرام کے مطابق مولانا معین الدین نے اس پر حاشیہ بھی لکھا تھا ۔ بعد میں "المنار" بھی مروج ہوگئی جب فیروز تغلق نے آٹھویں صدی ہجری کے نصف ثانی میں حوض خاص پر مدرسہ فیروز شاہی تعمیر کرایا تو اس میں مولانا قطب الدین رازی کے شاگرد مولانا جلال الدین رومی کو صدر مدرس مقرر کیا اور دوسرا مدرس سید یوسف بن سید

جمال کو بنایا چنانچه انھوں نے "المنار" کی شرح کی شیخ محدث عبدالحق دهلوی اخبار الاخیار میں فرماتے هیں ــــ

"سید یوسف بن سید جمال الحسینی رحمته الله علیه .....
بر منار نیز شرحے دارد مسمی بتوجیه الافکار ۔" (30)

"تلویح توضیح" کا رواج غالباً نویں صدی هجری سے شروع هوا جبکه هندوستانی علماء تفتا زانی سے پڑھ کر آئے بهرحال اس پر سب سے پہلے شیخ وجیهه الدین گجراتی کے حاشیه کا ذکر ملتا هے دوسرے شیخ یعقوب بن حسن صوفی تھے جو فضلائے کشمیر میں نمایاں مقام رکھتے تھے ان کے علاوہ شیخ نورالدین محمد صالح گجراتی شیخ محمد عاشق چریاکوٹی اور علامه عبدالحکیم سیالکوٹی کےصاحبزادے شیخ عبدالله لبیب نے بھی اس پر حواشی لکھے متأخرین میں مولانا جمال الدین ابن رکن الدین گجراتی شیخ امان الله بنارسی اور قاضی عبدالحق بن محمد اعظم کابلی کے حواشی مشہور هیں ۔

تلویح توضیح کے مقدمات اربعه ــــ

تلویح توضیح کا سب سے اهم حصه "مقدمات اربعه" هیں جو "حسن وقبح افعال" کے مسئله کی توضیح میں صدر الشریعته کا خصوصی کارنامه گنے جاتے هیں یوں تو یه بحث "مسئله جبر و اختیار کے سلسله میں علم کلام کے اندر آتی هے مگر اصول فقه میں بھی اس سے تعرض کیا جاتا هے صدر الشریعته حنفی مذهب تھے اور اس مسئلے میں اشاعره کے "کسب" سے متفق نه تھے ۔ لهذا انھوں نے اس مسئلے کی وضاحت نئے انداز سے کی اور اپنے موقف کی بنیاد چار مقدموں پر رکھی

---

(30) شیخ عبدالحق محدث دهلوی ۔ اخبار الاخیار (فارسی) ص 156

سب سے پہلے تو انھوں نے مسئلہ حسن و قبح افعال کی اہمیت کو بتایا ــ

"ہذہ المسئلتہ من امہات مسائل الاصول و مہمات مباحث المعقول و المنقول وبع ذلک ھی مبنیتہ علی مسئلہ الجبر والقدر الذی ذلت فی بوادیھا اقدام الراسخین وضلت فی مبادیھا عقول المتجرین و حقیقتہ الحق فیھا اعنی الحاق بین طرفی الافراط والتفریط سرمن اسراء اللہ تعالی التی لایطلع علیھا الاخواص عبادہ وھا انا بمعزل من ذلک لکن اوردت مع العجز عن درک الادراک قدرما و قفت علیہ و وقفت لا یرادہ (تلویح توضیح مصری جلد ثانی ص 102) ۔" (31)

(ترجمہ) "یہ مسئلہ اصول فقہ کے بنیادی مسائل میں سے ہے نیز معقولات اور منقولات کے اہم مباحث میں سے ہے اس کے ساتھ ساتھ جبر و اختیار کے مسئلہ پر موقوف ہے جن کے بیابانوں میں راسخین کے قدم بھی ڈگمگا گئے ہیں ۔ اور جس کے مبادی میں اہل فکر کی فہم و دانش گم رہ گئی ہے اور متجرین فی العلم کی عقلیں غرق ہوگئیں ہیں اور حق کی حقیقت یعنی اختیار کامل اور جبر محض کی افراط و تفریط کے درمیان جو امر واقعہ ہے وہ اللہتعالی کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جس میں وہ سوائے اپنے خاص بندوں کے کسی کو مطلع نہیں کرتا اور میں خواص عباد اللہ میں سے ہونے کے دعوے سے کنارہ کش ہوں لیکن ادراک حقیقت سے عجز کے اعتراف کے ساتھ جس چیز پر میں واقف ہوا اور جس کے بیان کی مجھے توفیق ہوئی پیش کرتا ہوں"۔

اس کے بعد انھوں نے دونوں فریقوں اشاعرہ اور معتزلہ کے مسلکوں کی توضیح کی ہے اس کے بعد انھوں نے مقدمات چہار گانہ اور ان کے ساتھ علماء

---

(31) المعارف ۔ مارچ 1968ء ص 38

کے اعتنا کو بڑی خوش اسلوبی سے بیان کیا ھے ان مقدمات کی ندرت کے پیش نظر یہ فطری امر تھا کہ یہ دنیا اسلوب شروع ھی سے رد و قبول اور ایراد و اندفاع کا موضوع رھا ھو ۔ عرصہ تک تلویح توضیح کے حواشی نویس اس کے ساتھ ان مقدمات اربعہ کی بھی شرح و تفسیر کرتے رھے مگر بعد میں اس مبحث کی جلالت شان کے پیش نظر علماء نے مستقلاً اسے بحث و تمحیص کا موضوع بنادیا چنانچہ علمائے ھند نے بھی عموماً پوری تلویح توضیح پر حواشی تحریر کئے مگر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اس باب میں منفرد ھیں کیونکہ انھوں نے صرف اس کے مقدمات اربعہ کو اپنی کاوش فکر کا موضوع بنایا ھے ۔

4 ۔ حاشیہ علی الحسامی ــــ

تلویح توضیح کے مفصل تذکرے کے بعد اصول فقہ کی ایک دوسری متداول کتاب "الحسامی" ھے جس پر مولانا معین عمرانی نے حاشیہ لکھا تھا ۔ ان کے علاوہ ھندوستانی علماء میں "الحسامی" پر شیخ سعدالدین خیرآبادی شیخ یعقوب بنانی لاھوری اور قاضی عبدالنبی احمدنگری اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے بھی حواشی لکھے ۔ ان تمام حواشی میں صرف مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو اس درجہ مقبولیت حاصل ھے کہ ان کا حاشیہ مطبوعہ ھے اور بقیہ سب قلمی ھیں ۔ اس کے علاوہ پاکستان میں اس کا قلمی نسخہ پشاور میں بھی موجود ھے۔

3 ۔ عقائد و علم کلام ــــ

عقائد اور علم کلام میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی کاوشوں کا تفصیلی تذکرہ کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ھوتا ھے کہ اس کے ارتقائی منازل اور غرض و غایت کا اجمالی جائزہ پیش کیا جائے ۔

فکر اسلامی میں علم کلام کا آغاز ثقافتی ارتقا کے عام قوانین کا فطری تقاضا تھا ۔ لہذا جب اسلام اپنی ہمہ گیری اور آفاقیت کی بنا پر جزیرہ عرب سے نکل کر غیر قوموں اور مختلف ذہنی افکار کے لوگوں کے درمیان پھیلنا شروع ہوا تو اسے بھی علم کلام کا سہارا لینا پڑا ۔ علم کلام کی جامع تعریف ڈاکٹر مسعود انور علوی المؤقف کے حوالے سے یوں بتاتے ہیں ـــ

"الکلام علم یقتدر معه علی اثبات العقائد الدینیة بایراد الحجج و دفع الشبه ۔" (32)

(ترجمہ) علم کلام وہ علم ہے جس کے ذریعہ دینی و مذہبی عقائد کے ثابت کرنے پر اس طرح قدرت حاصل ہوتی ہے کہ ان کے ثبوت میں حجتیں لائی جائیں اور ان پر جو شبہات ہوں انہیں دور کیا جائے ۔

گویا علم کلام اسلام کے دینی علوم میں سے ایک علم ہے جس کا مقصد دینی عقائد کو عقلی دلائل کے ذریعہ پایہ ثبوت تک پہنچانا اور مخالفین کے شکوک و شبہات کا دور کرنا ہے اس کے ذریعہ ہم عقائد دینیہ کے اثبات کے لئے دلائل مہیا کرتے ہیں اور اس سلسلے میں علم کلام سب سے پہلے دینی عقائد کے بارے میں شک کرنے والوں اور منکرین کے خلاف قدم اٹھاتا ہے "شرح العقائد النسفیہ" میں تفتازانی کے قول سے مترشح ہوتا ہے کہ علم کلام وہ علم ہے جو دلائل کے ذریعہ عقائد کی معرفت کا فائدہ دیتا ہے ۔" (33)

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علم کلام اسلامی علوم کا ایک ایسا شعبہ ہے جو دینیات اور فلسفہ کے بین بین ہے اور انسانی علوم و افکار کے ان دو

---

(32) ڈاکٹر مسعود انور علوی ۔ عربی ادب میں اودھ کا حصہ ص 108

(33) دائرہ معارف اسلامیہ ۔ ج 1/14 ص 73

متضاد نظاموں کو مربوط کردینے والی کڑی علم کلام ھے اسی لئے اس کو فلسفه دینیات کہا جاتا ھے علم کلام کی اصطلاح سے متعلق یه وضاحت بہت معقول ھے که قدیم اسلامی دور میں جب یونانی فلسفه اور اسلامی نظریات باھم دوچار ھوئے تو مسلمان "الکلام فی کذا" کے عنوان کے تحت فلسفیانه مسائل پر اظہار خیال کرنے لگے اور اس عنوان کے تحت موضوع قائم کرنے کا یه طریقه اسقدر عام ھوا که دینی تعلیمات پر فلسفیانه بحث و تحقیق کرنے والے مخصوص علم کا نام ھی الکلام پڑ گیا ۔ علم کلام کی بحث میں ابن خلدون نے لکھا ھے که علم کلام میں عقائد ایمانیه پر دلائل عقلیه سے حجت لائی جاتی ھے اور اھل بدعت جو مذھب سے روگردانی کرکے عقائد ایمانیه پر شک کرنے لگتے ھیں ان کی تردید مقصود ھوتی ھے یه صحیح معنوں میں ایسا علم ھے جس نے اپنے آپ کو مسلم دینی معاشرے تک محدود رکھا اور وہ عیسائی اور یہودی الہیات سے قطعاً الگ تھلگ رھا ۔ اس نے اپنے آپ کو قرآن و سنت کی حدود کا پابند رکھتے ھوئے اس عقیدے پر عمل کیا که وحی و الہام کی یه حدود صدق وراستی کے ھم معنی ھیں ۔ مولانا عبدالحئی الحسنی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "الثقافته الاسلامیه فی الھند" میں رقمطراز ھیں ـــــ

"علم کلام وہ علم ھے جس میں عقائد دینیه کا اثبات دلائل عقلیه و نقلیه سے کیا جائے اور اس سلسله میں جو شبہات وارد ھوں ان کو دفع کیا جائے اس علم کا موضوع وہ معلومات ھیں جن کا تعلق قریب یا بعید عقائد دینیه کے اثبات سے ھے یه بھی کہا گیا ھے که اس علم کا موضوع الله کی ذات ھے اور بعضوں نے

اس کا موضوع نفس موجود کو بتلایا ہے اس علم کے مسائل وہ تمام
احکام ہیں جو ان معلومات سے متعلق ہوں جن کا تعلق عقائد
دینیہ اور ان کے اثبات سے ہے ۔" (34)

چنانچہ جیسے جیسے اسلام جزیرہ عرب سے باہر پھیلا عجمیوں کا میل جول بھی بڑھا اور یونانی فلسفہ عربی زبان میں منتقل ہونا شروع ہوا اور اس کا اثر بڑھنے لگا تو ان کے اصولی نظریات کے رَدّ اور تنقید میں علم کلام کے ماہرین نے کتابیں لکھنا شروع کیں ۔ اس علم کے ماہرین میں امام ابوالحسن اشعری اور ان سے بھی زیادہ ان کے دو معاصرین امام ابو منصور ماتریدی (333ھ/ 945ء) اور امام ابو جعفر طحاوی (321ھ/ 933ء) کو شہرت حاصل ہوئی ۔ ابن تیمیہ (م ۔ 728ھ) کو علم کلام کے مخالفین و متکلمین دونوں گروہوں میں شامل کیا جاسکتا ہے وہ امام احمد بن حنبل کے متبعین اور اہل السنتہ کے مدافعین میں سے تھے انہوں نے اعدائے دین مبتدعین مخالفین اہل السنتہ والجماعت باطنیہ فلاسفر حتی کہ صوفیہ اور متکلمین تک کو تنقید سے بالا نہ سمجھا اور ان سب پر پر زور حملے کئے ابن تیمیہ کے زمانہ میں اشاعرہ کا اسقدر زور تھا کہ اعلانیہ طور پر ان کے خلاف قلم اٹھانے کی جرات مشکل ہی سے کی جاسکتی تھی ۔ اس دور میں معتزلہ تقریباً ختم ہو چکے تھے ۔ بہرحال امام غزالی کی تصانیف سے یہ نتیجہ نکلا کہ منطق و فلسفہ جن میں محدثین و فقہا کی بزم میں رسائی حاصل نہ تھی اب ان کی محفلوں میں جگہ پانے لگے ساتویں و آٹھویں صدی میں ابن تیمیہ جو ایک بلند پایہ محدث ہونے کے ساتھ فلسفہ و منطق کے ماہر بھی تھے نے علم کلام پر پوری توجہ دیتے ہوئے اس علم کے تمام مکاتیب فکر پر محققانہ نظر ڈالی ۔

---

(34) مولانا عبدالحئی الحسنی ۔ الثقافتہ الاسلامیہ فی الہند (اردو) ص 285

ان کی چند کتب درج ذیل ھیں ـــــ

1 - عقیدہ اھل السنتہ والفرق الناجیتہ - ابن تیمیہ (م - 728ھ)

2 - الرسالتہ المدینتہ فی تحقیق المجاز والحقیقتہ فی صفات اللہ تعالی -

3 - الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح - ابن تیمیہ (م - 728ھ)

4 - رسالتہ فی القضاء والقدر - ابن تیمیہ (م - 728ھ)

5 - الرد علی الروافض و الامامیتہ - ابن تیمیہ (م - 728ھ)

علم کلام کی ابتداء کے بارے میں الاشعری کی "مقالات" سے لےکر التفتازانی کی "شرح العقائد النسفیتہ" تک سب نے یہی کہا ھے کہ آنحضرت اور صحابہ کے زمانہ تک لوگ عقائد کے سلسلے میں آپ سے براہ راست رجوع کرکے مطمئن ھو جاتے تھے اور اختلافات بہت کم ظہور میں آتے تھے لیکن بعد کے فتنوں کا ظہور سیاسی وجوہ کی بنا پر ھوا اور بہت سے اختلافات و اعتراضات دوسرے مذاھب کے لوگوں یا ان میں سے اسلام قبول کرنے والوں یا یونانی علوم کی اشاعت اور اس کے زیر اثر عقلی طریق کار کے غلبے سے پیدا ھوگئے - یہ بات قابل غور نہیں کہ مختلف آرا اور فرقے کیوں اور کیسے پیدا ھوئے - زیادہ قابل ذکر بات یہ ھے کہ آرا کی اس کثرت کے باوجود دین حق صراط مستقیم پر کیسے قایم رھا - یہ کارنامہ صرف علم کلام نے انجام دیا - ھر چند کہ علم کلام بعض موقعوں پر خود نئے مفاسد کا ذریعہ بنا لیکن مجموعی طور پر اس نے دین حق کی حقانیت کو ثابت کرنے اور اس کے خلاف حملوں کی مدافعت کرنے میں غیر معمولی خدمت انجام دی - علم کلام کے مندرجہ ذیل موضوعات تھے -

خدا کی ذات و صفات اور عدل و توحید کا مسئلہ

رویت باری

قرآن کا مخلوق یا غیر مخلوق ھونا

جبر و اختیار

کبائر کے مرتکب کی حیثیت اور کفر کی تعریف اور درجے

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

نبوت کی حقیقت اور منصب

مسئلہ امامت و خلافت وغیرہ

ہندوستان میں اس علم کی ارتقائی منازل طے کرنے کے سلسلے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں 15ھ/636ء میں مسلمان پہلی مرتبہ فاتحانہ طور پر آئے عہد بنی امیہ 93ھ/712ء میں محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا ۔ ان کے بعد عباسی عہد میں سندھ عباسی خلافت کا مشرقی صوبہ بن گیا ۔ اور رفتہ رفتہ یہاں سیاسی اقتدار کی توسیع کے ساتھ ساتھ اسلامی ثقافتی اور علمی روایات بھی رواج پا گئیں چنانچہ محمود غزنوی 417ھ/1026ء میں برسر اقتدار آیا پھر اس کے بعد غوری حکومت کے زمانے میں امام فخرالدین رازی ہندوستان آئے پھر تغلق عہد حکومت میں جب فیروز تغلق نے مولانا نجم الدین سمرقندی کو مدرسہ فیروز شاہی کا صدر مقرر کیا تو انھوں نے اپنے ہم وطن شمس الدین سمرقندی کی "الصحائف فی الکلام" یا اس کی شرح داخل کی اور یہ کتاب نویں صدی ہجری تک علمی درس گاہوں میں کلام کی آخری کتاب سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ مولانا عبداللہ تلنبی اور شیخ عزیز اللہ ملتانی نے شمالی ہندوستان میں آکر معقولات کو مزید رائج کیا ۔ پھر عہد مغلیہ کے اوائل میں یہاں بھی تعلیمی نصاب میں معقولات اور علم کلام کا رواج ہوا اور پھر دسویں صدی ہجری کے آخر میں یہ اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گیا ۔ علم کلام کی چند مشہور و معروف کتب جو اس وقت نصاب درس میں شامل تھیں ان کا اجمالی خاکہ پیش خدمت ہے ۔

1 - العقائد النسفیہ ۔ نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد النسفی (534ھ/ 1139ء)

2 - العقائد العضدیه - قاضی عضد الدین عبدالرحمن الایجی (756ھ/ 1355ء)

اول الذکر پر سعد الدین مسعود بن عمر التفتا زانی (791ھ/1389ء) نے اور ثانی الذکر پر جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی (908ھ/ 1502ء) نے شروح لکھے - یہ دونوں کتابیں اور ان کی شرحیں وسیع حلقوں میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ھیں اور بعد کے بیشتر علماء نے ان شرحوں پر بھی متعدد شرحیں اور حاشیے قلم بند کئے -

قاضی عضد الدین الایجی (756ھ/1355ء) نے آٹھویں صدی کے نصف اول میں علم کلام میں دو قابل شاھکار تصنیف کئے -

1 - المواقف — اس پر میر سید شریف الجرجانی (816ھ/1413ء) نے شرح لکھی المواقف پر غالباً مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی پہلے عالم ھیں جنھوں نے حاشیہ لکھا -

2 - العقائد العضدیہ — اس پر بھی بہت سے علما نے شروح و حواشی لکھے مگر جلال الدین محقق دوانی (908ھ/1502ء) کی شرح کافی مقبول ھوئی اور عربی مدارس میں زیر درس رھی ھے -

آٹھویں صدی کے نصف دوم میں علامہ سعدالدین تفتازانی (791ھ/ 1389ء) نے علم کلام میں دو قابل ذکر تصنیفات کیں —

1 - المقاصد - اور اس کی شرح المقاصد

2 - شرح العقائد النسفیہ - اس کے بھی بہت سے علماء نے شروح و حواشی لکھے - لیکن تفتا زانی کی یہ شرح علمی حلقوں میں بہت مقبول تھی اور کشف الظنون کی صراحت کے مطابق انھوں نے اسے 786ھ میں لکھا تھا اس کے بعد جلد ھی یہ شرح عربی مدارس کے نصاب میں داخل

ھو گئی اور عقائد نسفی کو ھندوستان میں کس حد تک قبول عام حاصل ھوا مناسب معلوم ھوتا ھے کہ ھندوستان میں علم لکلام کی ابتداء کے بارے میں کچھ عرض کیا جائے کہ یہ علم ھندوستان میں کیسے آیا ۔

دینی علوم پر خاصہ فرسائی علمائے برصغیر ھند کا خاص موضوع رھا ھے یہی وجہ ھے کہ دیگر علوم کے علاوہ علم الکلام پر بھی یہاں کے علماء کی تصانیف کثیر تعداد میں وجود میں آئیں اور ان کی اھمیت سے انکار ممکن نہیں اور ان کتب نے نہ صرف سرگرم دینی زندگی کو سمجھنے کے لئے ایک لازمی پس منظر کا کام دیا ۔ بلکہ ان کے اثرات بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر باقی اسلامی دنیا پر بھی محسوس کئے گئے چنانچہ خلجی سلاطین کے عہد میں شیخ صفی الدین (م - 715ھ) نے علم کلام اور فقہ کے عالم کی حیثیت سے بہت سی کتب تصنیف کیں ۔ اسی طرح خاندان تغلق کے فرمانروا سلطان محمد تغلق نے اپنے عہد کے مشہور عالم معین الدین عمرانی کو قاضی عضدالدین الایجی مؤلف "المواقف" کو ھندوستان لانے کے لئے شیراز روانہ کیا ۔ اور پھر اکبر بادشاہ کے عہد میں ھندوستان میں بدعات اور غیر اسلامی افکار و نظریات کی جس طرح حکومتی سطح پر ترویج کا سلسلہ چلا ضرورت تھی کہ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی نہایت ھی بلند مرتبت شخصیت میدان میں آئے چنانچہ اس کام کا بیڑا حضرت مجدد الف ثانی نے اٹھایا انھوں نے ھندوستان میں پھیلے غیر اسلامی اعتقادات و بدعات کا رخ اپنے مکتوبات کے ذریعہ بدل کر رکھ دیا ۔

برصغیر کے متأخر مؤرخین ملا عبدالحکیم سیالکوٹی مجدد الف ثانیؒ شاہ ولی اللہؒ اور موجودہ دور میں مصر کے محمد عبدہ اور پاکستان کے علامہ اقبال کے افکار کو اس سلسلے میں بطور شہادت پیش کیا جاسکتا ھے ۔ اگرچہ سلف صالحین

اور خصوصاً امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل قاضی ابو یوسف امام محمد امام سفیان ثوری رحمہ اللہ وغیرہ سے علم کلام کی مخالفت میں بھی اقوال ملتے ھیں لیکن اھل فکر کا کہنا ھے کہ علم کلام سے غرض یہ ھے کہ منکر کو بذریعہ دلائل قائل کیا جائے اور اس کا مقصد صرف یہ ھے کہ اھل سنت کے عقیدے کے خلوص کو مبتدعین کی بدعات سے محفوظ رکھا جائے ۔

اسلامی عقائد پر برصغیر کے علماء میں سے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے خصوصی توجہ دی ۔ تفتازانی کی "شرح العقائد النفسیہ" اور الدوانی کی شرح العقائد العضویہ" پر ان کے حواشی علم کلام کے طلبہ میں بڑے مقبول چلے آ رھے ھیں یہ دونوں حاشیے براہ راست تفتازانی کی شرح پر نہیں لکھے گئے بلکہ احمد موسی خیالی (860ھ/1456ء) نے اس شرح کی جو مشہور شرح لکھی اس پر مولانا سیالکوٹی نے یہ حواشی قلم بند کئے ملا احمد کی اس شرح پر بہت سے علماء نے حواشی تحریر کئے لیکن ان کے لکھے ھوئے حواشی کی قدروقیمت کا اندازہ حاجی خلیفہ کی اس رائے سے ھوسکتا ھے ۔

وھی احسن الحواشی مقبولتہ عند الحکماء

"شرح عقائد نسفی"کا ذکر سب سے پہلے ھمایوں کے عہد میں ھوا اس زمانہ میں ان نوارد علماء میں جو مغل فاتحین کے ھمراہ آئے تھے ملا علاؤالدین لاری کو اپنے علم و فضل پر ناز تھا ۔ وہ ھندوستانی علماء کو خاطر میں نہ لاتے تھے انھوں نے شرح عقائد نسفی پر حاشیہ لکھ کر بڑے طمطراق کے ساتھ میاں حاتم سنبھلی (969ھ) کے تبصرے کے لئے پیش کیا مگر انھوں نے اتنی سخت تنقید کی کہ ملا علاؤالدین سے جواب نہ بن پڑا ۔ اور اس طرح شرح عقائد نسفی ھندوستان میں رائج ھوئی اور اگرچہ "شرح صحائف"جو اس سے قبل مدارس میں

متداول تھی درس سے خارج نہیں ہوگئی تھی کیونکہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور علامہ عبدالحکیم کے زمانہ میں مفتی عبدالسلام دیوی نے اس پر حواشی لکھے مگر زیادہ رواج شرح عقائد تفتازانی ہی کا رہا اور اکثر علماء نے اس پر حواشی لکھے جن میں ملا علاؤالدین شیخ نظام بدخشی اور مولانا وجیہہ الدین گجراتی کے نام قابل ذکر ہیں -

اس تفصیل سے "شرح عقائد نسفی" اور اس پر تحشیہ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے لہذا مولانا سیالکوٹی کی کاوش سے یہ کس طرح بچ سکتا تھا - وہ اس کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں ـــــ

"ان شرح العقائد النسفیہ للملک القمقام والقرم الھمام العالم الربانی سعد الله والدین التفتازانی لکونہ خیر منتجب و منتخب قد اشتھرہ الفحول وتناولتہ ایدی القبول -" (35)

(ترجمہ) "شرح عقائد نسفی جو مشہور عالم اور فاضل اور جلیل القدر عالم ربانی مولانا سعدالدین تفتازانی کی تصنیف ہے اپنے منتخب روزگار اور بہترین شاھکار ہونے کی بنا پر علماء فحول میں شہرت پا گئی ہے اور قبول عام نے اسے ھاتھوں ھاتھ لیا ہے"۔

اس قبول عام نے جلد ہی "تحشیہ" کی شکل اختیار کرلی اور اپنے وقت کے بہت سے جلیل القدر علماء نے اس پر حاشیے لکھے جن میں علمائے روم میں سید احمد قریمی ابن میناس ملا رمضان آفندی - احمد بن موسی الخیالی - علا الدین عربی صلاح الدین حکیم شاہ قزوینی محی الدین نکساری تفسیری

---

(35) المعارف - مارچ 1968ء ص 40

آفندی یوسف زادہ آفندی وغیرہ قابل ذکر ہیں اس کے علاوہ روم سے باہر مصر و اسیران میں عزالدین ابن جماعہ مصلح الدین لاری عبداللطیف بن محمد بن ابی الفتح کرمانی اور عصام الدین ابراہیم بن عرب شاہ اسفرائنی شرح عقائد تفتازانی کے محشیوں میں مشہور ہیں -

5 - حاشیہ علی الخیالی —

ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے احمد بن موسی الخیالی کے حاشیہ پر جو اپنی محشی کے نام پر خیالی ہی مشہور ہے جو حاشیہ لکھا ہے اس کی افادیت و مقبولیت کے آگے ان کا "حاشیہ شرح عقائد" ماند ہو کر رہ گیا ۔ حاشیہ خیالی کی اہمیت یوں بھی ہے کہ "شرح عقائد نسفی" پر جتنے بھی حواشی لکھے گئے ان میں سب سے اہم موسی خیالی کا حاشیہ ہے جو اپنے مصنف کے نام پر "خیالی" کہلاتا ہے اور مدتوں اس کے ذریعہ طلبہ کی ذہانت کا امتحان لیا جاتا رہا مولانا سیالکوٹی اس کی اہمیت کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں —

" ان منها ما علّقه الفاضل المحشی المحقق والا لمعی المدقق المولے الفاضل الخیالی للطف معانیه و حسن مبانیه قد امتدت علیه عناق الخواطر و سهرت لاجله عیون الاباجر ۔

(حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی) -" (36)

(ترجمہ) (شرح عقائد نسفی پر جو حواشی لکھے گئے ہیں ان میں سے زیادہ مشہور وہ حاشیہ ہے جسے محشی محقق اور عالم مدقق فاضل (مولی احمد بن موسی) الخیالی نے تحریر کیا تھا یہ اپنے لطافت معانی اور مسائل کے حسن

---

(36) المعارف - اپریل 1968ء ص 24

تنسیق کی وجه سے مشہور ہے اور علمائے کرام کی خواطر (قلوب ذاکیه) کی گردنیں اس کی طرف دراز ہوگئی ہیں اور محققین کی آنکھوں نے اس کے حل مشکلات کے لئے شب بیداری کی ہے) -

اس کا نتیجه یه ہوا که بہت جلد افاضل علماء نے اسے اپنے تحشیه کا موضوع بنایا چنانچه علمائے روم میں سے شجاع الیاهس رومی کمال الدین اسماعیل قرامانی عطاء الله رمضان بن عبدالمحسن بہشتی وغیرہ نے موسی خیالی کے حاشیه "شرح عقائد نسفی " پر حواشی لکھے اور ہندوستان میں غالباً شرح عقائد نسفی کے کچھ ہی دن بعد خیالی کا حاشیه بھی داخل ہوا اور جلد ہی درس میں شامل کردیا گیا - چنانچه ہندوستانی محشیوں میں علامه سیالکوٹی مفتی عبدالسلام دیوی شیخ محمد سرهندی اور متأخرین میں وجیهه الدین گوپاموی زیادہ مشہور ہیں - لیکن ایک بات قابل توجه ہے که یه تمام حواشی چاہے علمائے روم کے ہوں یا علمائے ہند کے سب طالبان علم کو اطمینان بخشنے سے قاصر تھے - سوائے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے حاشیه کے کیونکه یه اپنی مقبولیت اور افادیت میں حاشیه خیالی سے بھی بڑھ کر ہے اور اس کی کمی کو انھوں نے پورا کیا وہ ان حواشی کے بارے میں فرماتے ہیں ——

"لکن ما اتو لہما یروی الغلیل او یشفی العلیل لما ان ابکارہ آبیه عن خطبته کل عاذب و مخدراته محتجبة لاتنجلی لکل طالب ـ"

پھر اس تبصرے کے بعد فرماتے ہیں ——

"فصرت برهسته من عنفوان الشباب فی حل مبانیه واستنهبت فرصته عن اعین الزمان التحقیق معانیه .....فحققت مقاصد

و بینت مصادره و موارده ..... وجیباً عن شبهته الناظرین
فجا ٔ بحمد الله تعالی موافقاً للماول و تم بعون الله تعالی
مطابقاً للمسئول ۔" (37)

(ترجمہ) پس میں نے اپنے عنفوان شباب کا ایک حصہ اس کے اساسی مسائل کے حل میں صرف کیا اور اس کے تحقیق معانی کے لئے زمانہ کی آنکھوں سے کچھ فرصت کے لمحات اڑا ھی لئے ..... اور میں نے اس کے مقاصد کی تحقیق کی اور اس کے مصادر و موارد کو بیان کیا ..... کتاب دیکھنے والوں کے شبہات کا جواب دیا ۔ اس طرح یہ کتاب امید کے موافق بن گئی ۔ فالحمد لله تعالی اور الله تعالی کی مدد سے احباب کی خواهش کے مطابق هوگئے ۔

اور یہ محض تعلی نہیں بلکہ امر واقعہ ھے کیونکہ ان بےشمار حواشی میں بقائے دوام صرف مولانا عبدالحکیم کے حاشیہ کو حاصل ھوا چنانچہ حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" میں لکھا ھے ـــــ

"وعلی الخیالی حاشیه ..... للملا عبدالحکیم بن شمس الدین
الهندی السیالکوٹی المتوفی سنته نیف و ستین و الف وھی احسن
الحواشی مقبولته عندالعلما ٔ ۔" (38)

(ترجمہ) اور خیالی پر عبدالحکیم بن شمس الدین ھندی سیالکوٹی کا حاشیہ ھے جنھوں نے 1160ھ کے کچھ بعد وفات پائی وہ خیالی کے حاشیوں میں سب سے بہتر ھے اور علما ٔ کے نزدیک مقبول ھے) مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے اپنی بیشتر تصانیف کو شاہ جہاں بادشاہ کے نام معنون کیا ھے ۔ کیونکہ شاہ جہاں بادشاہ

---

(37) المعارف لاھور ۔ پریل 1964ء ص 25

(38) حاجی خلیفہ ۔ کشف الظنون بحوالہ المعارف لاھور ۔ اپریل 1968ء ص 26

خود دانش نواز تھا لہذا ان کو صلہ و تحسین سے انھیں نوازا جاتا تھا ۔ چنانچہ خیالی کے حاشیہ کو بھی جو ان کی کاوش فکر کا شاہکار ہے اسے بادشاہ کے نام معنون کرتے ہوئے حاشیہ بر خیالی میں فرماتے ہیں ـــــ

"لم الحقتہ بخزانہ من ثقل باباد بہ کو اھل الاحسان ....
مربی العلماء والصلحا حامی الملتہ الحنیفیتہ الغراء المید بجنود
النصر من عند اللہ المجازی ابوالمظفر شہاب الدین شاہجہاں
بادشاہ الغازی ۔"

(ترجمہ) پھر میں نے اسے اس (بادشاہ جم جاہ) کے خزانہ میں داخل کیا جس کی نعمتوں سے خود احسان کے کندھے گراں بار ہیں ..... جو علماء و صلحاء کا سرپرست اور ملت اسلامیہ کا مددگار ہے اور جو جزا دینے والے اللہ تعالی کی نصر و امداد کے لشکروں کے ساتھ موید ہے اور جس کا نام ابوالمظفر شہاب الدین شاہ جہاں بادشاہ غازی ہے ۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے حاشیہ خیالی میں تمام مشکلات کو اس طرح حل کردیا ہے کہ طلباء کے لئے اسے سمجھنا آسان ہوگیا ہے چنانچہ کسی نے کہا ہے ـــــ

خیالات خیالی میں عظیم است * نہ دروے جائے قل احمدنہ جند است
مگر عبدالحکیم از رائے عالی * رہا کرد از خیالات خیالی

اس حاشیہ کے بارے میں ایک اور بھی بڑا مشہور شعر ہے ـــــ

خیالات خیالی بس عظیم است
برائے حل اور عبدالحکیم است(39)

---

(39) ماہنامہ ثقافت - جون 1967ء ص 20

6 - حـاشیہ شرح عقائد الجلالی یا حاشیہ شرح العقائد العضدیہ ــــ

عقائد نسفیہ کے تفصیلی تذکرے کے بعد اب اس فن کی دوسری شہرہ آفاق کتاب "العقائد العضدیہ" کا اجمالی تعارف پیش خدمت ہے اور یہ ہندوستان میں کیسے آئی اس کے علاوہ علماء نے اس کے ساتھ کس حد تک اعتنا کیا ۔ قاضی عضد الدین الایجی (م - 756ھ) نے عقائد میں ایک متن لکھا تھا یہ متن عقائد عضدی کے نام سے مشہور تھا ۔ بہت سے علماء جن میں میر سید شریف افتخار الدین اور ملا عصام الدین اسفرائنی کی شرح مشہور ہیں مگر عقائد عضدی کی شرح میں قبول عام ملام جلال الدین محقق الدوانی (م - 908ھ) کی شرح کو نصیب ہوا جو مدارس میں "شرح عقائد جلالی" کے نام سے متداول رہی ہے محقق دوانی کی شرح پر سب سے پہلے مولانا یوسف کو سج بن محمد خاں قرابا‌غی (م -1050ھ) جو ان کے سلسلہ تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں نے حاشیہ لکھا پھر مولانا حسین خلخالی (م - 1040ھ) نے بھی ایک حاشیہ لکھا ۔ جس میں ملا کوسج کے حاشیہ پر بہت سے اعتراضات کئے علامہ سیالکوٹی مولانا یوسف کوسج (م - 1050ھ) اور مولانا حسین خلخالی (م - 1040ھ) کے معاصر تھے ۔ اور غالباً اس علمی معرکے سے واقف تھے پھر جب دسویں صدی کے آخر میں امیر فتح اللہ شیرازی اکبر بادشاہ کی طلب پر ہندوستان آئے تو اپنے ہمراہ بہت سی کتب معقولات بھی لائے ۔ اور انہیں یہاں کے نصاب میں داخل کیا ۔ ان کے بارے میں مؤلف مآثر الکرام لکھتے ہیں ــــ

"تصانیف علمائے متاخرین ولایت مثل محقق دوانی و میر صدرالدین و میر غیاث الدین منصور و میرزا جان میر (امیر فتح اللہ شیرازی) بہ ہندوستان آورد و در حلقہ درس

انداخت ۔" (40)

اور خیال کیا جاتا ہے کہ انھیں نئی کتابوں میں "شرح عقائد جلالی" کا بھی یہاں رواج ہوا ہوگا کیونکہ علامہ سیالکوٹی سے پہلے کسی ہندوستانی فاضل کا "شرح عقائد جلالی" کا پتہ نہیں چلتا اور یوں لگتا ہے کہ علامہ نے مولانا یوسف اور مولانا حسین خلخالی کی علمی معرکہ آرائی سے متأثر ہوکر یہ حاشیہ لکھا تھا ۔ متاخرین میں بھی اس کے تحشیہ کا رواج رہا اور سب میں بہتر ملا قطب الدین شہید سہالوی کا حاشیہ تھا جو اب ناپید ہے ۔ کیونکہ ان کے قتل کے بعد جب ان کے مکان کو آگ لگائی تو یہ متاع عزیز بھی نذر آتش ہوگئی ۔ اس کے علاوہ متقدمین فضلائے ہند میں غالباً شرح عقائد جلالی سے اعتنا اور تحشیہ کے باب میں اولیت کا شرف ملا سیالکوٹی ہی کو حاصل ہے مگر ان کا یہ حاشیہ اب ناپید ہے ورنہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستانی عبقریت نے کس طرح ایرانی و تورانی عبقریت سے ٹکر لی ۔

ملا عبدالحکیم نے عقائد عضدیہ کے حواشی علامہ دوانی کی شرح پر تحریر کئے ان کے علاوہ مندرجہ ذیل علماء نے بھی ملا دوانی کی "شرح العقائد العضویہ جو شرح عقائد جلالی" کے نام سے مشہور ہے پر حواشی تحریر کئے ——

حاشیہ شرح عضویہ — شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی

شیخ محمد حسن کشمیری

قطب الدین سہالوی

شیخ کمال الدین فتح پوری

ملا امان اللہ بنارسی

---

(40) غلام علی آزاد بلگرامی ۔ مآثر الکرام ص 238

ابوالخیر بن ثناء اللہ جونپوری

سید قاسم حسینی الہ آبادی وغیرہ قابل ذکر ھیں

7 - حـاشیہ عـلی شـرح المـواقف ـــ

"شرح عقائد جلالی" کے بعد مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا "حاشیہ علی شرح المواقف" بھی بڑا مشہور و مقبول ھوا ـ "الموقف" "عضد الدین الایجی" ھی کی ایک مشہور زمانہ تصنیف ھے ـ یہ علم کلام کی کتاب ھے اور جس نے علم کلام کے موضوع پر تحریر کی گئی دیگر کتب کو ماند کردیا ـ لہذا دنیا کے سلاطین اس بات کے متمنی تھے کہ علم کلام کا یہ مایہ ناز شاھکار ان کے نام معنون ھو کیونکہ اس کے طلبگار بہت تھے اور انھیں میں شہنشاہ ھند محمد تغلق بھی شامل تھا۔ اس نے دھلی کے مشہور فاضل مولانا معین الدین عمرانی کو شیراز قاضی عضد کو لانے کے لئے بھیجا ـ اس کی اس دعوت کی شہادت بہت سے علماء نے دی ھے آزاد بلگرامی "سبحہ المرجان" میں لکھتے ھیں ـــ

> " ارسلہ السلطان محمد بن تغلق شاہ والی الھند المتوفی سنتہ تنشیق و خمسین و سبعمائہ الی القاضی عضد الدین الایجی بشیراز و انحف الیہ ھدایا غیر محصورتہ والتمس بالھند قدومسہ ـ" (41)

مگر والی شیراز نے قاضی عضد الدین کو ھندوستان نہ آنے دیا اور آخر میں انھوں نے اس کتاب کو ابواسحق انجو (والی شیراز) کے نام ھی معنون کیا لہذا سلاطین وقت کی اس رغبت سے اس کتاب کی شدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاسکتا

---

(41) غلام علی آزاد بلگرامی ـ سبحتہ المرجان ص 240

ھے ـ چنانچه الموافق پر بہت سے لوگوں نے شروح لکھیں ـ ان میں شمس الدین محمد بن یوسف کرمانی سیف الدین ابہری علا٭ الدین طوسی وغیرہ قابل ذکر ھیں لیکن قبول عام صرف میر سید شریف جرجانی کی ھی شرح کو نصیب ھوا اور زمانه دراز تک میر سید شریف کی «شرح الموقف» درس میں متداول رھی اور اکثر علمائے مشاھیر مثلاً خواجه زادہ ـ حسن چلپی سنان الدین یوسف عجمی کمال الدین اسمعیل قرامانی محی الدین یوسف شاہ غفاری ابن کمال پاشا خضر شاہ بن عبداللطیف علمائے روم میں سے حکیم شاہ قزوینی ابوالفضل گاذرونی مسعود شیروانی فتح الله شیروانی اور مرزا جان شیرازی علمائے عجم میں سے شرح مواقف کے تحشیے کے لئے مشہور ھیں ـ(42)

جیسا که پہلے ذکر ھو چکا ھے که "محمد بن تغلق" الموافق کو اپنے نام معنون کرانے کا متمنی تھا اس سے یه بات صاف ظاھر ھے که "الموافق" کی شہرت ھندوستان میں آٹھویں صدی کے نصف اول ھی میں پہنچ چکی تھی ـ لیکن درس میں اس کے رواج کا پته دسویں صدی کے آغاز سے چلتا ھے ـ اس کے نتیجه میں ھندوستانی فضلا نے الموافق پر حواشی بھی لکھے ـ ان محشیوں میں مولانا وجیہه الدین گجراتی شیخ ھبته الله شیرازی اور مولانا عبدالوھاب کشمیری کے نام قابل ذکر ھیں بعد کے مشاھیر میں میر زاھد ھروی نے شرح الموافق پر ایک مبسوط حاشیه لکھا ـ لیکن فضلائے ھندوستان کے حواشی میں سے صرف مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ھی کے «حاشیه شرح الموافق» کو قبول عام حاصل ھوا کیونکه مولانا سیالکوٹی کا نام ھی اس تالیف کی عمدگی و برتری کا بذات خود ضامن ھے اور یه قبول عام صرف ھندوستان میں ھی نہیں بلکه ھندوستان کے باھر

---

(42) حاجی خلیفه ـ کشف الظنون ج 3 الثانی ص 562 - 563

بھی اس کی شہرت پھیل گئی ۔ حاجی خلیفہ کی کشف الظنون جو ایک مستند تاریخی کتاب ہے انھوں نے بھی "المواقف" اور اس کے شروح و حواشی کے ضمن میں علمائے ہندوستان کے حواشی میں سے صرف مولانا سیالکوٹی ہی کے حاشیہ کا ذکر کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں ـــ

"وعلی شرح المواقف السید حاشیته لعبد الحکیم السیالکوٹی اللاهوری ۔" (43)

اس کے علاوہ مصر و استنبول میں "شرح المواقف" کے غالباً تین حاشیے طبع ہوئے ہیں اور ان میں سے ایک علامہ سیالکوٹی کا بھی ہے ۔ علامہ سیالکوٹی کا یہ حاشیہ مکمل نہیں ہے بلکہ صرف پانچویں موقف تک ہے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ انھوں نے اسے اپنے بیٹے عبد اللہ لبیب کے دوران درس ان کے لئے لکھا تھا ۔ وہ فرماتے ہیں ـــ

"هذه فوائد بل فرائد علقتها علی شرح الموقف سید المحققین و افضل المدققین عند قراته العین لهذا الغریب عبد الله الملقب باللبیب تذکره للاحباب و تحفته للاصحاب وعدته لیوم الحساب و انا الفقیر المتمسک بالحبل المتین عبد الحکیم بن الشیخ شمس الدین ۔"

(ترجمه) یہ نکات و فوائد جنھیں موتی کہنا چاہئے وہ حواشی ہیں جنھیں میں نے سید المحققین اور افضل المدققین (میر سید شریف) کی شرح المواقف پر تحریر کیا تھا جب کہ مجھ غریب کی آنکھوں کی ٹھنڈک (میرا بیٹا) عبد اللہ جس

---

(43) حاجی خلیفه ۔ کشف الظنون ج ثانی ص 563

کا لقب لبیب ہے (مجھ سے یہ کتاب) پڑھتا تھا ۔ (میں نے ان حواشی کو) اپنے دوستوں کے واسطے یادگار ساتھیوں کے لئے ایک تحفہ اور روز قیامت کے لئے تیاری (بنایا ہے) اور میں فقیر (جو دین کی) جو مضبوط رسی کو خوب پکڑنے والا ہے عبدالحکیم بن شیخ شمس الدین ہوں ۔"

چنانچہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے اس حاشیہ کے مطالعہ کے بعد ان فوائد و فوائد کی اہمیت و عظمت کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ وہ تمام کتابیں جو اسلامی عقائد و کلام کے موضوع پر لکھی گئیں ان میں "العقائد النسفیہ" اور "العقائد العضدیہ" کو شہرت دوام حاصل ہے یہ دونوں اپنے مؤلفین نجم الدین ابو حفض عمر بن محمد نسفی م (834ھ/1139ء) اور قاضی عضد الدین الایجی (م - 756ھ/1355ء) کے نام پر مشہور ہیں ۔ ان کتب پر بےشمار شروح و حواشی لکھے گئے مگر ہندوستانی علماء میں جب بھی اس فن کا تذکرہ ہوتا ہے تو ذہن میں صرف مولانا عبدالحکیم کا ہی نام آتا ہے ۔ کیونکہ ان کی علمی کاوشیں نہ صرف ہندوستان کے لئے باعث فخر ہیں ۔ بلکہ بیرون ہند کے علماء بھی ان کی تبحر علمی کی اپنی تصانیف میں شہادت دیتے ہیں گویا علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی اس فن میں مندرجہ ذیل کتب ہیں۔۔۔

1 - <u>حاشیہ شرح المواقف ۔۔۔</u>

جو قاضی عضدالدین الایجی کی شہرہ آفاق تصنیف المواقف پر لکھا گیا ہے مگر علامہ سیالکوٹی نے یہ حاشیہ میر سید شریف جرجانی کی "شرح المواقف پر لکھا تھا ۔ ان کا یہ حاشیہ مطبوعہ ہے ۔

2 - حاشیه شرح عقائد جلالی (حاشیه شرح العقائد العضدیه) ـــ

یه بھی قاضی عضد الدین کی شہرہ آفاق تصنیف ھے جو عقائد عضدی کے نام سے مشہور ھے اس پر بھی بہت سے علماء نے شروح و حواشی لکھے مگر قبول عام صرف محقق دوانی (م - 908ھ) کی شرح کو ہوا جو "شرح عقائد جلالی" کے نام سے مشہور ہوئی پھر مولانا سیالکوٹی نے اس شرح پر حاشیہ لکھا اس کا قلمی نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں موجود ھے -

اسی کا عنوان ـــ حاشیہ علی شرح العقائد العضدیہ" 580 اےآر نمبر 742ھے اور آغاز ـــ

قوله وهو انسان الضمير راجع إلى لفظ النبى المذكور صريحا فان الخ

3 - حاشیه خیالی (حاشیه شرح عقائد النسفیه) ـــ

شرح عقائد نسفی پر جتنے حواشی تحریر ہوئے ان میں سب سے اہم احمد بن موسی الخیالی کا وہ حاشیہ ھے جو ان کے نام پر "حاشیہ خیالی" کہلایا - پھر اس "حاشیہ خیالی" پر بےشمار حواشی تحریر ہوئے مگر بقائے دوام کا شرف مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے "حاشیہ خیالی" کو حاصل ہوا -

4 - حاشیه شرح عقائد نسفی ـــ

"شرح عقائد نسفی" پر بھی بہت سے علماء نے شروح و حواشی لکھے لہذا یہ مولانا سیالکوٹی کی کاوش سے کس طرح بچ سکتا تھا چنانچہ انہوں نے بھی اس پر حاشیہ لکھا مگر ان کا یہ حاشیہ افادیت و مقبولیت میں ان کے حاشیہ خیالی سے کم ھے ان حواشی کے قلمی نسخے مندرجہ ذیل لائبریریوں میں موجود ہیں ـــ

حاشیہ الخیالی علی شرح العقائد النسفیہ ــــ

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے اس حاشیہ (حاشیہ خیالی) کے قلمی نسخے مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں ۔ اس حاشیہ کا ایک نسخہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاھور میں بھی موجود ھے یہ عربی زبان میں اس کا نمبر 357 ھے اور دیگر تصانیف یوں ھیں ــــ

تقطیع	-	23 x 13 س م
اوراق	-	46
خط	-	نستعلیق رواں 1223ھ
کاتب	-	نا معلوم
مؤلف	-	شیخ احمد موسی بن شمس الدین المعروف بالخیالی المتوفی 895ھ
آغاز	-	قال الشارح التحریر عامله الله بلطفه الخطیر"
اختتام	-	و به یظهر ان هذا الوجه ایضا یفید تفضیلهم فقط و ان الفضل بید الله یوتیه من یشا والله ذو الفضل العظیم

کیفیت ــــ

یہ مخطوطہ 1223ھ میں تحریر کیا گیا روشن اور رواں ھے کتابت کاغذ اور روشنائی ھر قسم کی کہنگی سے پاک ھے ۔ حاشیہ پر ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کا حاشیہ بھی موجود ھے جس سے کتاب کی افادیت اور بڑھ گئی ھے۔

اس کے علاوہ ایک اور نسخہ جس کا نمبر 212 ھے اور یہ بھی عربی زبان میں اسی لائبریری میں موجود ھے ۔

اس کی تفصیلات یوں ہیں ۔ حاشیہ السیالکوٹی علی حاشیہ الخیالی

تقطیع	-	24×14 س م
اوراق	-	247
خط	-	نسخ
کاتب	-	نا معلوم
مؤلف	-	ملا عبدالحکیم سیالکوٹی 1067ھ
آغاز	-	یامن تقدس ذاتہ عن احاطتہ الافکار و الافکار و تنزہ صفاتہ عن ادراک الانظار ۔
اختتام	-	لاجل الذین لا یریدون علواً فی الارض ولافساداً فلم یکن موجودتہ الساآن ۔

اس کے علاوہ یہ حاشیہ 1235ھ میں آستانہ سے 1297ھ میں مصر سے 1870ء دھلی سے اور 1901ء میں قازان سے شائع ہو چکا ہے زیر نظر مخطوطہ ایک عمدہ اور صاف ستھرا نسخہ ہے آخر سے قدرے ناقص ہے (44)

ان دو نسخوں کے علاوہ مولانا سیالکوٹی کے اس حاشیہ کا ایک اور قلمی نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی لائبریری میں بھی موجود ہے۔ اس کا نمبر 718 ہے -

اور "حاشیہ السیالکوٹی علی حاشیہ الخیالی"کے نام سے موسوم ہے۔ یہ شاہ جہاں بادشاہ کے نام معنون کیا گیا ہے ۔ اس کا آغاز یوں ہے ـــــ

یامن تقدس ذاتہ عن احاطتہ الافکار و تنزہت صفاتہ .... و بعد فیقول العبد المسکین عبدالحکیم بن شمس الدین ان شرح العقائد النسفیہ الخ

(44) فہرست مخطوطات ۔ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور ج 2 ص 96-93

یہ خط نسخ میں 1077ھ/1667ء میں لکھا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کی مولانا آزاد لائبریری میں حبیب گنج کلشن 42 / 23 عربیہ عقائد میں بھی اس کا ایک نسخہ ہے ۔

یہ خط نستعلیق میں لکھا ہوا اس کے کل 149 اوراق ہیں اور ہر صفحہ پر 32 24 سطریں ہیں

سائز "7 4 × 7¼ 8 اور کاتب کا نام غلام محمد شیخ اسماعیل ہے

اس مخطوطہ کی ایک اور کاپی حبیب گنج کلشن 109/23 عربیہ عقائد میں موجود ہے ۔ اس کا عنوان ـــــ

"الحاشیہ علی حاشیہ الخیالی علی شرح العقائد النسفیہ ب ت عبد الحکیم السیالکوٹی المتوفی 1066ھ" ہے

اس کی تفصیلات یوں ہیں

خط	ـ	نستعلیق شکست آمیز
ورق	-	136
سطر	-	23 و 24
سائز	-	"3 5 × 9

اس کے علاوہ سبحان اللہ نمبر 4 2/287 عربی کلام میں بھی اس حاشیہ کی ایک کاپی ہے ۔

4 - منطق و فلسفہ

برصغیر پاک و ہند میں فلسفہ کے موضوع پر بےشمار کتابیں لکھی گئیں یہ واحد غیر دینیاتی موضوع ہے جس میں عربی زبان میں کتابیں لکھی گئیں اور ہندوستانی علماء نے اس میں دلچسپی لی - انھوں نے دینی علوم کے بعد فلسفہ سے ہی اپنی دلچسپی کا اظہار کیا - برصغیر میں عربی زبان میں کتابیں لکھنے کا باقاعدہ آغاز گیارھویں صدی عیسوی میں ہوا جب عربی علوم اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے اس سے آگے انھوں نے کوئی ترقی نہ کی بلکہ اسلامی دنیا میں اس صدی میں علمی سرگرمیاں زیادہ تر شرحیں لکھنے اور پرانی کتابوں کے مواد کو دوبارہ قلمبند کرنے تک محدود ہوگئیں علاوہ ازیں فلسفہ کے موضوع پر ابتدائی دور کے مسلمان علماء نے بھی بڑے بڑے اسلامی مراکز میں کوئی تخلیقی کام نہیں کیا تھا بلکہ ان کا فلسفہ ہمیشہ انتخاب و اقتباس ہی تک محدود رہا اور اس کا انحصار زیادہ تر ان کتابوں پر رہا جو یونانی سے ترجمہ کی گئیں تھیں لہذا فلسفہ کی تاریخ تخلیق کے بجائے جذب کرنے کا عمل بنی رہی انھوں نے یونانی فلسفے کے صرف وہی نظریات رد کئے جو اسلامی عقائد کے خلاف تھے بہرحال جب کندی فارابی ابن سینا اور ابن رشد جیسے ممتاز فلسفی بہت کم نئی تخلیقات پیش کرسکے تو پھر ہند کے عربی مصنفین سے اس کی توقع کیسے کی جاتی ہے فارابی اور ابن سینا نے اپنی فلسفیانہ تحریروں میں یونانی فلسفہ کے نظریات کی تشریح کی ہے -

تاریخ کے مطالعہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ابتدائی دور کے مسلمانوں نے اپنے پیش روؤں سے "علوم عقلیہ" میں سے بطور وراثت کچھ بھی نہ پایا - اسلامی فلسفہ کا موجد اور بانی کون ہے اس کے بارے میں حتمی فیصلہ

کرنا مشکل ہے مگر وہ متداول اور مروج فلسفہ جو فکر اسلامی میں موجود اور خصوصاً ہندوستان میں رائج ہوا اس کا اصل مؤجد اور بانی تو ارسطو ہے لیکن چونکہ شیخ الرئیس بو علی سینا نے اس فلسفہ کی توجیہہ اور توثیق کی ہے اس لئے وہی اس کے بانی ہیں ارسطالیسی ابن سینائی فکری نظام پوری اسلامی دنیا اور بالخصوص برصغیر پاک و ہند میں فلسفہ اسلامی کا مصداق بن کر پھیل گیا ۔(45) اس فلسفہ کی تعلیم کا آخری سلسلہ محقق دوانی اور محقق طوسی سے شیخ الرئیس بوعلی سینا تک پہنچتا ہے ۔ شروع شروع میں برصغیر میں فلسفہ کے خلاف شدید بیزاری پائی جاتی تھی پھر محمد بن تغلق (825ھ/1324ء - 752ھ/1351ء) کے دور میں معقولات کو کافی ترقی ہوئی ۔ نویں صدی ہجری کے آخر میں ملتان کے ایک عالم مولانا ثناء الدین میر سید شریف سے اکتساب علم کرکے آئے ان کے دو ممتاز شاگرد شیخ سماء الدین ملتانی اور مولانا فتح اللہ ملتانی پھر ان کے صاحبزادے مولانا ابراہیم کے علاوہ مولانا عبداللہ تلنبی اور شیخ عزیز اللہ ملتانی بھی ان کے شاگرد ہوئے ۔ سکندر لودھی کے عہد میں شمالی ہندوستان میں معقولات کو کافی ترقی حاصل ہوئی مگر محقق دوانی کے شاگردوں میں ابوالفضل گازرونی سید ابوالفضل استرآبادی ملا عماد طاری رفیع الدین صفوی خواجہ جمال الدین محمود میر حسین مہدی وغیرہ نے بڑی موثر اور دیرپا خدمات انجام دیں ۔ میر حسین میبذی ہندوستان تو نہ آسکے مگر ان کی "شرح ہدایتہ الحکمہ" نے جو ان کے نام پر میبذی کہلاتی ہے شہرت دوام حاصل کرلی ۔

ہندوستان میں خواجہ جمال الدین محمود سے جو معقولات کا سلسلہ چلا وہ زیادہ دیرپا ثابت ہوا اور یہ سلسلہ ان کے دو شاگردوں مرزا جان شیرازی

---

(45) ڈاکٹر زبید احمد ۔ عربی ادبیات میں پاک ہند کا حصہ ص141-140-86

اور امیر فتح اللہ شیرازی سے چلاهے امیر فتح اللہ شیرازی بیجاپور سے اکبری دربار میں آکر ناموری و شہرت کے کمال کو پہنچے اور ہندوستان میں علوم عقلیہ کی اشاعت بڑے پیمانے پر شروع ہوگئے جس کے نتیجے میں یہاں چوٹی کے علمائے معقولات پیدا ہوئے ۔ ان میں شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی ملا عبدالسلام لاہوری مفتی عبدالسلام دیوی ملا عبدالحکیم سیالکوٹی ملا کمال الدین کشمیری ملا محب اللہ بہاری اور ملا محمود جونپوری جیسے بےشمار علماء اپنے اپنے عہد کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے (46)

فلسفه اور منطق کی مشہور و معروف کتابوں کا ذکر کرنے سے پہلے مختصر طور پر یہ سمجھ لیا جائے کہ منطق ہے کیا ؟ یہ دراصل ان کلّی قواعد کا نام ہے جن کی پابندی کرنے سے انسانی ذہن اپنے نظریات و افکار میں غلطی کرنے سے محفوظ رہتا ہے اس علم کا خاص فائدہ یہ ہے کہ عقلی علوم صحیح طریقے سے حاصل ہوں ابو نصر فارابی نے اس کو رئیس العلوم اور الشیخ الرئیس بوعلی سینا نے خادم العلوم کہا ہے اس کے نو بنیادی اصول ہیں ۔ کلمات تعریفات تصدیقات قیاس سبحان خطابت جدل مغالطه شعر (47)

تاریخ بتاتی ہے کہ اس علم کا موسس اور مدون ارسطو ہے اسی وجه سے اس کو معلم اول کہا جاتا ہے اسی لئے عرب فلاسفه کی منطق ارسطا طالیسی ہے جس میں یونانی شارحین کی وجه سے کچھ تبدیلیاں پیدا ہوگئیں ۔ عربوں نے اس کے ارتقاء میں تو کوئی حصه نه لیا لیکن اسے دوباره منظر عام پر وہی لائے ۔ یہ صرف منطق ہی ہے جس میں انھوں نے مستند ارسطاطالیسی فلسفے

---

(46) اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں ص 364

(47) عبدالحئی الحسنی ۔ الثقافته الاسلامیته فی الهند ص 253

کو سب سے زیادہ ٹھیک سمجھا یونانیوں کے یہاں فلسفہ یادوسرے لفظوں میں
چونکہ فلسفے کے مطالعے کی ابتدا منطق سے ہوئی تھی اس لئے ارسطاطالیسی
منطق کے دو مقدمے تھے عرب منطقیوں کے نزدیک منطق معلوم سے غیر معلوم کے
متعلق علم حاصل کرنے میں رہنمائی کرتی ہے لیکن عربوں اور متأخر یونانی شارحین
کی رائے میں اس کی اصل یہ ہے کہ انسان خیر اور شر کے درمیان امتیاز کرتے
ہوئے اس کی مدد سے انتہائی کمال نفس اور انتہائی مسرت حاصل کرے چنانچہ
علم منطق کو سب سے پہلے ارسطو نے مدون کیا پھر کئی نامور فضلا جن میں
اسحٰق بن حنین حنین بن اسحاق اور ثابت بن قرتہ کی کوششوں کے بعد
ابو الفر فارابی (م - 339ھ) نے منصور بن السامانی کی فرمائش پر ارسطو کی
کتابوں کے ترجمے اور ملخص تیار کئے اور معلم ثانی کہلایا الفارابی کے بعد یہ
شرف ابن سینا (م - 428ھ) کو حاصل ہوا - عرصہ دراز تک ارسطو کی کتب
منطق کی شروح لکھنے کا رواج رہا - ابو یوسف الکندی نے منطق پر تقریباً نو
رسائل لکھے ان کے علاوہ ابو نصر فارابی ابوالسحاق قومیری ابو یحیی المروزی
ابن یونس یحیی بن عدی وغیرہ قابل ذکر ہیں مسلمان علماء نے بھی مستقل تصانیف
کے علاوہ شروع و حواشی پر بھی توجہ کی - جن میں چند مشہور و معروف علماء
کا ذکر مع ان کی تصانیف کے کیا جاتا ہے ــــ

1 - ابو بکر زکریا الرازی (م - 311ھ/923ء) - رسالہ فی المنطق

2 - الاصفہانی (م - 350ھ) - کتاب المنطق

3 - العسکری (م - 382ھ) - کتاب المنطق

4 - الغزالی (م - 505ھ/1111ء) - معیار العلم فی فن المنطق

5 - ابن ماجہ (م - 533ھ/38**ء) - رسائل المنطق

6 - ابن رشد (م - 595ھ/1198ء) - مناھج الادلته فی عقائد القلته
شرح الاوسط

7 - نجم الدین علی بن العمر الکاتبی قزوینی (675ھ/1277ء) -حکمتہ العین

8 - " " " - جامع الدقائق

9 - " " " - الرسالته الشمسیه فی الفوائد المنطقیه

فلسفه و حکمت کے مستقل متون کی تصنیف کا آغاز الشیخ الرئیس بوعلی سینا سے ہوتا ھے - ذیل میں ان چند تصانیف کا مجملاً تذکرہ ھے جنھوں نے ھندوستانی علماء کی تدریسی و تعلیمی سرگرمیوں کو بڑی حد تک متاثر کیا ھے -

1 - الشیخ الرئیس کا نام سب سے زیادہ اھم ھے - اس کی "الشفاء" الحکمته المشرقیه اور "کتاب الاشارات و التنبیہات ھیں -

2 - دوسری اھم کتاب شیخ سراج الدین ارموی کی "مطالع الانوار" ھے اس کی شرح قطب الدین رازی نے لکھی جس پر سید شریف جرجانی نے حاشیه لکھا -

3 - اثیر الدین ابھری (661ھ/1261ء) نے ساتویں صدی کے نصف اول میں ھدایته الحکمته لکھی - اس کے تین جزو تھے - منطق طبیعات الھیات - اول الذکر ناپید ھے - طبیعات و الھیات پر محقق دوانی کے شاگرد میر حسین میبذی نے شرح لکھی - یہ شرح ان کے نام سے منسوب ھوکر "میبذی" کہلاتی ھے - دوسری اھم شرح گیارھویں صدی ھجری میں صدر الدین ابراھیم شیرازی نے لکھی جو ان کے نام سے منسوب ھوکر "صدرا" کہلاتی ھے اثیر الدین ابھری نے منطق کا ایک مختصر سا متن بھی - "ایسا غوجی" کے نام سے لکھا اس پر میر سید شریف نے میر ایسا غوجی کے نام سے شرح لکھی -

4 - "شرح مطالع انوار" اور شرح الشمسیہ (القطبی) کے علاوہ قطب الدین رازی نے "الرسالتہ فی التصور و التصدیق" کے نام سے ایک مستقل رسالہ تصور و تصدیق کے موضوع پر لکھا ۔ اس کی بھی متعدد شرحیں لکھی گئیں ۔

5 - "تہذیب المنطق و الکلام" علامہ سعدالدین تفتازانی کی "تہذیب المنطق" کے جزو منطق کی محقق دوانی نے شرح لکھی اس کی تکمیل امیر فتح اللہ شیرازی نے کی دوسری شرح ملا عبداللہ ایزدی نے کی ۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ شروع شروع میں ہندوستان میں فلسفہ و منطق کی طرف توجہ کم رہی ۔ نویں صدی ہجری میں نصاب درس میں صرف "شرح شمسیہ" داخل تھی اور پھر لودھیوں کے دور حکومت میں مطالع اور مواقف درس نصاب میں داخل کی گئیں پھر جب معقولات کی کتب کی طرف توجہ زیادہ بڑھی تو پھر "شرح مطالع اور "شرح المواقف" کا بھی اضافہ کیاگیا عہد مغلیہ میں معقولات نے بڑی اہمیت حاصل کی کیونکہ جلال الدین محمد اکبر کے عہد حکومت میں معقولات کے مشہور و معروف عالم ملا فتح اللہ شیرازی دربار بیجاپور سے آگرہ دربار اکبری میں آکر شہرت و ناموری کو پہنچے ملا موصوف کو اپنی بتحیر علمی کی وجہ سے بڑی اہمیت حاصل ہے اب ہندوستان میں فلسفہ و معقولات کے کئی نامور علماء و فضلاء پیدا ہوئے جنھوں نے اس فن کی تدریس و اشاعت میں بہت اہم کردار ادا کیا ۔ جن میں مشہور و معروف شخصیتوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں ـــ

گجرات میں ملا وجیہہ الدین علوی گجراتی لاہور میں ملا عبدالسلام لاہوری سیالکوٹ میں ملا کمال الدین کشمیری اور ان کے شاگرد ملا عبدالحکیم سیالکوٹی جونپور میں ملا افضل عثمانی مفتی عبدالسلام دیوی قاضی ضیاء الدین

شیخ محب اللہ الہ آبادی قاضی محب اللہ بہاری اور ایسے بےشمار علماء جو تمام علوم درسیہ میں مرجع و سند کی حیثیت رکھتے تھے ۔ ان ہندوستانی علماء و فضلاء کے حلقہ درس میں ایسے ایسے باکمال فضلاء پیدا ہوئے جو اپنے دور کے ابن سینا اور فارابی بنے مثلاً ملا محمود جونپوری قاضی محب اللہ شاہ ولی اللہ دہلوی ملا نظام الدین سہالوی ملا حمد اللہ سندیلوی شیخ فضل حق خیرآبادی وغیرہ اپنے وقت میں معقولات کے امام اور اس فن میں بلند مقام پر فائز تھے ۔

فلسفہ و منطق میں ہندوستانی مصنفین نے بےشمار کتابیں اور شروح اور حواشی تحریر کئے اور اگر ان کا اجمالی تذکرہ بھی کیا جائے تو اس کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہوگی مگر یہاں صرف ملا عبدالحکیم کی کاوشوں کا ہی تذکرہ کیا جارہا ہے کہ انھوں نے اس فن میں کیا کار ہائے نمایاں انجام دئے لہذا بالترتیب پہلے منطق ـــ اور پھر فلسفہ میں ان کی تصنیفات کا مختصر طور پر تذکرہ کیا جا رہا ہے ۔

1 - حاشیہ شرح شمسیہ یا (میر قطبی) ـــ

شمسیہ کا پورا نام "الرسالتہ الشمسیہ فی القواعد المنطقیہ" ہے جسے نجم الدین کاتبی جو محقق طوسی کے شاگرد تھے نے لکھ کر خواجہ شمس الدین وزیر کے نام معنون کیا تھا اسی وجہ سے یہ متن شمسیہ کہلاتا ہے اس پر بہت سے علماء نے شرحیں لکھیں جن میں زیادہ مقبول قطب الدین رازی کی شرح "تحریر القواعد المنطقیہ فی شرح الرسالتہ الشمسیہ" ہوئی اور یہ اپنے مصنف کے نام پر "قطبی" کہلاتی ہے ۔ تحریر القواعد المنطقیہ فی شرح الرسالتہ الشمسیہ

پر بھی بہت سے علماء نے حواشی تحریر کئے جن میں قرتہ داوڈ میر صدرالدین شیرازی محقق دوانی ابوالحسن شجاع الدین الیاس الرومی مظفر الدین شیرازی برھان الدین کمال الدین کے نام خاص طور پر مشہور ھیں لیکن قطبی کے حواشی میں قبول عام صرف دو حاشیوں میر سید شریف کا حاشیہ جو "میر قطبی" کہلاتا ھے اور سعد الدین تفتازانی کا حاشیہ جو "سعدیہ" کہلاتا ھے کو نصیب ھوا۔

ھندوستان میں "قطبی" کا رواج غالباً آٹھویں صدی کے نصف آخر میں ھوا جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ھے کہ فیروز تغلق نے اپنے مدرسے میں بہت سے علماء کو رکھا تھا ان میں اس نے مولانا جلال الدین رومی کو صدر مدّرس مقرر کیا ۔ چنانچہ مولانا جلال الدین رومی جو قطب الدین رازی کے شاگرد تھے نے اپنے استاد کی "شرح شمسیہ" کو منطق کے نصاب میں داخل کیا اور چونکہ اس وقت معقولات سے زیادہ شرعیات کا رواج تھا ۔ لہذا دسویں صدی ھجری کے آغاز تک یہی کتاب منطق کی اعلی ترین کتاب سمجھی جاتی تھی ۔ اس کے بعد علمائے ملتان نے آکر معقولات کی ترویج و اشاعت کی اور دسویں صدی کے آخر میں معقولات کی گرم بازاری کا یہ عالم ھوا کہ نصاب پر معقولات چھا گئے ۔

بہرحال دسویں صدی سے قبل "شرح شمسیہ" ھی منطق کی اعلی ترین کتاب سمجھی جاتی تھی لہذا بہت سے علماء نے اس پر حواشی تحریر کئے ان میں مولانا عبدالوھاب کشمیری مولانا وجیہہ الدین شیخ ھبتہ اللہ شیرازی اور قاضی نوراللہ شوستری قابل ذکر ھیں ۔ منطق کی تاریخ میں "شمسیہ" کے سلسلے میں تین کتابوں کو اھمیت حاصل ھوئی پہلی تو خود "شمسیہ" پھر اس کی شرح جو قطب الدین رازی نے کی اور جو "قطبی" کہلاتی ھے اور پھر قطبی پر میر سید شریف جرجانی کا حاشیہ جو "میر قطبی" کہلاتا ھے ۔ اس سلسلتہ الذھب

کی چوتھی اور آخری کڑی علامہ عبدالحکیم کا حاشیہ ہے جو انھوں نے "میرقطبی" پر تحریر کیا تھا ۔ اس حاشیہ میں مولانا سیالکوٹی "قطبی" اور "میر قطبی" کی اہمیت کو بدیں طور پر تحریر فرماتے ہیں ـــ

"الشرح المنسوب الی الطور العظیم والمعتمد الجسیم
والحواشی المعلقتہ علیہ للسید السند و الحبر الاوحد ۔"

مگر "قطبی و میر قطبی" پر جو حواشی تحریر کئے جا چکے تھے ملا عبدالحکیم ان سے مطمئن نہیں تھے وہ اپنے حاشیہ میں تحریر کرتے ہیں ـــ

"ان ما علق علیہما الفضلاء مع اشتہارہم بہما بعضہا غیر
وافیتہ لوجود الظفرتہ و بعضہا غیر شافیتہ لعدم الظفرتہ و
بعضہا مملتہ للاطناب غیر متعلق بالکتاب و بعضہا مخلتہ
للاحتواء علی شکوک محیرتہ للطلاب ۔" (48)

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ان کے صاحبزادے مولانا عبداللہ لبیب ان سے مختلف علوم و فنون کی تکمیل کر رہے تھے انھوں نے ان ہی کے ایما پر یہ حاشیہ بھی تصنیف فرمایا ۔ لکھتے ہیں ـــ

"قد سالنی الولد الاعز فخور حدقتہ السعادتہ و نورحدیقتہ
العبادتہ و فواد الفواد لھذا الغریب عبداللہ الملقب
باللبیب عند قراتہ الشرح و ...... ان اکتب مایسنح
الذھن الکلیل فی حل مشکلاتہما و احترماًیتقرر لدی فی
کشف معضلاتہما سالکا طریقتہ الاقتصاد و مقتصراً علی ایراد
ماتیعلق بحل الکتاب ۔"

---

(48) المعارف ۔ لاہور اپریل 1968ء ص 35

(ترجمه) مجھ سے میرے زیرک بیٹے نے جو سعادت و نیک بختی کی آنکھ کا نور اور عبادت کے چمن کی کلی ھے اور جو اس فریب (عبدالحکیم سیالکوٹی) کا دل اور لخت جگر ھے یعنی عبداللہ جس کا لقب لبیب ھے جس زمانہ میں وہ مجھ سے یہ شرح (قطبی و میر قطبی) پڑھ رھا تھا ۔ درخواست کی .....کہ میں ان نکات کو قلمبند کروں جو میرے ذھن میں ان دونوں کتابوں کی مشکلات حل کرتے وقت آئے ھیں ۔ نیز ان کے غامض مقامات کی تشریح میں جو وضاحت میرے نزدیک ثابت و متقرر ھو اسے تحریر کروں اور ایسا کرنے میں میانہ روی کے طریقہ پر گامزن رھوں اور صرف ان امور پر اکتفا کروں جو کتاب کے حل سے متعلق ھوں) ۔

اس طرح یہ گنجینۂ علوم ظہور میں آیا اور تکمیل کے بعد دیگر تصانیف کی طرح اس حاشیہ کو بھی شاہ جہاں کے نام معنون کیا فرماتے ھیں ـــــ

"ثم بعد ماتیسرلی (تمامہ ..... جعلتہ عراضتہ لحضرتہ
من خصتہ اللہ تعالی بالسلطنتہ الابدیتہ ..... فخر
الملوک والسلاطین ..... المؤید بالتائید والنصر الربانی
امیر المؤمنین ابو المظفر شھاب الدین شاہ بادشاہ صاحب
القرآن الثانی ۔" (49)

علامہ سیالکوٹی کا حاشیہ شرح شمسیہ منطقی فکر کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ھے اور بعد کے علماء نے بالخصوص ملا محب اللہ بہاری نے اپنی تصنیف مسلم العلوم میں ھندوستانی محشیین قطبی میں سے صرف ملا عبدالحکیم ھی کو درخور اعتنا سمجھا اور ان کے منطقی منفردات سے تعرض کیا ۔

---

(49) مجموعہ قطبی و حواشی قطبی ج اول بحوالہ المعارف اپریل 1968ء ص 37

2 - حاشیہ شرح مطالع

"مطالع الانوار قاضی سراج الدین محمود بن ابی بکر ارموی (م- 689ھ) کا منطق و حکمت میں متن متین ہے ۔ اس کے دو حصے ہیں طرف اول منطق میں اور طرف ثانی فلسفہ و حکمت میں موخر الذکر کے چار اجزا ہیں ۔ جواہر اعراض امور عامہ اور العلم الالہی ... مطالع الانوار کی شرح قطب الدین رازی (م - 766ھ) نے لوامع الاسرار کے نام سے لکھ کر وزیر غیاث الدین کے نام معنون کی تھی چنانچہ یہ شرح علماء میں بہت مقبول ہوئی اور بہت سے فضلاء نے اس پر حواشی لکھے ۔ قدیم ترین حاشیہ الحاج پاشا کا تھا جو انھوں نے میر سید شریف سے بھی پہلے لکھا تھا دیگر علماء میں مولانا دانش مندا بیوروی مولانا داوٗد شروانی عبدالرحیم اور محی الدین بن شہاب الدین کے نام قابل ذکر ہیں لیکن سب سے زیادہ قبول عام میر سید شریف کے حاشیہ کو ملا ۔ کہتے ہیں کہ میر سید شریف کی زبردست خواہش تھی کہ وہ "شرح مطالع" کو اس کے مصنف قطب الدین رازی سے ہی پڑھیں چنانچہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے ملا قطب الدین بہت بوڑھے ہو چکے تھے انھوں نے نوجوان طالب علم کے قیل و قال اور ایراد و اندفاع کی سکت نہ دیکھی لہذا انھیں اپنے شاگرد شمس الدین محمد بن مبارک شاہ کے پاس بھیجا کہ ان سے پڑھنا ایسا ہی ہوگا جیسے خود شارح سے پڑھنا ۔ میر سید شریف ان کے پاس گئے تو انھوں نے کہا کہ مستقل درس کے لئے تو وقت نہیں مگر فلاں امیرزادہ آجکل اس کتاب کو پڑھ رہا ہے اس کے ساتھ درس میں شریک ہو جاوٗ ۔ وہ شریک ہوئے مگر درس میں بالکل خاموش رہتے البتہ رات کو بڑے زور و شور سے تیاری کرتے ایک شب محمد بن مبارک شاہ مدرسہ کے لئے معائنہ کے لئے آئے تو جب میر سید شریف کے حجرے

کے قریب پہنچے تو انہیں بڑے جوش و خروش سے اس کتاب کی تیاری میں پایا انداز کچھ اس قسم کا تھا ـــــ

"قال الشارح کذا و قال الاستاذ کذا و انا اقول کذا ـ" (50)

نوجوان شاگرد کے اس انداز مطالعہ سے وہ متاثر ہوئے اور خوش ہوکر دوسرے دن سے مستقل سبق مقرر کردیا بہرحال میر سید شریف نے یہ حاشیہ درس کے دوران تحریر کیا اور یہ اسقدر مقبول ہوا کہ بےشمار علماء نے اس پر حواشی لکھے ان میں میر مرتضٰی شریفی مرزا جان شیرازی ابن کمال پاشا اور مولانا لطفی قابل ذکر ہیں ـ "شرح مطالع" ہندوستان میں عہد فیروز شاہی میں پہنچ چکی تھی جیسے کہ عرض کیا جا چکا ہے مولانا جلال الدین رومی جو کہ شارح شمسیہ و مطالع کی بھی وجہ سے مشہور تھے ـ نے اس کا باقاعدہ درس شروع کیا تھا گویا یہ امیر فتح اللہ شیرازی کے علمائے ولایت کی معقولات کی کتابوں کو متعارف کرانے سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا ـ

لہذا درس میں متداول ہونے کی وجہ سے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے بھی اس پر حاشیہ لکھا جو"حاشیہ شرح مطالع"کے نام سے مشہور ہوا ان کا یہ حاشیہ خدا بخش لائبریری پٹنہ اور بانکی پور میں موجود ہے ـ مولانا سیالکوٹی کے علاوہ دیگر علماء ہند نے بھی اس پر حواشی تحریر کئے ان میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے صاحبزادے مفتی نورالحق کا حاشیہ مشہور ہے ـ

مندرجہ بالا کتب تو منطق کے موضوع پر تھیں جن پر ملا عبدالحکیم نے حواشی لکھ کر اپنی علمی برتری کا ثبوت دیا ـ منطق کے علاوہ ان کے قابل

---

(50) المعارف ـ لاہور اپریل 1968ء ص 38

قدر حواشی فلسفه میں بھی ھیں اور ذیل میں انھیں کا تذکرہ کیا جارھا ھے ۔

3 ۔ حواشی در کنار حکمته العین ـــ

شرح حکمته العین ـــ

حکمته العین فلسفه و حکمت میں نجم الدین کاتبی قزوینی کا متن متین ھے اس کے دو حصے ھیں ـــ

الہیات

طبیعات

"شمسیه کی طرح حکمته العین کی شرح بھی قطب الدین رازی نے لکھی تھی اور یه شرح جلد ھی معقولات کے اعلی نصاب میں بلند مقام پر پہنچ گئی مشاھیر فضلائے اسلام میں سے محقق دوانی نے بھی اس پر حاشیه لکھا تھا ۔ لہذا دسویں صدی ھجری میں "شرح حکمته العین" کی اھمیت ھندوستان میں بھی مسلم ھو چکی تھی ۔ مولانا خوشحال تاش قندی نے دیگر کتب معقولات کے علاوہ حکمته العین بھی مولانا وحید الدین گجراتی علوی سے پڑھی تھی چنانچه تدریس کے علاوہ شرح حکمته العین ۔ علمائے ھند کے تحشیه کا بھی موضوع رھی ھے چونکه یه مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے یہاں بھی پڑھائی جاتی تھی اور اسی تقریب سے انھوں نے اس پر حاشیه لکھا تھا ۔ دسویں صدی ھجری میں مولانا سیالکوٹی کے علاوہ ملا وجیھه الدین گجراتی نے بھی اس پر حاشیه لکھا تھا "شرح حکمت العین" کا رواج موجودہ دور تک رھا ھے اور متن حکمته العین ھنوز اتر پردیش کے امتحان عالم کے نصاب میں داخل ھے۔" (51)

---

(51) المعارف لاھور مئی 1968ء ص 38

4 ۔ حواشی در کنار شرح ھدایہ الحکمتہ ــــ

(حاشیہ علی میبذی) "ھدایتہ الحکمتہ" اثیر الدین ابھری کا منطق و فلسفہ میں ایک مختصر متن ھے ۔ جس کے تین حصے ھیں ــــ

منطق

طبیعیات

الٰہیات - اس تقسیم کی تہہ ھیں جو تاریخی عوامل کارفرما تھے ان کا اجمالی تذکرہ مستحسن معلوم ھوتا ھے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ھے کہ مشہور یونانی فلسفی ارسطو نے فلسفہ و حکمت کی غالباً جملہ شاخوں پر لکھا تھا اور بعد میں اس کی تصنیفات کی نئے طور پر جماعت بندی کی گئی اس طرح جب یونانی فلسفہ مسلمانوں میں منتقل ھوا تو فلسفہ و حکمت کے مسلمان مصنفین نے اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا ۔

حکمت نظری

حکمت عملی ۔ مقدم الذکر کو پھر تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ۔ طبیعیات ریاضیات اور الٰہیات پھر مؤخرالذکر (حکمت عملی) کو بھی تین ھی حصوں میں تقسیم کیا گیا ۔ فلسفہ ء اخلاق ۔ تدبیر منزل ۔ اور سیاست مدن ۔ اس تقسیم در تقسیم میں سیاست مدن کا نام نہیں آتا تھا اس لئے منطق کو حکمت نظری کے تحت کردیا گیا ۔ ادھر حکمت عملی کا اقسام ثلاثہ شریعت اسلامیہ کے انسان دوستانہ اور مبنی بر انصاف قوانین کے مقابلے میں تقویم پارینہ بن گئیں لہذا بو علی سینا کے زمانہ میں ھی فلسفہ کے صرف چار ارکان رہ گئے تھے ۔ منطق طبیعات ریاضیات اور الہیات انھوں نے فلسفہ کی جو قاموس "کتاب الشفا" کے نام سے لکھی وہ انھیں چار اجزاء پر مشتمل تھی مگر بعد میں جب ریاضیات کے

کے ساتھ فلاسفہ کا اعتنا بہت کم ہوگیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب فلسفہ و حکمت کے صرف تین اجزا ء رہ گئے جن کا تذکرہ ہوچکا ہے ۔ بہرحال بعد کے مصنفین نے اسی سہ‌گانی تقسیم کا اتباع کیا اور اثیر الدین الابھری نے بھی "ھدایتہ الحکمتہ" کو تین ہی حصوں میں تقسیم کیا اسی لئے یہ صغیر الحجم ہونے کے باوجود فلسفہ کے جملہ اہم مسائل پر حاوی ہے ۔

چنانچہ علما ء نے شروع ہی سے اس کے شروح و حواشی لکھنے شروع کردیئے تھے ان علما ء میں میر کی شمس الدین معین الدین سالمی سعد الدین مسعود بن محمد قزوینی اور روم میں قاضی زادہ- شیخ محمد بن محمود- خواجہ زادہ اور خضر شاہ بن عبد اللطیف المنشوی قابل ذکر ہیں لیکن جب میر حسن میبذی نے "ھدایتہ الحکمتہ" کی شرح لکھی جو بعد میں ان کے نام پر "میبذی" کہلائی تو پھر اسی کا رواج عام ہوگیا ۔ چنانچہ امام الدین ریاضی نے اس کی اہمیت و افادیت کے بارے میں لکھا ہے :-

"و میر حسین یزدی میبذی قدس اللہ سرہ الصمدی شاگرد مولانا جلال الدین سعد صدیقی دوانی است و در خطبہ ء کتاب شرح ھدایتہ الحکمہ بلفظ امد اللہ جلالھم اشارہ باین معنی نمودہ و آں کتاب حسنہ عظیمہ غریبہ ایست از حسنات میر حسین کلیم سمہ ایست از بستان سرائے سیادت ومجموعہ ایست از نتائج فکر ولایت با ء جازت الفاظ فصیحہ و بلاغت معانی ملیحہ جامع عبارات بدیعہ و اشارات لطیفہ است واین ضعیف برآں شرح حاشیہ نوشتہ و نہایتہ الحکمتہ نام کردہ ۔" (52)

---

(52) تذکرہ باغستان ۔ بحوالہ المعارف مئی 1968ء ص 41

"میبذی" پر بہت سے علماء نے حواشی لکھے ان میں مصلح الدین اللاری نصراللہ بن محمد الخلخالی وغیرہ قابل ذکر ھیں مگر ان میں سب سے اھم فخرالدین استرآبادی کا حاشیہ تھا اسی سے متاثر ھوکر ملا صدرالدین محمد ابراھیم جو عام طور پر صدرائے شیرازی کے لقب سے جانے جاتے ھیں نے"ھدایتہ الحکمتہ" کی شرح لکھی جو ان کے نام پر "صدرا" کہلاتی ھے ۔

ھندوستان میں "میبذی" پڑھنے پڑھانے کا رواج دسویں صدی ھجری سے ملتا ھے چونکہ مولانا خوشحال تاشقندی۔مولانا وجیہہ الدین سے "شرح ھدایتہ الحکمتہ" پڑھتے تھے لہذا بہت سے لوگوں نے اس پر حواشی لکھکر اپنی علمی برتری کا ثبوت دیا ۔ لیکن ان میں زیادہ شہرت محمد حسن علمی مفتی نورالحق اور قاضی نوراللہ شوستری کے حواشی کو حاصل ھوئی چنانچہ شیخ اثیر الدین کی "ھدایتہ الحکمتہ" کی دونوں مشہور شرحیں ۔ میبذی اور صدرا ھمارے عربی مدارس میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں ظاھر ھے یونانی اسلامی فلسفہ کا یہ اھم شاھکار مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی مجلس درس اور اعتنا سے کیسے بچ سکتا تھا ۔ لہذا انھوں نے اس پر ایک مفید حاشیہ لکھا جو "حاشیہ علی المیبذی" یا "حاشیہ شرح" ھدایتہ الحکمتہ کے نام سے مشہور ھیں اور متن میں بیان کردہ دقیق فلسفیانہ مسائل کے سمجھنے میں حد درجہ مفید ھے ۔

---

5 - علم نحو و بلاغت ــــ

عربی زبان کی تعلیم کے لئے علوم آلیہ کی حیثیت صرف و نحو کو ھی دی گئی ھے کیونکہ یہ دونوں اس کے بادیات میں سے ھیں اور اپنی معنویت و اھمیت کی بنا پر عربی زبان کی ریڑھ کی ھڈی کہے جاتے ھیں ۔ حقیقتاً عربی زبان کی ابتدا علم صرف اور بعد ازاں علم نحو سے ھوتی ھے عربی میں علم نحو کے لغوی معنی "سمت" راستہ یا قصد کے ھیں بعد میں رفتہ رفتہ اس کے اصطلاحی معنی "قواعد زبان عربی" مقرر ھوگئے ماھرین لسان عرب کے نزدیک قواعد لسان کے دو حصے ھیں ــــ

علم الصرف

علم النحو

صرف و نحو دونوں ھی عربی زبان کے لئے موقوف علیہ ھیں کیونکہ علم صرف سے مفرد الفاظ میں ھونے والے مختلف تغیرات ۔ حالات وغیرہ سے آگاہ کیا جاتا ھے گویا اس میں افعال موضوع فعل کے حرف اصلیہ کی شناخت فعل کی گردان اسمائے ذات و صفات بنانے اور ان کی جمع و تانیث وغیرہ کے قاعدوں سے بحث ھوتی ھے اور علم نحو سے کلمات کو باھم ترکیب دینے اور ان کے آخر کے حالات جاننے کی کیفیت کا علم ھوتا ھے اور انسان اس کے ذریعہ روزمرہ کی گفتگو اور تحریر میں ھر قسم کی ترکیبی اغلاط سے محفوظ رھتا ھے اس فن کی نہایت جامع تعریف ڈاکٹر مسعود انور علوی ان الفاظ میں کرتے ھیں ــــ

"علم صرف میں کلموں کو بنانے اور ان میں تغیر و تبدل کرنے کا طریقہ بتایا جاتا ھے نیز مفرد الفاظ کی وضع اور شکل اصلی اور اس کے تغیرات سے اس طرح بحث کی جاتی ھےکہ

یہ الفاظ اپنی اصلی ھئیت سے دوسری نئی ھئیت میں کس
اصول و قیاس کی بنا؛ پر آئے ھیں اس فن کا فائدہ یہ ھے
کہ انسان صحت و درستی کے ساتھ کلمات کا تلفظ کرسکے۔" (53)

ابتدا میں علم صرف و نحو ایک ساتھ مدوّن تھے لیکن بعد میں ابو عثمان مازنی نے اس کو ایک الگ فن کی شکل دی اور یہی صورت اب تک قائم ھے مگر اصولی طور پر دونوں کی غرض و غایت یہی ھے کہ متکلم کلمات کی بناوٹ اور ترکیب میں غلطی سے محفوظ رھتا ھے ۔

عربی زبان چونکہ اھل عرب کی مادری زبان تھی اور وہ اسے بغیر اس کے قواعد جانے ھوئے بھی صحیح طور پر استعمال کرتے تھے اسی وجہ سے زمانہ جاھلیت اور عہد اسلام کے شروع میں اس زبان و ادب کا کوئی نحوی قاعدہ مرتب نہ تھا ۔ مگر جب اسلام جزیرہ؛ عرب سے نکل کر ایران و روم میں پھیلا تو نحوی قواعد مرتب نہ ھونے کی وجہ سے زبان میں غلطیاں ھونے لگیں اور اس بات کا خطرہ لاحق ھوگیا کہ اگر نحوی قواعد مرتب نہ کئے گئے تو عربی زبان اصلی حالت میں محفوظ نہ رہ سکے گی ۔ حالانکہ عربی زبان مختلف اعتبارات سے اعلی ترین زبان تھی ۔ اور اللہ تعالی کی کتاب ھدایت "قرآن مجید" بھی عربی زبان میں نازل ھوا تھا نیز فرمودات رسول صلی اللہ علیہ وسلم عربی زبان ھی میں تھے چنانچہ امیر المؤمنین حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کو سب سے پہلے اس کا احساس شدت سے ھوا انھوں نے چند نحوی قواعد مرتب کرکے ابوالاسود الدولی کو مرحمت فرمائے اور اسی نہج پر قواعد مرتب کرنے کا حکم دیا ۔

---

(53) ڈاکٹر مسعود انور علوی ۔ عربی ادب میں اودھ کا حصہ ص 211

عربی علوم کے آغاز کی تاریخ چونکہ عام طور پر تاریکی کے پردے میں ڈھکی ہوئی ہے اس لئے قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ لفظ "نحو" کا اصطلاحی معنوں میں استعمال کب شروع ہوا اس سلسلے میں سب سے پہلا نام "ابوالاسود" ہی کا آتا ہے اور انھیں ہی اس شاخ کا بانی قرار دیا جاسکتا ہے چونکہ ابوالاسود کی وفات پہلی صدی ہجری کے اختتام پر ہوئی تھی - اس لئے بصری دبستان کے مشہور ترین اکابر میں ان کا نام سرفہرست ہے لہذا ابوالاسود الدولی اور ان کے بعد ان کے لائق ذکر تلامذہ نے اس سلسلہ میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور آج عربی زبان کا اپنی اصلی حالت پر باقی رہ جانا انھیں کی مساعی کا رھین منت ہے فن نحو میں سب سے زیادہ مشہور عنبسہ- (عنبسته الفیل) یحیی بن عمر عدوانی- عطا بن اسود - ابوالحارث-عیسی بن عمر ثقفی- ابو عمر بن علاء اور خلیل بن احمد فراہیدی ہیں -

ابتدائی عہد عباسی میں ابو عمر و بن عثمان بن قنبر شیرازی جو عرف عام میں سیبویہ کے نام سے مشہور ہوئے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی اور انھوں نے نحو کے مختلف مسائل اور مباحث کو یکجا کیا اور اپنی تصنیف کا نام " الکتاب" رکھا سیبویہ کے بعد ابو علی الفارسی اور ابوالقاسم الزجاج نے سیبویہ کی اتباع میں مختصر نحوی مسائل مرتب کئے یہاں تک کہ اس نے باقاعدہ فن کی شکل اختیار کرلی چنانچہ بصرہ اور کوفہ اس کے اہم اور مشہور مرکز بن گئے بہت سے نحویوں نے ان مباحث و قواعد کو نثر میں بیان کیا اور اکثر نے ان کو سہولت اور آسانی کے خیال سے منظوم شکل میں پیش کیا - تیسری صدی ہجری کے بعد جب عربی علوم کا مرکز دارالخلافہ بغداد منتقل ہوا اور وہاں کا دبستان

نحو بغداد کہلایا تو اس بغدادی دبستان کی وجہ سے کوفہ و بصرہ کے دبستانوں کا اختلاف آپس میں آہستہ آہستہ ختم ہوگیا ۔(54)

عربی میں علم نحو پر کتابیں لکھنے کا فن ساتویں صدی ھجری کے اواخر میں اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گیا اور چار نامور نحویوں زمخشری ۔ ابن حاجب۔ ابن مالک۔اور ابن ھشام (م 661ھ/1359ء) کے بعد کوئی بھی علم نحو پر ایسی نئی تصنیف نہ پیش کرسکا جو اس کی ذاتی تحقیقات پر مبنی ھو ۔ چنانچہ امام زمخشری نے "المفصل" میں اور ابن حاجب نے "الکافیہ" میں نحو کے بنیادی مسائل ذکر کئے ھیں ابن مالک اور ابن المعطی نے ان کو نظم کا جامہ پہنایا ۔ علامہ ابن الحاجب کی "الکافیہ" کی بہت سی شرحیں ھندوستان میں لکھی گئیں اس کے علاوہ ابن جنی کی "التصریف" عزالدین عبدالوھاب کی "المختصر الریحانی" احمد بن علی مسعود کی "صراح الارواح" اور المیدانی کی "المختصر" مشہور ھیں ۔ اس کے علاوہ قاضی ناصر الدین البیضاوی کی "لب اللباب" ھندوستان کے نصاب درس میں بھی شامل رھی مختصرات نحو میں شیخ تاج الدین الاسفرائنی کی "لباب الاعراب" امام مطرزی کی "المصباح" اور شرح ضوء المصباح اور علامہ ابن ھشام کی "اوضح المسالک" اور "مغنی اللبیب" خاص طور پر قابل ذکر ھیں ۔

ھندوستان میں علم نحو پر سب سے پہلی عربی کتاب "تعلیق الفوائد" ھے جو محمد بن ابوبکر بن عمر الدمامینی کی تصنیف ھے ۔ یہ کتاب ابن مالک کی تصنیف "تحصیل الفوائد و تکمیل المقاصد" کی شرح ھے انھوں نے یہ کتاب 820ھ/1417ء میں گجرات میں قلمبند کرکے سلطان احمد والئ گجرات کے نام

---

(54) دائرہ معارف اسلامیہ ۔ ج 1/14 ص 205

معنون کی اس کے علاوہ " المنھل الصافی" اور "تحفتہ الغریب فی شرح مغنی الغیب" بھی انھیں کی لکھی ہوئی ھیں یہ تینوں کتابیں ھندوستان میں لکھی گئیں جو بہت قیمتی ھیں اس کے بعد شہاب الدین دولت آبادی کی "الارشاد اور "شرح الھندی" و شرح الکافیہ" عبدالرشید جونپوری کی تذکرہ النحو اور ھدایتہ النحو بھی قابل ذکر ھیں ۔ ان تمام کتابوں پر ھر دور میں شروح و حواشی تحریر کئے جاتے رھے ھیں ۔

1 ۔ حاشیہ مراج الارواح ـــــ

علم صرف کے موضوع پر ھندوستان کے باھر بہت سی کتب لکھی گئیں انھیں میں سے ایک مشہور و معروف کتاب "مراح الارواح" ھے یہ احمد بن علی بن مسعود کا عربی میں ایک مشہور متن ھے ۔ حاجی خلیفہ نے اس کے بارے میں کہا ھے ـــــ

"وھو مختصر نافع متداول" (55)

(ترجمہ) وہ (مراح الارواح صرف میں) ایک مختصر اور مفید متن ھے جو (درس میں عام طور سے) مروج ھے ۔

علم الصرف کی اس مشہور تصنیف کا روم میں آٹھویں صدی ھجری ھی سے پڑھنے پڑھانے کا رواج تھا ۔ چنانچہ سب سے پہلے اس کی شرح حسن پاشا ابن علاؤ الدین نے لکھی ۔ بعد میں دیگر اساتذہ جنھوں نے اس کی شروح لکھیں ان میں ملا احمد ۔ تاج الدین عبدالوھاب بن ابراھیم الشافعی۔ عبدالرحیم

---

(55) حاجی خلیفہ ۔ کشف الظنون ج ثانی ص 415

بن خلیل الرومی مصطفی بن شعبان ابن کمال پاشا وغیرہ کی شرحیں زیادہ مشہور ہیں ۔

لیکن ہندوستان میں اس کتاب کے ساتھ کوئی خاص دلچسپی نہیں دکھائی گئی اور نہ ہی یہاں اس کے شروح و حواشی کا کوئی خاص چرچا سنائی دیتا ہے صرف آخری زمانہ میں نواب صدیق حسن خاں نے "تعریف الریاح" کے نام سے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا ۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی غالباً علمائے روم کی علمی و درسی روایات سے متاثر تھے اور علمائے روم کے دوش بدوش افادہ و افاضہ میں مصروف تھے ۔ لہذا صرف انھوں نے ہندوستان میں "مراح الارواح" پر حاشیہ تحریر کیا ۔

2 ۔ <u>تکملہ حاشیہ عبدالغفور</u> 3 ۔ <u>حاشیہ علی حاشیہ عبدالغفور</u> ـــ

"کافیہ" علم نحو میں شیخ جمال الدین ابی عمر و عثمان بن عمر کا جواب ابن حاجب مالکی کے نام سے مشہور ہیں کا مشہور متن ہے اس کی اہمیت و شہرت کے بارے میں حاجی خلیفہ نے لکھا ہے ـــ

"وهو مختصر معتبر شهرته مغنيته عن التعريف ۔" (56)

ابن حاجب کی یہ شہرہ آفاق تصنیف عربی گرامر کی قابل قدر کتابوں میں شمار ہوتی ہے اور غالباً بہت کم کتابوں کو اس قدر شہرت حاصل ہوئی ہے جتنی کہ "کافیہ" کو ملی ۔ جن علماء و فضلاء نے "کافیہ" کی شروح لکھیں یا ان شروح پر حواشی لکھے ان کا شمار ممکن نہیں مشاہیر شراح میں خود مصنف ابن حاجب

---

(56) حاجی خلیفہ ۔ کشف الظنون بحوالہ المعارف مئی 1968ء ص 43

کے علاوہ شیخ رضی الدین محمد بن الحسن الاسترآبادی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں ۔ دوسرے مشہور شارح نامور فارسی شاعر مولانا جامی تھے جن کی شرح (الفوائد الضیائیہ) اپنی شہرت کی بنا پر انہیں کے نام سے "شرح جامی" مشہور ہوگئی اور آج تک مدارس عربیہ میں کافیہ کے ساتھ داخل ہے ۔ "کافیہ" ہندوستان میں غالباً آٹھویں صدی ہجری کے شروع میں متعارف ہوئی اس سلسلے میں سب سے پہلے عالم جن کا نام اس کی شرح کے سلسلے میں آتا ہے وہ ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی تھے ۔ ان کی شرح جو ہندوستان کے باہر "شرح ہندی" کے نام سے مشہور تھی عرصہ تک علمائے روم و عجم کے تحشیہ کے موضوع بنی رہی مشاہیر علمائے ولایت میں ملا توقانی- خطیب ابوالفضل گازرونی اور میر غیاث الدین منصور نے اس پر حواشی لکھے ۔

حاشیہ عبدالغفور اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ "شرح جامی" جس کا ابھی تذکرہ ہو چکا ہے اور جو آج بھی مدراس عربیہ کے درس میں داخل ہے۔ علماء نے اس شرح کے ساتھ بھی اصل متن (کافیہ) سے کم اعتنا نہیں کیا ۔ چنانچہ سب سے پہلے ملا عصام الدین اسفرائنی نے اس پر حاشیہ لکھا اور اکثر مقامات پر مولانا جامی پر اعتراضات کئے لہذا مولانا جامی کے شاگرد رشید مولانا عبدالغفور لاری نےایک حاشیہ لکھا جس میں ملا عصام کے اعتراضات کا جواب دیا مگر وہ اسے مکمل نہ کرسکے ۔ چنانچہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے اس غیر مکمل "حاشیہ" کی تکمیل کی جو "تکملہ حاشیہ عبدالغفور" کے نام سے مشہور ہے ملا عبدالغفور کے اس غیر مکمل حاشیہ کی تکمیل کے بعد انہوں نے اس پر ایک اور حاشیہ لکھا جو حاشیہ علی حاشیہ عبدالغفور" کے نام سے جانا گیا ۔ اصل میں ملا عبدالغفور لاری نے اپنے حاشیہ میں ملا عصام الدین کے اعتراضات کا جواب

دیا تھا بعد ازاں ان دونوں مطارحات پر دوسرے علماؑ نے محاکمہ کیا چنانچہ مولانا مصلح الدین لاری نے اپنے حاشیہ میں ملا عصام الدین اور ملا عبدالغفور دونوں کے حواشی پر تعرض کیا ۔ اس قسم کا دوسرا محاکمہ مولانا عیسی بن محمد صفوی الایجی (م - 955ھ) نے کیا ۔ لہذا جب ملا عبدالحکیم نے اس کی مزید تشریح کردی تو دنیائے ادب میں ایک اور نادر و نایاب تصنیف کا اضافہ ہوا شرح جامی کے اس حاشیہ کا ایک مخطوطہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی لائبریری میں بھی ہے ۔

4 - حــــاشــیــہ مــطـول ــــ

علم بلاغت کے موضوع پر بہت سی کتب تحریر کی گئیں اور ان بہترین نصابی کتب میں " السکاکی ؒکی معروف تصنیف "مفتاح العلوم" ہے۔ اس پر بےشمار شروح و حواشی قلمبند کئے گئے پھر ان شروح و حواشی کی بھی مزید شرحیں اور حاشیے لکھے گئے ۔

"مفتاح العلوم" مختلف علوم ادب مثلاً صرف نحو بلاغت عروض وغیرہ کا مجموعہ ہے اس پر جن علماؑ نے شروح لکھیں ان میں قطب الدین شیرازی، سعدالدین تفتازانی اور میر سید شریف کی شروح خصوصیت سے مشہور ہیں ۔ لیکن ان میں زیادہ ۔

مقبولیت شمس الدین محمد بن عبدالرحمن بن عمر القزوینی الشافعی المعروف بہ خطیب دمشق (م - 739ھ) کی "تلخیص المفتاح" کو ہوئی "تلخیص المفتاح" مفتاح العلوم سکاکی " القسم الثالث کا اختصار ہے جو معانی بیان اور بدیع کے فنون پر مشتمل ہے یہ کتاب ایک مقدمہ اور تین فنون نیز ایک خاتمہ

پر مشتمل ہے مقدمہ فصاحت و بلاغت کی تعریف پر فن اول علم معانی پر فن ثانی علم بیان پر اور فن ثالث علم بدیع پر مشتمل ہے خاتمہ سرقات مشعریہ کی بحث پر ہے ۔ بہرحال "تلخیص المفتاح" نے جلد ہی اصل یعنی "مفتاح العلوم" کی جگہ حاصل کرلی ۔ اور اکثر افاضل علما نے اس پر شروح لکھیں چنانچہ حاجی خلیفہ نے لکھا ہے ـــــ

"ولما کان هذا المتن مما يتلقى بحسن التلقي والقبول اقبل
عليه معشر الافاضل والفحول راكب على درسه و حفظه اولو
المعقول و المنقول و صار كا سلسله محط رحال تحريرات
الرجال و ضبط انوار الافكار و مزوحم آرا ٔ البال ۔" (57)

چنانچہ اس فرط اعتنا کے نتیجے میں جن فحول علما نے اس پر شروح لکھیں حاجی خلیفہ نے ان کی ایک طویل فہرست دی ہے ۔ لیکن "تلخیص المفتاح" کی شروح میں سب سے زیادہ قبول عام سعد الدین تفتازانی کی شروح کو نصیب ہوا انھوں نے "تلخیص المفتاح" کی دو شرحیں لکھیں ایک مبسوط جسے 748ھ میں "المطول" کے نام سے مکمل کیا اور دوسری مختصر جسے "مختصرالمعانی" کے نام سے 756ھ میں تکمیل کو پہنچایا اور یہ دونوں کتابیں بہت مقبول بھی ہوئیں چنانچہ جن علما نے "مطول" پر حواشی لکھے ان میں میر سید شریف- مرزا جان شیرازی ۔ مولانا احمد تاشی ۔ شمس الدین محمد بن احمد وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں ۔

ہندوستان میں درس و تحشیہ کے ذریعہ ایک ساتھ غیر معمولی اعتنا کیا گیا چونکہ یہاں شروع ہی سے "مفتاح العلوم" کا رواج رہا اور آٹھویں صدی

(57) حاجی خلیفہ ۔ کشف الظنون ۔ ج اول ص 323

هجری میں مولانا معین الدین عمرانی جو قاضی عضد الدین الایجی کے ہمعصر تھے نے اس پر حاشیہ لکھا تھا ۔ اس کے علاوہ "مطول" موجودہ دور تک عربی مدارس میں پڑھائی جاتی رہی ہے لہذا اکثر علمائے کبار نے "مطول" پر حواشی لکھے جن میں شیخ طاہر بن رضی ہمدانی مولانا وجیہہ الدین گجراتی قاضی نوراللہ شوستری - مفتی وجیہہ الدین گوپامئوی خاص طور پر مشہور ہیں - متأخرین فضلائے ہند میں سید محمد بن محمد قنوجی۔ شیخ نورالدین بن محمد صالح گجراتی ۔ مولانا نورالدین کشمیری - قاضی نجف علی بن عظیم الدین جھجری قاضی عبدالنبی احمد نگری ۔ شیخ فزید الدین احمد آبادی شیخ جمال الدین رکن الدین گجراتی کے حواشی کا ذکر ملتاہے (58)

ظاہر ہے ایسی اہم کتاب علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی توجہ سے کس طرح محروم رہ سکتی تھی لہذا وقت کے عام دستور کے مطابق انھوں نے بھی علوم بلاغت کے اس عظیم شاہکار (مطول) پر ایک محققانہ حاشیہ لکھا ۔

5 - حاشیہ شریفیہ

میر غلام علی آزاد بلگرامی نے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی تصانیف میں "حاشیہ شریفیہ" کا بھی ذکر کیا ہے مگر یہ نام مبہم ہے متداول درسی کتابوں میں "شریفیہ" "سراجیہ" کی شرح کا نام ہے جو علم الفرائض میں ہے - میر غلام علی آزاد نے "حاشیہ شریفیہ" کا ذکر حاشیہ مطول کے فوراً بعد کیا ہے اس سے خیال کیا جاتا ہے کہ شائید اس سے مراد میر سید شریف کا "حاشیہ مطول" ہو جو عام طور پر "میر مطول" کے نام سے مشہور ہے - میرسید شریف

---

(58) عبالحئی الحسنی ۔ الثقافتہ الاسلامیہ فی الھند (اردو) ص 39

اور سعد الدین تفتازانی کے درمیان بڑے ناخوشگوار تعلقات تھے اس لئے اکثر ان پر حریفانہ چوٹیں کرتے رہتے تھے ۔ چنانچہ انھوں نے اپنے "حاشیہ مطول" میں بھی ان پر اعتراضات کئے ھیں جس کا جواب بعد میں خسرو نے اپنے حاشیہ میں دیا ۔

میر سید شریف کے "حاشیہ مطول" پر جن لوگوں نے حواشی لکھے ان میں مولانا مصلح الدین مصطفی الرومی کا حاشیہ اس لئے مشہور ھے کہ اس میں ملا خسرو کے جوابی اعتراضات کا جواب دیا گیا دوسرا حاشیہ ملا یوسف بن حسین الکرماستی کا ھے اس کے علاوہ ایک اور حاشیہ شریف مرتضی نے بھی لکھا تھا ۔ میر سید شریف جرجانی نے جن کتابوں پر حواشی لکھے ھیں وہ میر یا شریفیہ کے اضافہ کے ساتھ مشہور ھیں ۔ اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی بھی اپنی تصنیفی سرگرمیوں میں علمائے روم کے شانہ بشانہ تھے اس لئے ممکن ھے کہ انھوں نے "حاشیہ شریفیہ" "میر مطول" جو مطول پر میر سید شریف جرجانی کا حاشیہ ھے اس پر حاشیہ لکھا ھو ۔

---

6 - الــرسالــته الـخــاقــانــيــته (مستقل تصانیف)
(الدرته الشمینته فی علم الواجب تعالی)

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ایک عالم بےبدل اور صاحب تصنیفات عالیہ تھے ان کی تألیفات و تصنیفات کی شان یہ ھے کہ وہ نہ صرف یہ کہ مابعد کے زمانہ میں مشہور عالم ھوئیں بلکہ آج بھی دینی مدارس میں ان کی قدرومنزلت میں کوئی فرق نہیں آیا ۔ خود مولانا سیالکوٹی کے عہد میں ھی ان کی شہرت و عظمت کا چرچا ھر سو ھو رھا تھا ۔ ڈاکٹر زبیر احمد ان کے بارے میں یوں رقمطراز ھیں ـــــ

"He was an eminent theologian, well versed in all the branches of Islamic learning. Shahjahan had a high regard for him. He wrotes several books the reputation of which spread for and wide in his life time."(59)

اس سے قبل ان کی تصنیفات کے بارے میں سیر حاصل بحث ھوچکی ھے جس سے اندازہ ھوتا ھے کہ انھوں نے زیادہ تر علوم مروجہ کی مشہور درسی کتابوں کے حواشی ھی لکھنے پر اکتفا کیا تھا ان کی مستقل تصانیف کی تعداد بہت کم ھے مگر بیشتر ازیں ان شروح و حواشی کی قدرو منزلت بھی واضح کردی گئی ھے ان کی سب سے عظیم الشان تصنیف "الرسالته الخاقانیہ" ھے جسے "الدرته الشمینہ فی علم الواجب تعالی" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ھے اسلامی عقائد و نظریات کی تشریح و توضیح سے ان کو خاص دلچسپی تھی

Dr. Zubaid Ahmed, Contribution of India in Arabic Literature. (59)

بحوالہ ماھنامہ ثقافت ۔ جون 1967ء ص 24

اسی بنا پر انھوں نے عقائد و منطق و فلسفہ کی بہت سی کتابوں پر قابل قدر حواشی تحریر کئے -

کہا جاتا ھے کہ انھوں نے بعض مستقل تصانیف چھوڑی ھیں - مزید برآں انھوں نے اپنے خواجہ تاش حضرت مجدد الف ثانی کے دعویٰ مجددیت کی تائید میں بھی ایک رسالہ سپرد قلم کیا جس کا نام دلائل التجدید رکھا - پنجاب یونیورسٹی لاھور کی لائبریری میں محفوظ ایک مخطوطہ "زاد اللبیب فی سفر الحبیب" بھی انھی سے منسوب ھے جہاں تک راقمہ کی معلومات کا تعلق ھے ان کی مستقل تصانیف میں سے یہی ایک تصنیف "الرسالہ الخاقانیہ" ھے جس کے قلمی نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود ھیں یہ ان کتابوں میں سے ایک ھے جو ھندوستان میں مسلمانوں کے خاص فلسفہ علم الکلام پر مستقل طور پر تصنیف کی گئیں چنانچہ مولانا عبدالحئی رائے بریلوی نے اس کا ذکر اپنی قابل قدر کتاب "الثقافتہ الاسلامیہ فی الھند" میں ——

من الکتب المستقلـتہ فی الکلام (60)

کے عنوان کے تحت پیش کیا ھے علم کلام کی اس تصنیف کو بھی انھوں نے شاہ جہاں کے نام جو ان کا مربی اور قدردان تھا معنون کیا تھا - چنانچہ اسی لئے اس کا نام "الرسالتہ الخاقانیہ" رکھا گیا - کتاب کے آخر میں مولانا سیالکوٹی لکھتے ھیں ——

"ولیکن ھذا آخر ماقصد نا ایرادتہ فی ھذہ الرسالتہ الخاقانیتہ (61)

---

(60) مولانا عبدالحئی رائے بریلوی - الثقافتہ الاسلامیہ فی الھند ص 238

(61) مجلہؑ ادارہ تحقیقات پاکستان - اپریل 1965ء ص 148

البته اس رسالے کا ذکر بعض دوسرے ناموں سے بھی ملتا ہے ۔

سبحتہ المرجان میں اس کا ذکر "الدرتہ الثمینہ فی اثبات الواجب تعالی...." (62)

اور مآثر الکرام میں درہ ثمینہ در اثبات واجب تعالی ہے۔(63) اس کے علاوہ "نزہتہ الخواطر" و بہجتہ المسامع والنواظر میں "الدرتہ الثمینتہ فی اثبات علم الواجب" کے نام سے کیا گیا ہے۔(64) "حدائق الحنفیہ" کے حاشیے میں اس کا نام "الدرتہ الثمینہ فی اثبات واجب تعالی" ہے(65)

اسلامیہ کالج لائبریری پشاور والے نسخے کے آخر میں یہ عبارت تحریر کی گئی ہے —

تمت ھذہ الرسالتہ المسماتہ بالدرتہ الثمینتہ(66)

"الرسالتہ الخاقانیہ" کا ایک نسخہ رام پور میں ہے۔ شبیر احمد خاں غوری اس سلسلے میں یوں لکھتے ہیں —

"A rare manuscript copy of this precious pearl is preserved in Raza Library, Rampur No.411 Fann-i Kalam, old catalogue. Attached with this tract a letter of Allami Sadullah Khan, the illustrious Prime Minister of the Emperor Shahjahan, adressed to the author

---

(62) غلام علی آزاد بلگرامی ۔ سبحتہ المرجان ص 66

(63) " " " " ۔ مآثر الکرام ص 205

(64) عبدالحئی رائے بریلوی ۔ نزہتہ الخواطر ج 5 ص 211

(65) فقیر محمد جہلمی ۔ حدائق الحنفیہ ۔ ص 414

(66) مجلہ ادارہ تحقیقات پاکستان ۔ اپریل 1965ء ص 148

(Mulla Abdul Hakim) in response to which he composed this "Risalah" or tract."(67)

"الرسالتہ الخاقانیہ" کے قلمی نسخے رامپور کے علاوہ مختلف ناموں سے مندرجہ ذیل مختلف لائبریریوں میں بھی موجود ھیں -

1 - انڈیا آفس لائبریری لندن

الدرۃ الثمنیہ (فی اثبات الواجب (MS.No. 2012, Fall,35,39 Delhi 1877 a.)

2 - ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ

(الف) در ثمنیہ (The veluable pearl)

(ب) رسالۂ خاقانیہ MS. No. (old) 556
(List of MS. acquired during 1809-10, p.4)

3 - رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال

الخاقانیہ فی تحقیق مبحث العلم (Bibliotheca India,pp.387-88)

4 - کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن

رسالۂ خاقانیہ (یہ نسخہ مصنف کی زندگی میں خود ان کے اصل نسخے سے نقل کیا گیا)

(فہرست مخطوطات جلد دوم نمبر 1094 علم کلام)

5 - پیٹرز برگ لائبریری روس

الرسالتہ الخاقانیتہ -
(Bukhara Collection, No.440) (Brokelmann, Supp.11,p.614)

6 - اسلامیہ کالج لائبریری پشاور

(الف) الرسالتہ الخاقانیہ فی علم الباری (بذیل فہرست نمبر 85814)

(ب) رسالہ عبدالحکیم سیالکوٹی فی علم الواجب تعالی (بذیل فہرست نمبر 1964/3)

---

(67) مجلۂ ادارہ تحقیقات پاکستان - اکتوبر 1964ء ص 47

7 - نیشنل میوزیم کراچی

الرسالته الخاقانیته لعبد الحکیم السیالکوتی فی مباحث الکلام

اس کے علاوہ اس مخطوطہ کی ایک عکسی نقل پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں بھی مہیا کی گئی ہے ۔

" الرسالته الخاقانیه" کا سبب تصنیف یہ ہے کہ ایران کے حکمراں شاہ صفی کی وفات پر جب اس کا بیٹا شاہ عباس دوم تخت نشیں ہوا تو شہنشاہ ہند شاہ جہاں نے مرحوم شاہ کی تعزیت اور شاہ عباس کی تخت نشینی پر ہدیہ تبریک پیش کرنے کے لئے اپنے امیر "جاں نثار خاں" کی زیر قیادت ایک سفارت ایران بھیجی جس میں محمد فاروق (مشرف) اور محب علی (وقائع نویس) بھی شامل تھے ۔ ان کے بارے میں ملا عبد الحمید لاہوری رقمطراز ہیں ـــــ

"وهشر دهم این ماه (صفر 1086ھ) او را (جاں نثار خاں)
بخلعت و جمد هر و باضافه پانصدی ذات دو هزاری پانصد
سوار ..... سرافراز ساخته دستوری دادند و .....
مصحوب او گرامی مرحله منهی از مراسم تعریف و مبنی از لوازم
تهنیت که علامی سعد الله خاں بامرا علی انشاء نموده بالختی
مرصع آلات و پنج هزار پارچه ..... برسم ارمغاں ارسال
فرمودند ـ" (68)

چونکہ برصغیر کو اس زمانے میں علوم عقلیه کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا لہذا جب یہ سفارت ایران پہنچی تو ایرانی امراء سے ان کی ملاقاتیں بھی خوب رہیں اور علمی محفلوں کا انعقاد بھی عمل میں لایا گیا ۔ ایران کے وزیراعظم

---

(68) عبد الحمید لاہوری ۔ پادشاہ نامہ ج 2 ص 493

خلیفہ سلطان اعتماد الدولہ کے ساتھ ان ہندوستانی علماء کی معقولات کے مختلف مسائل پر بے تکلفانہ گفتگو بھی ہوتی رہی ۔ مولانا محمد فاروق اور محب علی کو اپنی فلسفہ دانی پر بڑا ناز تھا دوسری طرف وزیراعظم ایران بھی عالم فاضل شخص تھا چنانچہ ایک علمی محفل میں اس نے ہندوستانی علماء سے سوال کیا کہ امام غزالی نے قدم عالم علم واجب تعالی اور نفی حشر اجساد کے سلسلے میں ابو نصر فارابی اور ابن سینا کی تکفیر کی ہے ۔ لیکن بعض علماء نے ان مسائل کے بارے میں تاویل سے کام لیا ہے آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے ؟ سفارت ہند کے ارکان وزیر اعظم کے ان فاضلانہ سوالوں کا جواب نہ دے سکے کیونکہ ہندوستانی فضلا حقائق سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے لہذا انھوں نے سوال از آسماں جواب از ریسماں" کے مصداق اپنی ناواقفیت کو لفاظی کے پردے میں چھپانے کی کوشش کی لیکن ان کا جہل مرکب اہل نظر سے مخفی نہ رہ سکا اور ہندوستانی فضل و کمال کی دیار غیر میں بڑی ہواخیزی ہوئی ۔ اس طرح علوم عقلیہ میں ہندوستانی شہرت کو زبردست دھکا لگا ۔ علمی میدان میں اس "شکست" کی خبر شاہ جہاں کو کابل میں پہنچی بادشاہ نامہ کے مطابق وہ 18 صفر 1057ھ کو لاہور سے روانہ ہوا اور ربیع الاول کے آخر میں کابل پہنچا تھا ۔ اگرچہ اسے اس خبر سے بہت افسوس ہوا مگر وہ ایران کے مقابلے میں اتنی جلدی شکست تسلیم کرنے والا نہیں تھا ۔ لہذا اس نے مزید وقت ضائع کئے بغیر اپنے وزیر/سعد اللہ خاں کو حکم دیا کہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو خط لکھا جائے کہ وہ مسائل ثلاثہ مذکورہ کے سلسلہ میں ایک مختصر مگر جامع رسالہ لکھکر دربار میں روانہ کریں (69)

رسالہ خاقانیہ کا مکمل تعارف پیش کرنے سے پیشتر ہندوستان اور ایران کے تعلقات کے اجمالی جائزے کے علاوہ امام غزالی اور ان کی شہرہ آفاق تصنیف

---

(69) ماہنامہ ثقافت ۔ لاہور جون 1967ء ص 26

"تہافتہ الفلاسفہ" کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ھے کیونکہ اس جائزے کے بعد ھی قاری کے ذھن میں "الرسالتہ الخاقانیہ" کا مکمل نقشہ بن سکےگا اور وہ اسے اچھی طرح سمجھ سکے گا ۔

دسویں صدی کے آغاز میں ایران میں صفوی حکومت قائم ھوئی یہ ایک قسم کی "قومی ریاست تھی اس لیۓ رجعت پسند تحریکیں جنھوں نے اپنی تنظیم فلسفیانہ بنیادوں پر رکھی تھی ۔ ان میں دو تحریکیں بہت اھم تھیں مسلمانوں میں فرقہ "نقطویہ" اور پارسیوں میں فرقہ "آذر کیوانیہ" ۔ نقطوی تحریک کا بانی محمود پیسخوانی تھا اور چونکہ سابق ملحدانہ احیائی تحریکوں کی طرح نقطوی تحریک بھی ایران کے قومی مزاج کے لئے بڑی خوشگوار تھی اسی لئے اس کی تعداد بڑھنے لگی مگر شاہ عباس صفوی نے بڑی سختی سے اس تحریک کا مواخذہ کیا اور 1002ھ میں بےشمار نقطوی قتل کردیئے گئے اس طرح اس کی داروگیر سے نقطویوں کے لئے ایران میں رھنا ناممکن ھوگیا تو یا تو وہ تقیہ کرنے پر مجبور ھوئے یا بھاگ کر ھندوستان چلے آئے جہاں اس وقت اکبر کا عہد حکومت تھا اور وہ اس قسم کی بدعات کا دل و جان سے قدردان تھا ۔

دوسری تحریک پارسیوں میں آذر کیوانیوں کی تھی اس کا بانی آذر کیوان قدیم ایران کے ایک خاندان سے تعلق رکھتا تھا ۔ لیکن اس تحریک کو بھی ایران میں کامیابی نہ ھوئی اور شاہ عباس نے جو نقطویوں پر سختی کی تھی اسے دیکھنے کے بعد مجوسیت کے احیاء کے سارے خواب کافور ھوگئے اور انھوں نے بھی ھندوستان کا رخ کرنا زیادہ مناسب سمجھا ۔ عہد اکبری کے تفلسف زدہ اور اسلام بیزار ماحول نے ان کی ھر طرح ھمت افزائی کی الحاد پسند

شعراء کے علاوہ حکمت و معقولات کے فضلاء بھی قدر دانی کی تلاش میں ایران سے
ہندوستان آئے ان میں ابوالفتح گیلانی ۔ حکیم ہمام ۔ قاضی محمد یزدی ۔ میر
مرتضی شریفی زیادہ مشہور ہیں ۔ گیارھویں صدی کے ایرانی فضلاء میں شیخ
بہاؤ الدین عاملی اور میر باقر داماد مشہور ہیں وہ فلسفہ کے بہت مشہور
عالموں میں سے تھے ہندوستان کے بہت سے فضلاء میر باقر سے پڑھکر آئے
لہذا ان کے شاگردوں کے علاوہ جو ان کے ہم پیشہ حریف تھے وہ بھی ان کے
علم و فضل کے معترف تھے میر باقر اپنے زمانے کے عبقری اعظم تھے انھوں نے
فلسفہ حاضر الوقت کی ثروت میں نئے نئے نظریات و تصورات کا اضافہ کیا ان میں
حدیث دھری کا مسئلہ سب سے زیادہ مشہور ہے ۔ فلاسفہ کی تقلید میں وہ
حدوثِ زمان کے منکر تھے لیکن تعلیمات اسلامی کا تقاضا یہ تھا کہ حدوث عالم
کی تائید کی جائے اور فلاسفہ کی حدوث ذاتی جو قدم عالم کا دوسرا نام ہے
پھر قناعت نہ کی جائے اسی لئے انھوں نے قدم زماں اور حدوث عالم کے مابین
مفاھمت کی کوشش کرتے ہوئے حدوث دھری کا نظریہ تراشا ہندوستان کے علمی
حلقوں میں بھی اس کا رد و قبول دونوں ہی طرح استقبال کیا گیا ۔ ان کے
شاگرد و عقیدت مند اس نئے انکشاف کو سراھتے تھے مگر مخالفین میں بھی
صف اول کے علماء تھے جن میں ملا محمود جونپوری قابل توجہ ہیں لیکن فلسفہ
کی تردید و ابطال میں خصوصیت کا شرف صرف امام غزالی کی شہرہ آفاق تصنیف
"تہافت الفلاسفہ" کو حاصل ہے یوں بھی ان کی شخصیت اسلامی فکر کی تاریخ
میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے وہ امام الحرمین مصنف کتاب "الشامل فی علم
الکلام" کے شاگرد تھے ۔ اس زمانہ میں فلسفہ و منطق کا رواج عام ہوگیا تھا اس
لئے ضرورت اس بات کی سمجھی گئی کہ جہاں اسلام کی بنیادی تعلیمات کا فلسفہ

سے تصادم ھوتا ھے وھاں اس کا تنقیدی جائزہ لیا جائے ۔ اس نئے انداز بحث کلام کا آغاز امام غزالی نے کیا انھوں نے فلسفہ کے ابطال سے پہلے بڑی سنجیدگی اور ذمہ داری سے اس کا مطالعہ کیا اور اس کی تعلیمات کو "مقاصد الفلاسفہ" کے نام سے مرتب کیا ۔ اس کے بعد فلاسفہ کے مواقف کو دیانت داری کے ساتھ متعین کرنے کی کوشش کی ۔ اور اس کے لئے ارسطو کی تعلیمات کو منتخب کیا ۔ چنانچہ "تھافت الفلاسفہ" کے مقدمہ میں فرماتے ھیں ــــ

"لیعلم ان الخواض فی حکایته اختلاف الفلاسفته تطویل فان
خطبھم طویل و فزاعھم کثیر و بہ آراھم منتشرته و طرقھم
متباعدته متدابرہ فلنقتصر علی اظھار التناقض فی رائی
مقدمھم الذی ھوا الفیلسوف المطلق و المعلم الاول فانه
رتب علومھم و ھذ بھما بذعمھم و وحدف الحشومن آرائھم
و انتقی ما ھوالاقرب الی اصول اھوائھم و ھوارسطاطالیس ۔" (70)

(ترجمہ) جاننا چاھئے کہ فلاسفہ کے اختلافات میں غور خوض تطویل لاطائل ھے کیونکہ ان کا تخبط طویل ھے ۔ ان کی نزاعیں کثیر ھیں ۔ ان کے آرا و مذاھب میں پراگندگی ھے ان کے مناھج بحث ایک دوسرے سے الگ ھیں ۔لہذا ھم ان کے پیشوا کی رایوں میں جو تناقض ھے اس کے اظہار پر اکتفا کریں گے یہ پیشوا ارسطو ھی ھے جو فلسفی علی الاطلاق اور معلم اول ھے اسی نے ان کے علوم کو مرتب کیا اور ان کے گمان میں انھیں منقع کیا تھا اور حشو و زوائد کو حذف کرکے ان کے اصولی مزعومات و منظومات کو منتخب کیا تھا اور وہ ارسطو ھے)

---

(70) تہافتہ الفلاسفہ للامام غزالی مطبوعہ مطبعہ ج : 1 ص : 3 بحوالہ
معارف ج : 91 مارچ 1963ء ص : 430

لیکن خود ارسطو کے کلام کی توجیہہ و تاویل میں اس کے تلامذہ و متبعین کے درمیان شدید اختلاف تھا ۔ اس لئے امام غزالی نے ارسطاطالیسی فلسفہ کے نقد و تردید کے لئے اس کی ان ھی تعبیرات کو منتخب کیا جو ابوانصر فارابی اور شیخ بو علی سینا سے منقول تھیں اس کے بعد انھوں نے ان مسائل پر تنقیدی نظر ڈالی چنانچہ تہافت الفلاسفہ کے مقدمہ کے بعد انھوں انھوں نے ان بیس مسائل کو لیا جن کے اندر فلسفہ اور شریعت کے درمیان تصادم ھوتا ھے ان مسائل کی تفصیل غیر ضروری ھے مگر سوال یہ ھے کہ آیا یہ تمام بنیادی اختلافات ھیں جن کی بنا پر فلاسفہ کی تکفیر واجب ھو یا صرف بعض اساسی طور پر منافی اسلام ھیں اس کا جواب امام غزالی نے کتاب کے خاتمہ پر یوں دیا ھے ——

"فان قال قائل قد فصلتم مذاھب ھؤلاء افتقطعون بکفرھم و وجوب القتل لمن یعتقد اعتقادھم قلنا تکفیرھم لابد منه فی ثلاث مسائل احداھا مسئلته قدم العالم وقولھم ان الجواھر کلھا قدیمته والثانیته قولھم ان اللّٰہ تعالی لایحیط علما بالجذئیات الحادثته من الاشخاص ۔والثالثته فی انکار بعث الاجساد و حشرھا فھذہ المسائل الثلاث لاتلائم الاسلام بوجه و معتقدھا معتقد کذب الانبیاء ۔ ۔ ۔ ۔ و ھذاھو الکفر الصریح الذی لم یعتقدہ احد من فرق المسلمین ۔" (71)

---

(71) تہافت الفلاسفہ ۔ امام غزالی ج 1 ص 90 - 91 بحوالہ معارف ج 101 جنوری 1968ء ص 435

(ترجمہ) پس اگر کوئی کہنے والا کہے کہ تم نے فلاسفہ کے مذہب کی تفصیل تو بیان کردی یہ بھی تو بتاؤ کہ تم قطعیت کے ساتھ ان کی تکفیر نیز اس بات کے قائل ہو کہ جو ان کے معقولات پر اعتقاد رکھتا ہو وہ واجب القتل ہے تو اس کے جواب میں ہمارا کہنا ہے کہ تین مسئلوں میں ان کی تکفیر ناگزیر ہے - اول قدم عالم کا قول اور فلاسفہ کا یہ کہنا کہ جواہر سب کے سب قدیم ہیں - دوم فلاسفہ کا یہ کہنا کہ اللہ تعالی کا علم جزئیات حادثہ پر محیط نہیں ہے - سوم فلاسفہ کا بعث بعد الموت اور حشر اجساد کا انکار یہ تین مسئلے کسی طرح بھی اسلام کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہوسکتے اور ان کا اعتقاد رکھنے والا انبیا علیہم السلام کے جھوٹ بولنے کا معتقد ہے ..... جو صریح کفر ہے اور جس پر اسلامی فرقوں میں سے کسی فرقہ کا اعتقاد نہیں ہے -

عام طور پر مشہور ہے کہ امام غزالی نے مسائل ثلاثہ قدم عالم انکار باری تعالی بجزئیات وادیہ اور انکار حشر جسمانی کی بنا پر فارابی اور بوعلی سینا کی تکفیر کی ہے - مگر امر واقعہ یہ ہے کہ امام صاحب نے ان دونوں کی براہ راست نہیں بلکہ بالواسطہ تکفیر کی ہے انھوں نے پہلے تو یہ کہا کہ یونانی فلسفہ کا ممثل ارسطو ہے اور ارسطو کے قابل اعتماد شارح اور ترجمان ابونصر فارابی اور شیخ بوعلی سینا ہیں اور یہ جن مسائل کی ارسطو کی جانب سے تعلیم دیتے ہیں ان میں سے یہ مسائل ثلاثہ بھی ہیں اور یہ تینوں مسائل متفقہ طور پر کفر صریح ہیں اس لئے ان کے قائلین (ابن سینا اور فارابی) واجب التکفیر ہیں انھوں نے ان دونوں کی کتابوں کے باقاعدہ حوالے تو نہیں دیئے مگر ان تصانیف کے مطالعہ کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ امام غزالی کی گرفت غلط نہیں تھی (72)

---

(72) معارف - جنوری 1968ء ج 101 ص 436

"تہافت الفلاسفہ" کی اشاعت کے بعد فلاسفہ کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی شیخ بو علی سینا اور اس کے پیش رووں نے فلسفہ کی جو فلک بوس عمارت قائم کی تھی امام غزالی کے رد اور اعتراضات کے بعد ریت کی دیوار کی طرح زمین بوس ہوگئی اور اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے "غزالی" جیسا ہی عبقری وقت درکار تھا وگرد● "فلسفیانہ عبقریت" جو کندی سے شروع ہوئی تھی اور بو علی سینا کے یہاں اپنے شباب پر پہنچی اب اپنے دن ختم کرچکی تھی - اور پھر فلاسفہ اس درجہ مطعون ہو چکے تھے کہ وہ کھل کر اپنے فلاسفی ہونے کا اعلان بھی نہیں کرسکتے تھے یہ کیفیت تو مشرق کی تھی - مغرب (اندلس) کی حالت اس سے بھی بدتر تھی تفلسف کے الزام میں ابن رشد اور اس کے پیش رووں کو شدائد کا سامنا تھا - پھر بھی ابن رشد نے ہمت نہ ہاری اور یونانی فلسفہ کی سربفلک عمارت کو جسے امام غزالی کے شدید حملوں نے ہلا کر رکھ دیا تھا - اپنی سعی پیہم اور زور استدلال سے گرنے سے بچا لیا اور امام غزالی کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا - چنانچہ انھوں نے تہافت الفلاسفہ کے رد میں "تہافت التہافت" کے عنوان سے کتاب لکھی بہرحال مغرب میں تو ابن رشد کے بعد اس پایہ کا کوئی فلسفی پیدا نہ ہوا مگر مشرق میں صورت حال مختلف تھی یہاں زوال کے بعد بڑے عظیم المرتبت اور جلیل القدر مفکر پیدا ہوئے جو بیک وقت فلسفی اور متکلم تھے ان میں نصیرالدین طوسی۔ قطب الدین شیرازی - نجم الدین کاتبی - اثیر الدین ابہری - قطب الدین رازی وغیرہ قابل ذکر ہیں - سلاطین کو اس مسئلہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی روم میں تو سلطان محمد فاتح نے محض علمی سرپرستی اور علماء کی ہمت افزائی کے لئے محاکمہ لکھنے کا امتحان لیا تھا رہا ہندوستان! تو یہاں کے بادشاہ شاہ جہاں کو بھی اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی مگر جب سفارت خانہ کے عملہ

کی بوالفضولی کے ھاتھوں ھندوستان کا علمی وقار ایرانی فضلا؟ کے مقابلہ میں کھویا گیا تو بادشاہ کو اس کی بحالی کا خیال پیدا ھوا اور محض اس کھوئے ھوئے وقار کی بحالی کے لئے اس نے علامہ سیالکوٹی سے یہ رسالہ الدرتہ الثمینہ لکھوایا ۔ (73)

چنانچہ دسویں اور گیارھویں صدی ھجری میں (جب یہ واقعہ ظہور پذیر ھوا) یہ ماحول تھا کہ شاہ عباس صفوی کی سخت گیری کے باوجود فلسفہ کی نشاتہ ثانیہ ھو رھی تھی اور طبعتیں ایک بار پھر فارابی اور ابن سینا کی عظمت کی جانب مائل تھیں چونکہ امام غزالی نے "تہافت الفلاسفہ" میں فارابی اور ابن سینا کی بالواسطہ تکفیر کی تھی اس لئے فلسفہ کی نشاتہ ثانیہ کے ساتھ ساتھ ایران میں ان مسائل کی طرف بھی رجحان بڑھ رھا تھا اور لوگ امام غزالی کی عظمت فکر کے باوجود خود کو ان کے اس تکفیری موقف کے ساتھ اتفاق کرنے سے قاصر پاتے تھے چنانچہ گیارھویں صدی کے وسط میں یعنی 1056ھ میں جب شاہ جہاں کے سفارتی وفد کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا اور ھندوستانی علما؟ اس کا کوئی شافی جواب نہ دے سکے اور جب شاہ جہاں کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو اسے بڑا صدمہ ھوا اور اس کے ایما پر وزیر سعداللہ خاں نے علامہ سیالکوٹی سے موضوع زیر بحث پرایک سیر حاصل بحث لکھنے کی درخواست کی اور اس استدعا کے نتیجے میں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے اپنا مشہور رسالہ "الدرتہ الثمنیہ" تصنیف کیا ۔ اس کے بعد علم باری کا مسئلہ علمی حلقوں میں گرمی محفل کا سامان بن گیا اور اکثر علمائے نامدار نے اس پر طبع آزمائی کی مگر یہ سب کچھ ایران کی علمی بحثوں کا اور وھاں کے رجحانات کا تسلسل تھا جو ھندوستانی فکر میں اس طور سے منعکس ھو رھا تھا ۔

---

(73) معارف ج 102 جولائی 1968ء ص 25

ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے "الدرته الثمنیه" کا سن تصنیف 1057ھ ہے انھوں نے رسالہ کے آخر میں لکھا ہے ــــ

"ولیکن هذا آخر ما اردنا ایراده فی هذه الرسالته الخاقانیه
حامداً اللہ تعالی و مصلیاً علی نبیه وآله شارعاً فی تحریره
صحوته یوم الجمعته خامس شهر ربیع الثانی مستماً فی آخر
یوم الجمعته ثانی عشرمنه من 1057ھ ـ" (74)

لہذا ان کی اس غیر مبہم تصریح کے علاوہ رسالہ کی ترتیب و تحریر کا تاریخی پس منظر بھی اس بات کا شاہد ہے کہ یہ رسالہ 1057ھ میں ہی تصنیف کیا گیا ـ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ جب ہندوستانی علماء وزیراعظم ایران کے سوالات کا شافی جواب نہ دے سکے تو شاہ جہاں کو اس بات سے نہایت صدمہ پہنچا تھا ـ غرض یہ مناظرہ 1057ھ کے ابتدائی مہینوں میں ہوا ہوگا کیونکہ 10 ذی الحجہ کو جب یہ سفارت ایران پہنچی تو اس کے بعد کا زمانہ سیاسی گفت و شنید میں گذرا ہوگا اور پھر ثقافتی تعلقات اس حد تک بڑھانے کے لئے بھی ہندوستانی سفارتی عملے کو عام ایرانی فضلاء پر اپنی بتحر علمی کا سکہ بٹھا کر وزیر اعظم ایران کے ساتھ علمی مجالس قائم کرنے میں دو تین مہینے تو ضرور لگے ہوں گے لہذا یہ بآسانی تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ یہ مناظرہ صفر یا ربیع الاول 1057ھ میں ہوا ہوگا اس کے بعد پرچہ نویس نے اس ہوا خیزی کی اطلاع بادشاہ کو دی ہوگی جو آخر ربیع الاول میں اس کے گوش گذار ہوئی اس وقت بادشاہ کابل میں تھے کیونکہ آخر صفر 1057ھ میں وہ لاہور سے روانہ ہوئے تھے بہر حال جب اس ہوا خیزی کی خبر بادشاہ کو ملی

---

(74) معارف جلد 102 اگست 1968ء ص 101

تو اس کا رنجیدہ ہونا فطری امر تھا مزاج شناس وزیر سعداللہ خاں نے نگاہوں کو پہچان لیا اور فوراً ہی گرانی طبع کو دور کرنے کی تدبیر بھی سوچ لی اور اس کام کی انجام دہی کے لئے ان کی نگہ انتخاب نے افاضل دربار میں سے جس شخص کو چن لیا وہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی ذات گرامی تھی اس کی تصدیق شبیر احمد خاں غوری ان الفاظ میں کرتے ہیں ـــــ

"Shahjahan was very much dismayed and took this views a blow to India's national prestige. But he was not a man to accept defeat so easily and would not rest untill the last prestige was regained. He did not take much time in deciding to choose a right champion for this academic contest ..... so he bade his grand WAZIR SADULLAH KHAN to write a letter to Mullah Abdul Hakim to compose a short but comprehensive tract on the under discussion."[75]

وزیر اعظم سعداللہ خاں نے علامہ کو خط لکھکر پندرہ دن کے اندر رسالہ لکھنے کی فرمائش کی چنانچہ انھوں نے علامہ سیالکوٹی کو جو مکتوب بھیجا اس میں لکھا ہے ۔

" از افراد وقائع ایران زمینی بمسامع حقائق مجامع رسید کہ افادت پناہ افاضت دستگاہ خلیفہ سلطان وزیر دانش در عراق کہ اعلم العلمائے آں دیار است از محمد فاروق مشرف و محب علی واقعہ نویس کہ بامارت مآب جاں نثار خاں سفیر متعین اند پس از دعوائے اینان بفضل و کمال پرسیدہ باشد کہ امام غزالی در مسئلہ قدم عالم و نفی عالم واجب تعالی شانہ عما یقول الظالمون فی حق انفسھم

---

(75) مجلہ ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان ۔ اکتوبر 1986ء ص 72

و الجاہلون باللہ جہلا مرکبا بجزئیات مادیہ حادثہ نفی حشر
اجساد تکفیر ابو نصر فارابی و شیخ ابو علی سینا نمودہ و جمعے
تاویل کلام حکماء کردہ اند - این مراتب را تقریر باید کرد
مدعیان دروغ چوں شمع کشتہ بے فروغ ماندند . . . . .لہذا
بہ کمترین مریداں حکم شد کہ بآں فضائل و کمالات دستگاہ
سطرے چند بر نگار دو بر گزارد کہ آں افادت و اضافت مرتبہ
را دریں مسائل مختصرے جامع و موجزے مفید کہ مستجع کلمات
حکماء وتاویلات علماء وجہ تکفیر اسلامیین و اقوال لمیین و مباحث
و مناظرات و شکوک و شبہات و ازالات و ازاحات واسولہ و اجوبہ
و غایت تدقیقات و نہایت تحقیقات واصل کلام در ہر باب و اساس
سخن در ہر جواب و انچہ براں ظفر یافتہ باشد و برہان کہ
بداں فائز شد و باشند و احاطہ مسائل متعلقہ بایں مطلب
علمی از حضوری حصولی و بودن علم عین عالم عین معلوم باعتراف
تعلق بجزئیات بروجہ کلی است یا جزئی و تحریر آنکہ جزئیت
وکلیت مفہوم تابع مدرک است - یاتابع مدرک و یاواجب جزئی
پست یانہ و بیان آنکہ ادراک تعلقے است و احساسے نیست
و شمول علم بمغیبات و مشخصات از زماں وغیر آں و بقاء علم
و بمعلوم باتبدل زمان و حضور زماں بجمیع اجزاء من لاازل
الآزال الی ابد الابآد ومع کونہ غیر قارتہ جہانکہ باشد در
حضرت خلافت در عرض دہ پانزدہ روز باید فرستاد کہ ایران
فرستادہ شود و آنچناں باید بود کہ قابل فرستادن باشد

لایق اضافه بآں فضائل دستگاه بود و در روزگار ازاں
مار گویند و در تاریخ نامه ہا نوشته شود ۔" (76)

یہ خط ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کو ربیع الثانی 1057ھ کے آغاز میں ملا اس میں ملامی سعد اللہخاں نے ان کو صرف پندرہ دن کے اندر ایک جامع اور مختصر رسالہ لکھنے کی فرمائش کی لیکن ملا صاحب نے اسے صرف ایک ھی ھفتہ میں مکمل کردیا اگرچہ آخری چند صفحات میں مولانا نے حشر اجساد اور عالم کے حادث و قدیم ھونے کے بارے میں بھی فاضلانہ بحث کی ھے لیکن ان کے پیش نظر اھم مسئلہ علم باری تعالی تھا ۔ غالباً یہی وجہ ھے کہ اس رسالہ کو "الخاقانیہ فی مبحث العلم" "الرسالتہ الخاقانیہ فی علم الباری تعالی" "رسالہ عبد الحکیم سیالکوٹی فی علم الواجب تعالی وغیرہ ناموں سے یاد کیا جاتا ھے ڈاکٹر زبیر احمد نے اپنی تصنیف میں Text books of scholastic Theology. کے تحت صرف دو کتابوں کا ذکر کیا ھے جن میں سے پہلی مولانا عبد الحکیم کی "الرسالتہ الخاقانیہ" اور دوسری شیخ عبد الوھاب قنوجی کی "بحرالمذاھب" ھیں "رسالتہ الخاقانیہ" کے متعلق وہ لکھتے ھیں ——

"The tract is interesting and lucid in its manner of discussing the subject....77

حقیقت یہ ھے کہ علامہ سیالکوٹی نے بادشاہ کی اس توقع کو حرفاً حرفاً پورا کیا ان تاثرات کی تفصیل تو نہیں ملتی جو ایران کے باکمالوں پر اس کے مطالعہ سے پیدا ھوئے اور نہ اس انعام و اکرام کی تفصیل کا پتہ چلتا ھے جو اس رسالہ کی ترتیب و تحریر کے صلے میں بادشاہ کی جانب سے مولانا سیالکوٹی کو

---

(76) معارف ج 91 مارچ 1963ء نمبر 3 ص 205

(77) Zubaid Ahmad, "Contribution of India to Arabic Literature".
بحوالہ ماھنامہ ثقافت لاھور جون 1967ء ص 26

عطا کئے گئے لیکن علامی سعداللہ خاں کی یہ آرزو یقیناً پوری ہوگئی زمانہ میں آج تک اس کے نشانات موجود ھیں اور تذکرہ تراجم کی کتب میں آج بھی اس کا حوالہ دیا جاتا ھے اور اس طرح ھندوستان کی کلامی عبقریت کا یہ شاھکار ظہور پذیر ھوا جس کے دیباچہ میں علامہ سیالکوٹی فرماتے ھیں ـــ

"یقول العبد المسکین عبدالحکیم ابن شمس الدین ھذہ قواعد عالیتہ و فرائد غالیتہ نظمتھا القلوب ھاویتہ و آذان واعیہ بامرا الملک القمقام ..... ابو المظفر شھاب الدین محمد شاہ جہاں صاحب القرآن الثانی ..... اللھم کما فضلتہ با لسلطنتہ الکبریٰ فی الدنیا تنعمد بالسعادتہ العظمیٰ فی العقبیٰ -

"الرسالتہ الخاقانیہ" میں تین اھم مسائل کلمیہ پر بحث کی گئی ھے ـــ

1 - مسئلہ علم باری تعالی

2 - حشر اجساد

3 - قدم وحدوث عالم

اگرچہ انھوں نے مذکورہ بالا تینوں مسائل پربڑے عالمانہ انداز میں روشنی ڈالی ھے لیکن بحث کا رخ زیادہ تر مسئلہ علم باری کی طرف رھا ھے قرآنی تصریحات کے ساتھ ساتھ یونانی فلاسفہ اور حکمائے اسلام کے اقوال و نظریات جمع کرکے ان پر سیر حاصل تبصرہ کیا ھے -

سب سے پہلے مسئلہ علم الواجب تعالی کی تشریح و توضیح کی ھے اور اسے تین ابحاث میں تقسیم کیا ھے ـــ

البحث الاول - فی اثباته (اثبات العلم له تعالی)

البحث الثانی - فی ان علمه ما هو و کیف هو ؟

البحث الثالث - فی عموم علمه تعالی

علم واجب کے سلسلے میں پہلی بحث کے بارے میں لکھتے ھیں —

اتفق الکل علیه الاشر ذمته من القدماء لایعبا ئبهم . دوسری بحث (علم الہی اور اس کی کیفیت) کے سلسلے میں جستہ جستہ اقتباسات ملاحظہ ھوں —

فقال افلاطون - انه (ان علمه تعالی) صور قائمته بنفسها .....

وقال الاشاعره - انه قائم بذاته تعالی .....

وقال الجمهور الفلاسفته - علمه تعالی عین ذاته .....

واما طریق اثباته فالمشاهدته بالریاضات الشاقته .....

ولما کان ذاته - تعالی نورالانوار کان ذاته بذاته فی اجل مراتب الظهور ولا یکون الغیبته والخفاء فی ذاته تعالی اصلاً فیکون عالماً و معلوماً علما من غیر تکثر داشننیته لا بذات ولا بالاعتبار .....

قال فی الشفاء ..... فذاته عقل و معقول و عاقل لا ان هناک اشیاء متکثرته .....

وقال الفارابی ان واجب الوجود مبد اکل فیض .....

و اعلم ان تحقیق علمه تعالی - کما تقدم علق نفیس لمن له قلب یقظان و ملکته فی العلوم الحقیقته و المعارف الالهیته .

تیسری بحث - (عمومیت علم الہی) کے متعلق اس طرح رقمطراز ھیں —

اتفق الملیمون علی عموم علمه تعالی لکل ما یطلق علیه الشئی موجود اًکان او معدو ماجزئیاکان او کلیا .....

وقال المحقق الدوانی ـــ حاصل مذهب الفلاسفته انه یعلم الاشیاء کلھا بتجر التعقل لا بطریق الاحساس و التخیل فلا یعذب عن علمه شئی من الاشیاء. . .

و علم الباری فعلی مقدم علی المعلول الخارجی منصور المعلومات حاصلته له قبل وجودھا . . . . .

و تفصیل ما اختاره الشیخ (ابن سینا) . . . . . انه تعالی اذ اکان یعقل ذاته فیعقل لوازم ذاته . . . . .

مسائل ثلاثه کے بارے میں الرسالہ الخاقانیہ کی ساری بحث کی بنیاد امام غزالی کے اس قول پر رکھی گئی ھے -

ان مجموع ما غلط الفلاسفته فیه یرجع الی عشرین اصلا -

یجب تکفیر ھم فی ثلاثہ منھا و تبدیعھم فی سبعته عشر . . . . .

من ذلک قولھم ان الاجسام لایحشر . . . . .

ومن ذلک قولھم ان اللہ تعالی یعلم الکلیات دون الجزئیات . . . . .

ومن ذلک تولھم بقدم العالم و ازلیته . . . . .

اس سلسلے میں امام غزالی کے نظریات پیش کرنے کے علاوہ مصنف نے محقق دوانی اور امام رازی کی آرا کو بھی خاص طور پر قلم بند کیا اور ھر مسئلے کے بارے میں اپنی رائے بھی تحریر کی ھے -

حشر جسمانی کے قائلین کے بارے میں کہتے ھیں ـــ

" اقول تکفیر ھم بانکار الحشر الجسمانی حق لانه مما نطق به الکلام المجید بحیث خرج عن احتمال التاویل لآیات - آخر سورته یٰسین "

امام رازی کی رائے تو یہ ھے کہ رسولؐ کی تعلیمات پر ایمان رکھتے ھوئے حشر جسمانی کا انکار ممکن ھی نہیں -

علامہ سیالکوٹی نفی قدم عالم کے بارے میں دوانی کے نظریے کو بنیاد بنا کر اپنا دعوی اور دلیل اس طرح بیان کرتے ھیں ۔

" اقول لا یمکن الجمع بینھما ایضاً لان الحشر علی ماورد به
الشرع یتقضی انشقاق السموات ۔
وطیھا و فنائھا ۔ والقائلون بقدم العالم یقولون بامتناع الخرق
علیھا فضلاً عن فنائھا ۔"

اللہ تعالی کے عالم بالجزئیات ھونے سے انکار اور اس کی بناء پر تکفیر کے بارے میں انھوں نے حسب ذیل تصریح کی ھے ــــ

"و اما تکفیر ھم بانکار العلم بالجزئیات فان کان المراد
ما ھو لظاھر منه فھو حق ۔ لانه انکار للنصوص الدالته
علی عوم علمه تعالی ...... و انکار لما اجمع علیه
المسلمون بل ابطال للشریعته ۔"
و ان کان المراد منه ما اول به فمرجعه الی انکار
نحو العلم الذی ھو نقص فی حقه تعالی فی زعمھم .....
وبھذا القدر لا یتعقون التکفیر ۔"

چونکہ مسائل زیر بحث خاصے پیچیدہ اور مشکل ھیں اس لئے وہ خود بھی ان کی طرف توجه مبذول کراتے ھیں علم باری تعالی کی بحث کے آخر میں فرماتے ھیں ۔

و ھذا القدر من انبیاں کاف لمن له لطف قریحته"

رسالہ کا سب سے آخری مسئلہ جس کی طرف مصنف نے ضمنی طور پر توجه دلائی

هے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب شریف ہے ان کے نزدیک کم از کم چار پشتوں تک ہر مسلمان کو رسول ص کے آباد اجداد کے نام معلوم ہونے چاہئیں -

انڈیا آفس لائبریری کے مخطوطہ کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے۔

"ولیکن هذا آخر ما قصد نا ایراده فی هذه الرسالته الخاقانیه
حامداً الله و مصلیاً علی نبیه و آله -

پشاور والے نسخے میں اس کے بعد یہ الفاظ ملتے ہیں ـــــ

"شارعاً فی تحریره ضحوته یوم الجمعته خامس شهر ربیع الثانی
متمهاً فی آخر یوم الجمعته ثانی عشر منه من سنته الف و
خمیسن و سبع -

7 - ترجمہ غنیتہ الطالبین ـــــ

علامہ سیالکوٹی کی اس شہرہ آفاق تصنیف کے تفصیلی جائزے کے بعد ان کی دوسری تصنیفات میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے منسوب ان کی مشہور عالم تصنیف "غنیتہ الطالبین" کا فارسی ترجمہ ہے - انھوں نے یہ فارسی ترجمہ اپنے وقت کے ولی کامل اور شیخ عارف "بلاول قادری لاہوری" کی فرمائش پر کیا تھا - اس ترجمہ کے ساتھ ہی بطور وضاحت مولوی عبداللہ الہیب کا خطبہ بھی موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ شیخ جیلانیؒ کی اجازت روحانی پر کیا گیا ـــــ

"این نسخه ترجمه کتاب غنیته الطالبین است که باستدعائے شیخ
شیوخ ولی وقت - عارف کامل - سالار طائیفه اخیار - شیخ

بلاول قادری لاھوری رحمتہ اللہ علیہ ..... لہی و استاذی
و وشیقی عبدالحکیم بن شیخ شمس الدین قدس سرھما العزیز
نوشتہ اند و صورت واقعہ چنیں بود کہ آنحضرت پس از استدعائے
شیخ استعارہ کردند و در استخارہ اجازت نوشتن ترجمہ نیافتند
چوں حسب وعدہ کہ بشیخ بود طلب ترجمہ کرد ..... چوں
باین قصد استخارہ کردند اجازت شد ۔ این ترجمہ بتحریر آمد
این مقالہ فقیر عبداللہ الملقب باللبیب از زبان خقائق تبیان حضرت
قدسی اللہ سرہ العزیز شنیدہ ۔ در اول این نسخہ نوشتہ شد تا
برطالبان صادق معلوم بود نسخہ از انتحال مامون و مصئون شدہ۔" (78)

ان مندرجہ بالا تصنیفات کے علاوہ تذکرہ نگاروں نے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی
کی مندرجہ ذیل کتب کا بھی ذکر کیا ھے۔ مگر یہ کتابیں نہ ھی کہیں طبع ھوئیں
اور نہ ھی ان کے مخطوطات کا پتہ چلتا ھے ـــ

القول المحیط (منطق)
حاشیہ شرح تہذیب (منطق)
حاشیہ شریطیہ
کتاب مشھود
دلائل التجدید ۔ وغیرہ (79)

---

(78) ماھنامہ ثقافت ۔ جون 1967ء ص 23
(79) پروفیسر اختر راھی ۔ تذکرہ مصنفین درس نظامی ص 144

باب پنجم :

علمی مرتبہ اور مقام

— مصنف کی حیثیت سے
— مفسر کی حیثیت سے
— اصول فقہ کے ماہر کی حیثیت سے
— ادیب کی حیثیت سے۔

علمی مرتبہ اور مقام

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی عہد شاہ جہانی کی ان مایہ ناز ہستیوں میں سے ہیں جن کا علمی بتحر دینی بصیرت مجتہدانہ ذوق اور احکام اسلامی کی کلیات و جزئیات پر کامل دسترس عوام و خواص کے نزدیک مسلم تھی ۔ مولانا صاحب کی شخصیت اس حیثیت سے اپنے معاصرین میں ممتاز ہے کہ ان کے فکر ونظر مصروفیات و مشغولیات کا دائرہ کافی وسعت رکھتا ہے ۔ انہیں علوم عقلیہ و نقلیہ میں بڑی مہارت حاصل تھی وہ ایک فاضل مصنف اور انشاء پرداز بھی تھے جس طرح وہ معقولات و منقولات کے درس میں مہارت فن کا ثبوت دیتے تھے اسی طرح تصنیفات و تالیفات میں زور قلم اور متانت بیان کا پورا لحاظ رکھتے تھے چنانچہ ایک طرف وہ اگر سیالکوٹ میں طلبائے علوم دینیہ کو قرآن و حدیث فقہ و فتاوی کی دولت سے مالامال کر رہے تھے تو دوسری طرف سالکان راہ طریقت کو تصوف و سلوک کے اسرار و رموز سمجھا رہے تھے سلطنت وقت کو دینی امور میں مشورے دیتے ہیں تو دوسری طرف مظلوموں اور حاجت مندوں کی ضروریات پوری کرنےکا انتظام کر رہے ہیں ان کا ذاتی کمالات ان کا تقوی نیز ان کا علمی بتحر معاصرین میں ان کے علمی مرتبہ و مقام کو متعین کرنے کے لئے کافی ہے ان کی علمی شہرت خود ان کی حیات ہی میں قسطنطنیہ - ایران وغیرہ ممالک تک پہنچ چکی تھی ۔ عربی نثر میں ان کی تحریریں بہت اہمیت کی حامل ہیں ان کا تصنیفی میدان بیشتر شروح و حواشی کا رہا اور اپنی تمام عمر درس و تدریس میں صرف کی ان کے علمی مقام کے بارے میں مولانا شبیر احمد خاں غوری یوں رقمطراز ہیں ---

But when after the death of Jahangir, Shahjahan ascended the throne, he took keen interest in the promotion of learning

and knowledge and began to patronize the scholars and divines of his country. His fame as patron of Science and literature reached even the distant corners of Persia and scholars of that country after completing their studies in Shriaz, came to India to avail the munificence of the Timurids, so much so, that Shiraz. The University town, of the then Iran, was generally regarded as a training centre of India. Nahawandi in his Maathir-i Rahimi quotes a certain physician who had heard in Persia that:

"شیراز مکتب خانۂ هندوستان است" (1)

ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے اپنی تمام عمر درس و تدریس اور تصنیف میں گذاری اور عہد اکبری میں اکبرآباد میں اس کے قائم کردہ مدرسے میں کافی عرصے تک مشہور و معروف شاعر قدسی کے ساتھ فرائض درس و تدریس انجام دیئے وہ، جیسا کہ عرض کیا گیا ہے علم کلام تفسیر بلاغت منطق و فلسفہ نحو اصول فقہ اور علم فرائض میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور ان تمام علوم میں ان کی کوئی نہ کوئی یادگار تصنیف ہے اگرچہ زیادہ تر معروف درسی کتابوں کے شروح و حواشی ہیں مگر اپنی تعلیقات و حواشی کی بناء پر وہ علمی دنیا میں مشہور و معروف ہیں اور هندوستانی علماء کی صف میں ایک اعلی و ارفع مقام پر فائز ہیں حافظ عبدالرحمان امرتسری نے اپنے سفرنامہ میں ان کی نسبت لکھا ہے ـــ

"مولوی صاحب شاہ جہاں بادشاہ کے زمانے میں زبردست عالم
اور صاحب تصانیف گذرے ہیں آپ نواب سعد اللہ خاں وزیراعظم

Journal of Research Society of Pakistan, Oct. 1964, p.52. (1)

کے ہم سبق تھے عراق شام اور استنبول کی متعدد درسگاہوں میں مجھے آپ کی تصانیف داخل درس دیکھنے کا موقع ملا اگرچہ نواب سعداللہ خاں کو ہندوستان کی وزارت کا رتبہ حاصل ہے مگر ہندوستان سے باہر بلاد اسلامیہ میں علمی حیثیت سے جو شہرت مولوی عبدالحکیم کو حاصل ہے اسے کوئی مصنف حاصل نہیں کرسکا -" (2)

محمد صالح کنبوہ کا کہنا ہے ـــــ

"بہ نیروی کمالات خدا داد و نہایت معرفت مبدأ و معاد برکتب معتبرہ کہ ھمگی از تصانیف استادان پادشاہ نیست حواشی خرد پسند معنی طراز بقلم آوردہ -" (3)

ملا عبدالحمید لاہوری لکھتے ہیں ـــــ

"در فنون علوم بنام پادشاہ دانش نواز تصانیف رائقہ دارد" (4)

غلام علی آزاد بلگرامی ان کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں ـــــ

" علامہ زماں و افتخار زمانیاں است الحق و در جمیع فنون درسی مثل او از زمین ہند بر نہ ساخت -" (5)

---

(2) سیاحت ہند لاہور - حافظ عبدالرحمن امرتسری ص 60

(3) شاہ جہاں نامہ ج 3 محمد صالح کنبوہ ص - 376

(4) عبدالحمید لاہوری - بادشاہ نامہ ج 1 حصہ 2 ص 340

(5) غلام علی آزاد بلگرامی - مآثر الکرام ص 205

مولانا محمد ھاشم جو حضرت مجدد الف ثانی کے مریدوں میں سے تھے" زبدتہ المقامات" میں لکھتے ھیں کہ حضرت مجدد فرمایا کرتے تھے مولانا عبدالحکیم علوم عقلیہ و نقلیہ میں تصانیف عالیہ رکھتے ھیں اور اس وقت دیار ھند میں ان کا کوئی ثانی نہیں -

فقیر محمد جہلمی نے "حدائق الحنفیہ" میں لکھا ھے کہ علامہ سیالکوٹی بڑے عالم فاضل فقیہہ محدث و مفسر اور خصوصاً علم معقولات میں یگانہ آفاق اور صاحب تصانیف عالیہ تھے (6)

جس وقت مولانا عبدالحکیم نے جنم لیا پورے عالم اسلام پر جمود و انحطاط کا دور تھا اور علماؑ و مصنفین نے نئی نئی تخلیقات اور تصنیفات لکھنے کے بجائے اپنے آپ کو شروح و حواشی تک مقید کرلیا تھا لہذا ایسے حالات میں ھندوستانی علماؑ سے صرف اسی قدر ھمت کی توقع کی جاسکتی تھی اور وہ اس توقع پر حتی المقدور پورے بھی اترے اس وقت کے بڑے بڑے علماؑ عظیم المرتبت متقدمین میں فضلا کے فنون کی تشریح و توضیح ھی میں مصروف تھے اس لئے شروح و حواشی اس دور میں اس قدر نظر عتاب سے نہیں دیکھے جاتے تھے بقول منشی محمد الدین فوق ــــ

"اس کوشش اور کاوش میں بعض بزرگوں نے اپنا نصب العین اور زندگی کا مدعا ھی چمنستان علم کی نخل پیرائی اور مشکل کتابوں کی عقدہ کشائی کو قرار دیا ان رہنمایان وادی پرخار میں میر سید شریف جرجانی مولانا بحرالعلوم عبدالعلی لکھنوی

---

(6) دائرہ معارف اسلامیہ - اردو ص 837

ہمارے مخدوم مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی یا ہمارے قریب تر زمانے میں عبدالحلیم لکھنوی اور ان کے فرزند مولانا عبدالحئی لکھنوی صف اول میں جگہ پانے کے مستحق ہیں ان بزرگوں کی بدولت سینکڑوں قابل قدر بیش قیمت مگر مشکل تصانیف کے گراں بہا جواہر ریزے صاف و مجلا ہوکر ہم تک پہنچے اور اسلامی لٹریچر کی نفیس نعمتیں اور باریک و لطیف بحثیں تیام و استحکام کا خلعت پہن کر اور سلاست و سہولت کے زیور سے آراستہ ہوکر نابینا کو بینا اور بے دست و پا کو کارفرما بنا نے کا باعث بنیں سمجھنے میں ہماری ہمت تصور کرے اور ہماری نظر سیر چشمی دکھائے تو چشمۂ آفتاب راچہ گناہ ۔" (7)

چنانچہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی جنھوں نے اپنے خون جگر سے گلستان علم کی آبیاری کی تھی اور در حقیقت وہ علمائے وقت کے بادشاہ اور تصانیف عالیہ کے مالک تھے ۔ ان کی شرحیں اور حاشیے ہمارے مکاتب کے انتہائی درجوں میں ابھی تک بڑی قدروقیمت سے دیکھے جاتے ہیں ۔ ان کے ذاتی کمالات اور علمی تبحر معاصرین میں ان کے مرتبہ و مقام کو متعین کرنے کے لئے کافی ہے ۔ ذیل میں تفصیل سے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کا علمی مرتبہ و مقام کیا ہے ۔

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ایک استاذ کی حیثیت سے ___

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ شاہ جہاں نے سیالکوٹ میں ایک بہت بڑی جاگیر عنایت کی تھی اور ذاتی آرام و آسائش کی زندگی گذارنے کے باوجود

(7) ماہنامہ ثقافت ۔ جون 1967ء ص 15

انھوں نے اپنے شہر کے بسنے والوں اور مسافروں کی ضروریات سے کبھی چشم پوشی نہ کی ۔چنانچہ علوم متداولہ سے فراغت کے بعد انھوں نے اپنے مولد و مسکن سیالکوٹ کو مسند درس بچھا کر زینت بخشی انھوں نے اپنی قیام گاہ کے قریب ھی ایک عظیم الشان مدرسہ اور مسجد تعمیر کی مدرسہ کی ترقی میں آپ کے انداز درس و تدریس اور طلبا٫ کے ساتھ شفقت و محبت کا زیادہ اثر ھوا اور جب ان کے علمی بتجر اور فقہی بصیرت کا چرچا دور دور تک پھیل گیا تو طلبہ علوم دینیہ کا ایک سیل رواں تھا جو سیالکوٹ کی جانب بڑھا چلا آرھا تھا اور دیکھتے ھی دیکھتے وہ معمولی مدرسہ چند سالوں میں آج کی اصطلاح میں یونیورسٹی کی شکل اختیار کرگیا ۔ اس میں نہ صرف ھندوستان بلکہ بیرون ھند سے بھی طلبہ کی ایک کثیر تعداد ھر وقت موجود رھا کرتی تھی اس عظیم الشان مدرسہ میں طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی تھی اور ان کی روزمرہ کی تمام ضروریات بھی مولانا خود ھی پوری کرتے تھے ۔ مدرسہ سے ان کو غیر معمولی محبت تھی اسی کو وہ اپنی امیدوں کا مرکز اور تمناؤں کا حاصل سمجھتے تھے ۔

ملا سیالکوٹی اس مدرسہ کے استاد کی حیثیت سے نہ صرف یہ کہ طلبا٫ کو علوم متداولہ کا درس دیتے تھے ۔ بلکہ ان کی اخلاقی تربیت کا بھی پورا خیال رکھتے تھے ۔ انھوں نے کبھی بھی دور دراز سے آئے ھوئے بچوں کا اس حیثیت سے کوئی نقصان نہیں کیا کہ تعلیم کے دوران مدرسہ چھوڑ کر باھر چلے جائیں ایک استادکا جو مقام اور اس کی جو ذمہ داریاں ھوتی ھیں ھم ان کو مکمل طور پر ملا سیالکوٹی کی ذات میں پاتے ھیں ۔

استاد کی کامیابی کا پتہ اس کے شاگردوں سے بھی لگایا جاسکتا ھے کہ اس سے فیض یاب ھوکر جو لوگ نکلے خود ان کا علمی پایہ کتنا بلند تھا یا انھوں

نے عوام و خواص کے درمیان اپنا کیا مقام بنایا تھا ۔ اس کے ساتھ ھی ساتھ استاد جس ذوق کے حامل تھے شاگردوں نے اس کا کتنا اثر قبول کیا ھے اور اس شاھراہ پر کس قدر چلے ھیں جس پر استاد محترم چلتے رھے تھے یہ ایک ایسا آئینہ ھے جس میں ھم ملا سیالکوٹی کی پوری تصویر دیکھ سکتے ھیں اس نقطہ نظر سے ملا سیالکوٹی کے تلامذہ کا مطالعہ بتاتا ھے کہ ان میں اگر ایک طرف ملا محمد افضل جونپوری ھیں تو دوسری طرف شیخ عبدالعزیز اکبرآبادی اور مولوی محمد معظم وغیرہ ھیں جنھوں نے استاذ کی تربیت سے استفادہ کرکے نہ صرف منصب افتاء کو زینت بخشی بلکہ زھد و تقوی اور تحقیقی صلاحیتوں سے عوام و خواص دونوں کو یکساں فائدہ پہنچایا ۔ میر سید اسماعیل بلگرامی نے کتب درسیہ میں مہارت تامہ انھیں کی تربیت میں حاصل کی تھی اور استاد کا جو رنگ تھا اس میں وہ پورے طور پر رنگ چکے تھے چنانچہ ان کی شہرت ایک فقیہہ کی حیثیت سے ھے اور اس کے علاوہ طلبۂ علم کی ایک کثیر تعداد نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ۔ اس کے علاوہ مولوی محمد معظم ساکن ہتّہ کی تربیت اور ان کے علمی و مذھبی ذوق کو جلا ملا سیالکوٹی کی مرھون منت ھے آپ سے انھوں نے تفسیر حدیث فقہ غرضیکہ تمام علوم دینیہ میں اپنے ھمعصروں پر گوئے سبقت لے گئے اور یہی نہیں بلکہ انھیں قرآن مجید مع تفسیر بیضاوی حفظ تھا ۔ ان کے دیگر تلامذہ کی خدمات اور علمی کارناموں سے ھمیں یہ ضرور معلوم ھو جاتا ھے کہ ان کے استاد کی علمی حیثیت کیا تھی اور ان کا علمی مرتبہ و مقام کس قدر بلند تھا ۔ دراصل ایک استاذ کی حیثیت سے انھوں نے اپنے شاگردوں کو معاشرے کی علمی سطح سے اوپر اٹھانے کی جدوجہد کی اور یہ ایک حقیقت ھے کہ وہ اپنی اس جدوجہد میں بڑی حد تک کامیاب رھے اپنے طلبۂ میں انھوں نے

وهی علمی ذوق پیدا کرنے کی کوشش کی جو خود ان کو فطرت کی طرف سے ملا تھا بدقسمتی سے ان کے تلامذہ کی پوری فہرست دستیاب نہیں ہوسکی ورنہ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس عالم بے بدل نے عمر عزیز کا قیمتی حصہ صرف کرکے امت کے دامن کو کیسے کیسے لعل و جواہر سے پر کیا ھے اور قال اللہ و قال الرسول کی جو صدا ایک طویل عرصے تک سیالکوٹ میں گو نجتی رہی اس کی عطر بیزیاں نسل در نسل منتقل ہوتی ہوئی کہاں تک پہنچی ھیں ۔

دربار اکبری و جہانگیری دنیا کی دولت اور شاہانہ طمطراق کے ساتھ سامنے استقبال کو کھڑا تھا اور ملا سیالکوٹی کو بار بار دعوت مل رہی تھی کہ اپنی عزت و شوکت کو اگر بڑھانا چاھتے ہو تو آؤ اسی رنگ ھیں رنگ جاؤ اور دنیاوی وجاھت سے مالا مال ہوکر معاشرے میں اس حیثیت سے اپنا مقام پیدا کرو مگر اس درویش صفت صوفی متجر عالم نے کبھی اس دنیائے فانی اور اس کی زوال پذیر نعمتوں کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور ہمیشہ اپنی سادگی اور متوسط طرز زندگی پر قانع رہے چنانچہ اس بات سے متاثر ہوکر جہانگیر نے ان کو جاگیر بخشی کہ وہ اپنے روزانہ معمولات سے بےفکر ہوکر دین کی خدمت کرسکیں مگر بعد میں عہد شاہ جہانی میں وہ اپنی متجر علمی کر بنا پر شاھی دربار سے منسلک ہوگئے اور شاہ جہاں بھی ان کو ان کی علمی خدمات کے صلے میں خوب نوازتا تھا ۔

مولانا سیالکوٹی ایک مصنف کی حیثیت سے ـــــ

درس و تدریس کی مصروف ترین زندگی گذارنے اور عوام و خواص ہر دو حلقے سے گہرے مراسم قائم ہونے اور ان سے برابر تبادلۂ خیالات ہوتے رہنے

کے باوجود عبدالحکیم سیالکوٹی تصنیفی و تحقیقی ذوق بھی رکھتے تھے دیگر
مشغولیات کے ساتھ تصنیفی کام بہت کٹھن مشکل کام ہے اس میں بڑی جانکاھی اور
عرق ریزی کی ضروریات پڑتی ہے تالیف و تصنیف کا کام جس ذھنی سکون اور
قلبی اطمینان کا طالب ہے وہ عوامی زندگی گزارنے والے شخص کو بہت کم میسر
ھوتا ہے لیکن مولانا صاحب کی شخصیت اس حیثیت سے بھی منفرد ہے زندگی
کے قیمتی اوقات طلبہ کے ساتھ گذارنے اور حکومت وقت سے خصوصی مراسم ھونے
کی وجہ سے دارالسلطنت بھی آتے جاتے رہے تاھم انھوں نے اپنی اس فطری
خصوصیت کو جو تصنیف کے لئے اللہ نے ان کے اندر پیدا کی تھی ضائع نہیں
ھونے دیا بلکہ ابتدا ھی سے اس میدان میں کام کرتے رہے ۔ تصنیفی میدان میں
جب ہم ان کو دیکھتے ہیں تو ایسا نہیں ہے کہ صرف ایک موضوع پر کسی ایک
شعبہ میں اشہب قلم دوڑا رہے ھوں بلکہ ان کے تگ و تاز کا محور متعدد
موضوعات ہیں اور ہر موضوع پر پورے اعتماد کے ساتھ لکھتے ہیں کسی بھی
تصنیف سے یہ اندازہ نہیں ھوتا کہ ان کو اس سے کچھ کم لگاؤ تھا ۔ فن تفسیر
میں مولانا عبدالحکیم نے "تفسیر بیضاوی" پر حاشیہ لکھا ۔ اگرچہ ھندوستان میں
تفسیر بیضاوی پر بہت سی شروح و حواشی لکھے گئے مگر ان کا حاشیہ سب سے
زیادہ مشہور ہے اور اس کا مطالعہ بہ نسبت دوسرے مشروح و حواشی کے سب سے
زیادہ کیا جاتا ہے تفسیر بیضاوی کا اہم ترین حصہ وہ ہے جو ابتدائی سورتوں
البقرہ آل عمران سے متعلق ہے چنانچہ مولانا عبدالحکیم نے بھی اسی حصہ تفسیر
پر حاشیہ لکھا مگر ایسا محسوس ھوتا ہے کہ وہ اس کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچاسکے
چنانچہ ان کا یہ حاشیہ دوسرے پارے کے 3/4 حصے تک موجود ہے۔ یہ حاشیہ
اسقدر مقبول ھوا کہ تین سو سال گذرنے کے باوجود آج بھی عربی مدارس میں

شامل نصاب ھے اس کے علاوہ دیگر علوم اسلامیہ پر بھی انھوں نے اپنی گرانقدر تصنیفات چھوڑی ھیں اور جن کی علمی خدمات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ۔ اس طرح ھم مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو جب ایک مصنف کی حیثیت سے دیکھتے ھیں تو ان کا علمی مرتبہ ومقام بہت بلند نظر آتا ھے ۔ تصنیفی سلسلے کی کڑیاں ان کی وہ خدمات ھی ھیں جو انھوں نے اپنے اجداد کی علمی کتابوں کی تہذیب و تنقیح کرکے انجام دی ھیں ۔

مولانا عبدالحکیم ایک مفسر کی حیثیت سے —

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی شہرت دیگر حیثیات کے علاوہ ایک مفسر کی حیثیت سے بھی ممتاز ھے تفسیری خدمات میں جہاں انھوں نے ایک طویل عرصے تک طالبان علوم نبوت کو قرآنی علوم سے فائدہ پہنچایا ھے تو دوسری طرف قرآن پاک کی ان آیات کی تفسیر لکھ کر جن سے بہت سے اشد ضروری مسائل مستنبط ھیں اپنے موضوع پر منفرد تفسیر تیار کی ۔ مولانا سیالکوٹی کا طریقہ تفسیر بھی ان کی علمی حیثیت کو اجاگر کرتا ھے نہایت سلجھے ھوئے اسلوب اور مسائل و احکام کو بتدریج بیان کرکے مسئلہ کو بالکل واضح کردیتے ھیں کسی بھی مسئلہ میں کوئی بھی خفا یا پیچیدگی باقی نہیں رھتی ۔ المحبّی نے بڑے زوردار الفاظ میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے حاشیے کی تحسین کی ھے ۔ وہ لکھتے ھیں —

"حاشیتہ علی تفسیر البیضاوی علی بعض سورہ البقرتہ راشیتھا و طالعت فیھا ابحاثاً دقیقتہ ۔" (8)

اسی حاشیہ کی حسب ذیل خصوصیات ھیں ۔

---

(8) المحبّی ۔ خلاصتہ الاثر جز ثانی ص 318

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے تفسیر بیضاوی کے مشکل الفاظ و محاورات کی نحوی اور لغوی تشریح و توضیح کرتے ہیں ۔ غیر واضح اور مغلق جملوں کی وضاحت و صراحت کی گئی ہے ان حواشی کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ علامہ سیالکوٹی حنفی ہونے کی حیثیت سے اپنے مکتب فکر کے تمام دلائل و شواہد کا پورا پورا دفاع کرتے ہیں جبکہ علامہ بیضاوی شافعی مکتب کے پیروکار ہیں چنانچہ فقہ حنفی سے وابستگی کی بنا پر جب وہ اختلافی مسائل پر قلم اٹھاتے ہیں تو ان کی وسعت معلومات کا اندازہ ہوتا ہے ائمہ اربعہ کے اقوال اور ان کے دلائل کا تذکرہ خاص طور سے امام شافعی کے اقوال اور ان کے دلائل کا تذکرہ بالتفصیل کرتے ہیں اور اقوال و دلائل کا ذکر اس ترتیب سے کرتے ہیں کہ ایک لمحہ کے لئے قاری حیران رہ جاتا ہے کہ یہ تو امام اعظم کا کوئی مخالف ان پر اعتراضات کی بوچھار کر رہا ہے لیکن جب ان اعتراضات کا جواب دیتے ہیں تو تمام شبہات رفع ہو جاتے ہیں اور مذہب امام ابو حنیفہ سامنے آجاتا ہے ملا عبدالحکیم نے تفسیر بیضاوی میں بیان کردہ احادیث کا جائزہ لے کر ان احادیث کی سند بیان کی ہے جو علامہ بیضاوی نے چھوڑ دی تھیں اور جن کی طرف انھوں نے محض مختصراً اشارہ کیا تھا ان کا پورا پورا متن لکھا ہے ۔ مولانا سیالکوٹی کی یہ تفسیر اپنی جامعیت وسعت سلاست اور موضوع کے لحاظ سے صحیح معنوں میں برصغیر کی پہلی کتاب ہے کیونکہ اس سے قبل اور اس کے بعد بھی بہت سی تفسیریں لکھی گئیں ان میں وہ بات نہیں تھی جو اس کتاب میں موجود ہے یہ مطبوعہ ہے ۔ ہندوستان کے علاوہ استنبول۔ ترکی میں بھی شائع ہوچکی ہے فن تفسیر میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی دوسری تالیف زمخشری کی "الکشاف" کا حاشیہ ہے جس کا مخطوطہ رام پور میں موجود ہے اور ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے۔

اصول فقه کے ماھر کی حیثیت سے

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی شہرت ایک اصولی کی حیثیت سے بھی بہت زیادہ ھے فقه کے موضوع پر ان کے دو مشہور حواشی "حاشیه علی التلویح" اور "حاشیه علی الحسامی" نے ان کو حیات جاوداں عطا کردی ھے ۔

"تلویح توضیح" اصول فقه کی بڑی مستند کتاب ھے اس کا متن "تنقیح الاصول" علامه صدر الشریعه کی تصنیف ھے بعد میں انھوں نے اس پر "التوضیح فی حل غوامض التنقیح" کے عنوان سے شرح لکھی جس پر آٹھویں صدی کے وسط میں تفتازانی نے "تلویح" کے نام سے حاشیه لکھا اور کچھ دن بعد یہی حاشیه اصول فقه کی مستند کتاب کی حیثیت سے مدارس کے اعلی نصاب میں داخل ھوگیا اور کم از کم ھندوستان میں آج کے دن تک داخل ھے "تلویح توضیح" کا سب سے اھم حصه "مقدمات اربعه" ھیں جو "حسن و قبح افعال" کے مسئله کی توضیح میں صدرالشریعه کا خصوصی کارنامه گنے جاتے ھیں چنانچه اس کی ندرت کے پیش نظر حواشی نویسی دیگر معلقات "تلویح" کے ساتھ ان مقدمات اربعه کی شرح و تفسیر بھی کرتے رھے مگر بعد میں اس کی جلالت شان کے پیش نظر علماؑ نے مستقلاً اسے بحث و تمحیص کا موضوع بنادیا ۔ ھندوستانی علماؑ نے عموماً پوری "تلویح توضیح" پر حواشی لکھے مگر مولانا عبداحکیم سیالکوٹی اس باب میں منفرد ھیں انھوں نے اس کے صرف "مقدمات اربعه" کو ھی اپنی کاوش فکر کا موضوع بنایا ۔

اس کے علاوہ ان کے علمی مرتبه و مقام کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ھے که ان کی تمام کتب خواہ کسی بھی موضوع پر ھوں اپنی معلومات اور انداز بیان کے اعتبار سے بےنظیر ھیں اور تین صدیاں گذرنے کے باوجود قدیم

یا جدید کتابوں میں سے کوئی بھی ان کا بدل نہ بن سکیں ۔ اس طرح ہم دیکھتے ھیں کہ کتنی گہرائی سے مولانا صاحب نے ان تصنیفات کا جائزہ لیا ھے اور کتنی باریک بینی سے ان کے شروح و حواشی تحریر کئے ھیں ۔ مثال کے طور پر علم کلام کی دو مشہور کتابیں "العقائد النسفیہ" اور "العقائد العضدیہ" ھیں یہ دونوں کتابیں مع متون و حواشی علم کلام کی بیش بہا دولت ھیں اور درسگاھوں میں ان کا مطالعہ فن کا ایک ضروری جز سمجھا جاتا ھے اور بہت سے علماء نے ان کی بےشمار شرحیں اور ان پر حاشیے لکھے ۔ مولانا سیالکوٹی نے بھی ان دونوں شرحوں کی مزید تشریح و توضیح کی طرف توجہ دی اور سچی بات یہ ھے کہ اس کا پورا پورا حق ادا کردیا ۔ جہاں تک شرح عقائد نسفی کا تعلق ھے انھوں نے مولانا احمد بن موسی الخیالی کی شرح پر شرح تفتا زانی پر حواشی لکھے ھیں خیالی کی شرح کے اگرچہ بہت سے حواشی لکھے گئے لیکن مولانا عبدالحکیم کا "حاشیہ خیالی" سب سے بہتر سمجھا جاتا ھے اس میں انھوں نے تمام مشکل مقامات کو اس طرح حل کیا ھے کہ طلبہ کے لئے خیالی کو سمجھنا نہایت آسان ہو گیا ھے کسی نے کہا ھے ــــہ

خیالات خیالی بس عظیم است

برائے حل او عبدالحکیم است

اس کے علاوہ عقائد عضویہ کے حواشی انھوں نے علامہ دوانی کی شرح پر تحریر کئے ھیں ۔ عضد الدین الایجی ھی کی ایک مشہور زمانہ تصنیف المواقف ھے اس پر بھی بے شمار شرحیں لکھی گئیں مگر ھندوستانی علماء میں صرف مولانا عبدالحکیم ھی ھیں جن کا نام اس تالیف کی عمدگی و برتری کا بذات خود ضامن ھے اس طرح ہم دیکھتے ھیں کہ مولانا سیالکوٹی نے ان حواشی کا کتنی گہرائی سے

جائزہ لیا ہے اور کتنی باریک بینی سے ان کی شرح فرمائی ہے اس سے جہاں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کی نگاہ بہت تیز ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی علمی سطح کتنی بلند ہے ۔ مثال کے طور پر خود مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی حواشی خیالی پر تبصرے کے بعد فرماتے ہیں ـــــ

"فصرت برهته من عنفوان الشباب فی حل مبانیه و انتهبت
فرصته عن اعین الزمان لتحقیق معانیه ..... فحققت مقاصده
و بینت مصادره و موارده ..... مجیباً عن شبهته الناظرین
فجاءً بحمد الله تعالی موافقاً للمامول و تم بعون الله تعالی
مطابقاً للمسئول ۔"

یا "شرح المواقف" کے مقدمہ میں ملا سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ انھوں نے اسے اپنے صاحبزادے مولانا عبداللہ لبیب کے لئے جب وہ اس کتاب کو ان سے پڑھتے تھے لکھا تھا فرماتے ہیں ـــــ

"هذه فوائد بل فرائد علّقتها علی شرح المواقف لسید
المحققین و افضل المدققین عند قراته قرته العین لهذا
الفریب عبدالله الملقب باللبیب تذکره للاحباب و تحفته
للاصحاب وعدته لیوم الحساب و انا الفقیر المتمسک بالحبل
المتین عبدالحکیم بن الشیخ شمس الدین ۔" (9)

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے علمی مرتبہ و مقام کے تعین کے سلسلے میں ان کی نحوی و صرفی معلومات بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی ہیں بلکہ اس لحاظ سے

---

(9) المعارف لاہور ۔ اپریل 1968ء ص 26 - 33

ان کا مقام بہت بلند نظر آتا ہے الفاظ کی تشریح میں افعال کے تغیرات و تصریفات کی جو اہمیت ہے اس سے سبھی واقف ہیں اس موضوع پر بھی انھوں نے بہت سے معروف درسی جن میں حاشیہ علی المطول ۔ حاشیہ علی حاشیہ عبدالغفور۔ تکملہ حاشیہ عبدالغفور علی شرح الجامی اور حاشیہ شرح مراح الارواح وغیرہ پر حواشی لکھے ہیں ۔ ملا صاحب نے ان کتب میں نحو و صرف کا بدرجہ اتم خیال رکھا ہے ۔ انھوں نے الفاظ کے اشتقاق وغیرہ سے بھی بحث کی ہے اور ان سے جو مختلف معانی پیدا ہوتے ہیں ان کا بالتفصیل تذکرہ کیا ہے ۔

ان تمام مباحث سے پتہ چلتا ہے کہ نحو و صرف اور ان کے لواحقات پر مولانا سیالکوٹی کی نظر کتنی وسیع تھی اور ان کو ان مباحث پر کتنا عبور حاصل تھا نحو و صرف کے ایک ماہر کا جو انداز و اسلوب بیان ہوتا ہے وہ ان کی تمام تحریروں میں نمایاں ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جہاں وہ متجر عام دین فقیہہ اور اصولی تھے ۔

ایک ادیب کی حیثیت سے —

زبان و بیان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس کی اس حیثیت کا انکار کیا جاسکتا ہے کہ اس کی فصاحت و بلاغت شستگی و روانی اور برجستگی سے مخاطب اور قاری پر براہ‌راست اثر ہوتا ہے اور جو بات بھی ان خوبیوں سے آراستہ کرکے پیش کی جائے گی اس کا وزن بھی محسوس کیا جائےگا ادب کی اس حقیقت سے ہر صاحب ذوق واقف ہے ۔

مولانا سیالکوٹی کی تحریروں کا مطالعہ جب ہم اس حیثیت سے کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مفسر مجتھد اور اصول فقہ علم کلام و فلسفہ کے

ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ زبان و ادب کے نشیب و فراز سے واقف بھی تھے ۔ اور اس کی نوک پلک سنوار کر اپنی بات کو خوبصورت انداز سے پیش کرنے کا ملکہ بھی ان کو وھبی طور پر ملا تھا ۔

جب ہندوستانی مسلمان عہد اکبری اور کسی حد تک عہد جہانگیری میں دینی لحاظ سے تباہ و برباد اور الحاد و بےدینی کی پستی کے گڑھے میں پڑے تھے اور ان کو سہارا دینے والا کوئی نہ تھا تو مولانا سیالکوٹی کی طبیعت میں بے چینی پیدا ہوئی اور انھوں نے اس وقت کی تمام درسی کتب کو آسان سے آسان ترین بنانے کا تہیہ کر لیا اور اپنی عمر صرف تدریس و تالیف کے لئے وقف کردی ۔ تاریخ پڑھنے سے اندازہ ہوتا ھے کہ مسلمانوں کی حالت جب زیادہ خراب ہوگئی تو ان کے خواجہ تاش شیخ احمد سرھندی نے بہانگ دھل اکبری کفر و الحاد کے خلاف محاذ تیار کیا اور درس و تدریس کے ذریعہ مسلمان قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کی ۔ اور اسلامی ھند کی تاریخ کے قدیم دھاروں کو موڑ کر نئی راھوں سے آشنا کرایا ۔ ان کی شخصیت بڑی ھمہ گیر اور پہلو دار تھی ۔ انھوں نے تقریباً ھر شعبے میں غیر فانی نقوش چھوڑے ھیں وہ مسلمانوں کے سچے بہی خواہ تھے اور اپنی تحریروں سے ھندوستان کے وقار کو بام عروج پر پہنچا دیا ۔ یوں تو انھوں نے بےشمار کتب تحریر کی ھیں اوران سب میں ان کی انفرادیت نظر آتی ھے ان کی نثر کا حسن اس کی سادگی اور دلآویزی میں مضمر ھے ۔

مولانا عبدالحکیم کو مرحوم ہوئے صدیاں گذر چکی ھیں اور تفسیر بیضاوی سمیت ان کی تمام تصانیف کو بھی۔ مگر ھندوستان کی ادبی زندگی سے ان کی شخصیت کا رشتہ ابھی تک نہیں ٹوٹا ھے ۔ اصل میں وہ بنیادی طور پر ھی مصنف تھے اور تدریس و تصنیف کے لئے ھی پیدا کئے گئے تھے اور اسی ذریعہ سے

انھوں نے اپنی پہچان بھی کروائی ۔

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے کہ وہ اپنے وقت کی نابغہ روزگار ہستی تھے ان کی فکر کا محور تفسیر حدیث قرآن فقہ منطق و فلسفہ وغیرہ تھا ۔ کون نہیں جانتا کہ "حاشیہ تفسیر بیضاوی" ان کی ایسی کتاب ہے جس کی طرف زمانہ قدیم میں ہی نہیں بلکہ ہر عہد میں بار بار رجوع کرنا پڑے گا ۔ قرآن کریم کا گہرا مطالعہ یوں تو ہماری مستحسن روایتوں کا ایک اٹوٹ سلسلہ ہے لیکن ہم اس سے واقف ہیں کہ صرف پہلے دو پاروں کی تفسیر کے ضمن میں موصوف نے جتنے اور جیسے جیسے ہفت خواں طے کئے ہیں ان کی نظیرملنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے ۔ میں اگلی پچھلی تفاسیر کی اہمیت کم نہیں کرنا چاہتی اور نہ ہی ان سے اس حاشیہ کا موازنہ و مقابلہ مقصود ہے بلکہ میری مراد صرف یہ ہے کہ قرآن کریم وہ کتاب ہے جس میں کائنات اور اس کے متعلقات کے اہم اور غیر اہم تمام معاملوں اور زندگی کے تمام پہلوؤں پر نہ صرف روشنی ڈالی گئی ہے بلکہ ہمیشہ کے لئے تمام مسائل حل کردیئے گئے ہیں ایسے میں وہ جو اس کے تمام رموز و نکات کی تفہیم کی سعی میں مصروف ہو اور اس کا مطالعہ دلیل و برہان کی راہوں سے گذرتا ہو تو اسے ایک بلند پایہ مفکر بنانے میں کون سی چیز مانع ہو سکتی ہے اگرچہ ان کا یہ حاشیہ مکمل نہیں ہے مگر پھر بھی اپنے اندر ایک جہان معنی رکھے ہوئے ہے ۔ مولانا صاحب کی تمام تصانیف موضوع کے اعتبار سے خشک کہی جاسکتی ہیں لیکن ایک کہنہ مشق ادیب کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو نہایت سلجھے ہوئے انداز میں بیان کردیا ہے ۔ فنی کمالات میں لاجواب ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی کتب عربی ادب کا ایک شاہکار ہیں ان کی عبارات میں ایسی سلاست

اور دلفریبی ھے کہ زمانہ حال کے ماھرین ادب اس کے مثل ایک صفحہ بھی پیش کرنے سے قاصر ھیں ۔

انھوں نے اپنی تحریروں کو متن کے ساتھ اس کمال مہارت سے پیوست کردیا ھے کہ دونوں مل کر ایک جامع تصنیف معلوم ھوتی ھیں اور اگر متن سے علامت متن کو ھٹا دیا جائے تو شرح کے بجائے ایک مستقل کتاب کا گمان ھونے لگتا ھے فصاحت و بلاغت کا اعلی معیار جو شروع میں قائم فرمایا تو اخیر کتاب تک اس میں کوئی فرق نہیں آنے دیتے ان کی تحریریں صرف و نحو اشتقاق اور فن ادب کے جملہ ابواب کو اپنے جلو میں لئے ھوئے ھیں لہذا ان کی کتب اسم بامسمٰی اور روشنیوں کا مینار ھیں ان کی عبارت میں جو روانی ھے وہ ھر سطر میں نمایاں ھے اس کے ساتھ ساتھ جامعیت بھی ان میں پائی جاتی ھے مخالف کے نقطہ نظر کی ترجمانی اور پھر اپنے موقف کو مدلل کرنا اور اس کے باوجود کسی طرح کا الجھاؤ عبارت میں پیدا نہ ھونے دینا وغیرہ خصوصیات ان کی ھر تصنیف میں ظاھر ھیں انھوں نے اپنی تحریر کی شگفتگی میں کہیں فرق نہیں آنے دیا ایسا لگتا ھے کہ مصنف کا قلم جب ایک موضوع پر اٹھا ھے تو مسلسل چلتا رھا ھے اور یکسانیت کا پورا لحاظ رکھا گیاھے ۔ ملا صاحب کی زیادہ تر کتب اب ناپید ھو چکی ھیں ورنہ ان کی ادبی بصیرت کا اس سے بخوبی اندازہ ھوجاتا ۔

ادیب کچھ فطری صلاحتیں لیکر ھی پیدا ھوتا ھے ذوق و وجدان میں کسی سے زیادہ وھبی علم کا اثر ھوتا ھے ۔

ادب میں جہاں الفاظ و تراکیب کے درپست دیکھے جاتے ھیں وھاں معانی و مفاھیم پر بھی نظر رکھی جاتی ھے حسن ترتیب انداز بیان اور

مدلل طرز تحریر سے معانی میں جو گہرائی پیدا ہوتی ہے اس سے ہر صاحب ذوق واقف ہے ۔ ملا سیالکوٹی کی تحریروں میں الفاظ کی جملہ خوبیوں کے ساتھ ساتھ معانی کی تمام خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں ۔ وہ اپنے انداز بیان اور غور و فکر سے اپنا مدعا ظاہر کرتے جاتے ہیں اور سننے اور سمجھنے والا مطمئن ہو جاتا ہے ۔ بیشتر مسائل میں علماء کے اختلاف کی پہلے تصریح کرتے ہیں ان کا آرا نقل کرتے ہیں پھر ان پر عالمانہ بحث کے بعد مرجع جات کو شرح و بسط کے ساتھ مدلل کردیتے ہیں ۔ ان کا یہ انداز بیان ان کے بلند علمی مرتبہ کا مدلل ثبوت ہے اور معاصرین میں ان کا مقام ان تمام حیثیتوں سے کافی بلند ہے ان کی یہ کتب جہاں اپنے موضوع میں منفرد ہیں وہیں ان کا انداز و اسلوب بیان بھی جداگانہ حیثیت کا حامل ہے ۔

مجموعی طور پر ایک مفکر کی حیثیت سے مولانا نے قرآن کریم اور حدیث کی بنیادوں پر زندگی کی تعمیر کا نقشہ مرتب فرمایا ہے ویسے تو زندگی کےمختلف پہلوؤں سے متعلق ان کا نقطہ نظر تفصیل کے ساتھ ان کی تمام نگارشات میں پھیلا ہوا ہے لیکن اپنے مطالعہ کی روشنی میں جو نکات نظر آتے ہیں ان میں نیکی کا حکم برائی سے انکار صبر کی وصیت دوستی و دشمنی صرف الله کے لئے سچائی کے راستے میں سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرنا خوف شریعت کے ہر حکم کی اطاعت وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ ان نکات کا بغور مطالعہ اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ ملا سیالکوٹی کی زندگی میں وہی باتیں شامل ہیں جو قرآن و حدیث یا فقہ کی کتب میں تفصیل سے ملتی ہیں ۔ ان کی زندگی ایک کھلی

ہوئی کتاب کی مانند ہے جس کا ہر ورق تصنیفی و تدریسی سر گرمیوں سے بھرا ہوا ہے ۔

مندرجہ بالا سطور میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے علمی مرتبہ و مقام کے تعین کے لئے ہم نے ان کی شخصیت کا مطالعہ جن مختلف پہلوؤں سے کیا ان سے بآسانی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ واقعی ہر حیثیت سے ان کا علمی مقام بہت بلند ہے کبھی وہ ایک مشفق استاد کی حیثیت سے۔کبھی ایک ماہر ادیب ، فلسفی اور مفکر کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں اور کبھی وہ مجتہد کی طرح احکام قرآنی کی تشریح و تفسیر فرماتے ہیں تو کبھی نحوی و صرفی مسائل پر نہایت اعتماد سے گفتگو فرماتے ہیں مگر یہ گفتگو بےجان نہیں ہوتی بلکہ زبان و ادب کی جملہ نزاکتوں سے سنوار کر مخاطب کے سامنے پیش کی جاتی ہے ۔

مآخذ و مراجع :

مـــــاخـــذات

عـــربی کتب ـــ

1 - ابجد العلوم - نواب صدیق حسن خان (م - 1307ء) بھوپال 1296ھ

2 - الثقافته الاسالمیته فی الھند - سید عبدالحئی الحسنی - اطبقته الاولی دمشق 1377ھ/1958ء

3 - الاعلام - ج الرابع - خیر الدین الزرکلی - اطبع التاسع تشرین الثانی نوبمر 1990ء - دارالعلم للملایین - بیروت لبنان

4 - خلاصته الاثر - جز الثانی - المحبّی

5 - رجال السند والہند - قاضی اطہر مبارکپوری - مطبع حجازیه 1958ء

6 - سبحته المرجان - سید غلام علی آزاد بلگرامی .

7 - کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون مصطفی بن عبدالله حاجی خلیفه استنبول 1360ھ/1941ء

8 - معجم المولّفین - عمر رضا کحاله - الجزالخاس - 1377ھ/1908ء مطبه الشرقی بدمشق المکتبه العربیه بدمشق

9 - معجم البلدان - یاقوت الحموی - بیروت 1955ء/1323ھ

10 - نزهته الخواطر و بہجته المسامع و النواظر - علامه عبدالحئی بن فخرالدین الجزالخاس - مطبع مجلس دائره المعارف العثمانیه حیدرآباد 1947ء

11 - هدیتہ العارفین - اسماعیل پاشا البغدادی - جلد اول استانبول 1951ء

فـــارسی کتب ـــــ

1 - اخبارالاخیار - شاہ عبدالحق محدث دہلوی - 1309ھ دہلی

2 - اقبال نامہ جہانگیری - معتمد خان 1865ء - ایشیاٹک سوسائٹی
بنگال طبع کردہ کلکتہ -

3 - بادشاہ نامہ - عبدالحمید لاہوری - جلد دوم 1868ء ایشیاٹک
سوسائٹی بنگال

4 - تصفیہ شرح تسویہ - مولانا شاہ علی انور قلندر کاکوری مطبوعہ 1343ء

5 - عمل صالح - محمد صالح کنبوہ - جلد سوم - طبع دوم - فروری 1972ء
کلب روڈ لاہور -

6 - مآثر الکرام - میر غلام علی آزاد بلگرامی - دفتر اول - 1910ء/1327ھ

7 - مآثر الامراء - جلد 2 شاہ نواز خان - آگرہ

8 - مرآتہ العالم - بختاور خان

9 - مکتوبات شاہ محب اللہ الہ آبادی - آزاد لائبریری سبحان اللہ کلشن
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

10 - منتخب التواریخ - عبدالقادر بدایونی - در کالج پریس طبع شد -

11 - خزینتہ الاصفیاء - غلام سرور چشتی لکھنؤ

اردو کتب ـــــ

1 - اخبار الاخیار - شیخ عبدالحق محدث دہلوی - مترجم مولانا اقبال الدین
مطبوعہ - انٹر نیشنل پریس کراچی

2 - اسلامی علوم و فنون هندوستان میں - مولانا عبد الحئی - مترجم مولانا
ابوالعرفان ندوی - ناشر دارالمصنفین اعظم گڑھ یو پی

3 - اودھ کے چند عربی علما - ڈاکٹر مسعود انور علوی کا کوروی -
1995ء - کتب خانہ انوریہ تکیہ شریف کاظمیہ کاکوری لکھنؤ

4 - باحوال المصنفین - مولانا محمد حنیف گنگوھی - 1389ھ/1949ء
دیو بند یو - پی

5 - بزم تیموریہ - سید صباح الدین عبد الرحمن - 1367ھ/ 1947ء
مطبع معارف اعظم گڑھ

6 - تاریخ جہانگیر - ڈاکٹر بینی پرشاد - مترجم رحم علی هاشمی دھلی

7 - تاریخ تفسیر و مفسرین - غلام احمد حریری - 1985ء تاج کمپنی
ترکمان گیٹ - دھلی

8 - تاریخ شاہ جہاں - بنارسی پرشاد سکسینہ - مترجم ڈاکٹر سید اعجاز
حسین - ترقی اردو بیورو - نئی دھلی

9 - تاریخ دعوت و عزیمت - مولانا سید ابوالحسن علی ندوی - جلد اول
1400ھ/1980ء - حصہ چہارم دارالعلوم ندوتہ العلماء
لکھنؤ

10 - تاریخ سلاطین شرقی و اولیائے جونپور - سید اقبال احمد جونپوری
جلد دوم - شیراز پبلشنگ هاؤس - یو- پی

11 - تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند - سید فیاض محمود و پروفیسر
عبد القیوم - جلد دوم - 1972ء - پنجاب یونیورسٹی لاهور-

12 - تاریخ صوفیائے گجرات - ڈاکٹر ظہور الحسن شارب - جنوری 1981ء
ناشر جمیل اکیڈمی احمد آباد گجرات

13 - تاریخ سندھ - ابو ظفر ندوی - دارالمصنفین اعظم گڑھ 1970ء

14 - تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت - سید ہاشمی فرید آبادی
انجمن ترقی اردو پاکستان

15 - تذکرہ علمائے ہند - مولوی رحمان علی - مترجم محمد ایوب قادری
1961ء - پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی

16 - تذکرہ علماء و مشائخ - محمد الدین فوق - مارچ 1920ء
گلزار محمدی اسٹیم پریس لاہور

17 - تذکرہ علماء - مولانا محمد حسین آزاد - مارچ 1922ء
میر امیر بخش کریمی پریس -

18 - تذکرہ مشاہیر کاکوری - مولانا شاہ علی حیدر کاکوری
1027ھ - لکھنؤ

19 - تذکرہ صوفیائے سندھ - اعجاز الحق قدوسی - نومبر 1909ء کراچی

20 - تذکرہ صوفیائے پنجاب - اعجاز الحق قدوسی - مئی 1962ء
ناشر سلیمان اکیڈمی کراچی

21 - تذکرہ مصنفین درس نظامی - پروفیسر اختر راہی -
1398ھ/1978ء مطبع فالکن پریس لاہور

22 - تعارف مخطوطات کتب خانہ دارالعلوم دیو بند - ظفر الدین
ناشر دارالعلوم دیوبند (یو- پی)

23 - جہانگیر - ادارہ تصنیف و تالیف کتاب منزل کشمیری بازار لاھور
سلسلہ مطبوعات نمبر 262

24 - هندوستانی مفسرین اور ان کی تفسیریں - ڈاکٹر محمد سالم قدوائی
اگست 1973ء مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دھلی

25 - هندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذھبی رواداری -
سید صباح الدین -
عبدالرحمن - جلد دوم - طبع اول 1603ھ/1983ء
مطبع معارف اعظم گڑھ

26 - هندوستان کے سلاطین علماؑ و مشائخ - سید صباح الدین عبدالرحمن
1384ھ/1964ء - معارف پریس اعظم گڑھ

27 - هندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے —
1383ھ/ 1963ء دارالمصنفین - اعظم گڑھ

28 - هندوستان کے عہد وسطی کا فوجی نظام - سید صباح الدین عبدالرحمن
1960ء - معارف پریس اعظم گڑھ

29 - حدائق الحنیفیہ - فقیر محمد جہلمی -
1308ھ - مطبع نول کشور لکھنؤ

30 - هندوستان میں نظام تعلیم و تربیت - مناظر احسن گیلانی
مطبع نظامی حیدرآباد

31 - هندوستان کی قدیم اسلامی درسگاھیں - مولانا ابوالحسنات ندوی

32 - هندوستان شاهان مغلیہ کے عہد میں - سید محمد میاں
یونین پرنٹنگ پریس دهلی 1964ء

33 - هندوستانی معاشرہ عہد وسطی میں - کنور محمد اشرف
مترجم - قمرالدین 1974ء مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

34 - هندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے - سید صباح الدین
عبدالرحمن - 1974ء مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

35 - حکمائے اسلام - مولانا عبدالسلام ندوی - حصہ اول و دوم
مطبع معارف - اعظم گڑھ

36 - حیات شیخ عبدالحق دهلوی - پروفیسر خلیق احمد نظامی
1373ھ - ندوۃ المصنفین دهلی

37 - دائرہ معارف اسلامیہ (تا - الثور) جلد 6 - دانشگاہ پنجاب لاهور

38 - دائرہ معارف اسلامیہ - (ص - العجلی) 1393ھ/1973ء - دانشگاہ
پنجاب - لاهور - طبع اول جلد 12

39 - دائرہ معارف اسلامیہ (علم - علماء) جلد 1/14 دانشگاہ پنجاب لاهو

40 - دائرہ معارف اسلامیہ (ف - القیوم) جلد 15 - دانشگاہ پنجاب لاهو

41 - دیار یورپ میں علم اور علماء - مولانا قاضی اطہر مبارکپوری
فروری 1979ء/1399ھ - مطبوعہ جمال پرنٹنگ
پریس - دهلی

42 - رود کوثر - شیخ محمد اکرام - 1941ء تاج کمپنی
بندروڈ کراچی

43 - سلاطین دھلی کے مذھبی رجحانات - خلیق احمد نظامی
1377ھ/1958ء مطبوعہ - الجمیعتہ پریس دھلی

44 - سلاطین ھند - مفتی انتظام اللہ

45 - سیاحت ھند لاھور - حافظ عبدالرحمن امرتسری
15 دسمبر 1909ء لاھور

46 - سکینتہ الاولیا‌ٔ - شاہزادہ دارا شکوہ مترجم پروفیسر مقبول بیگ
بدخشانی - طابع شبیر وانی افسٹ پرانٹرز دھلی

47 - شاہ جہاں نامہ - محمد صالح کنبوہ - مترجم ممتاز لیاقت
اگست 1982ء سنگ میل پبلی کیشنز لاھور

48 - علمائے ھند کا شاندار ماضی - مولانا محمد میاں دیوبندی
نومبر 1946ء دھلی پرنٹنگ پریس دھلی

49 - عربی زبان عہد مغلیہ میں - ڈاکٹر شبیر احمد قادرآبادی
1982ء نظامی پریس لکھنؤ

50 - عربی ادبیات میں پاک و ھند کا حصہ - ڈاکٹر زبید احمد -
مترجم شاھد حسین - ادارۂ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاھور

51 - علوم القرآن - ڈاکٹر صبحی صالح - مترجم غلام احمد حریری
مطبوعہ تاج پرنٹرز - نئی دھلی

52 - عربی ادب میں اودھ کا حصہ - ڈاکٹر مسعود انور علوی
1990ء کتب انوریہ تکیہ شریف کاظمیہ کاکوری لکھنؤ

53 - عرب و ھند کے تعلقات - سید سلیمان ندوی
معارف اعظم گڑھ 1970ء

54 - عربوں کی جہاز رانی - سید سلیمان ندوی - اعظم گڑھ
1354ھ

55 - فہرست مخطوطات - دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

56 - فقہائے ہند - محمد اسحاق بھٹی - جلد چہارم حصہ اول
1977ء - ادارۂ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور

57 - کواکب - ڈاکٹر مسعود انور علوی - ریڈر شعبہ عربی علی گڑھ
بار اول 1987ء - نشاط آفسٹ پریس ٹانڈہ فیض آباد

58 - ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ - ثروت صولت
مارچ 1984ء مطبوعہ - انٹر نیشنل پریس کراچی

59 - مسلم ثقافت ہندوستان میں - عبد المجید سالک
1959ء - دارۂ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور

رسائل

1 - معارف - شاہ معین الدین احمد ندوی - جلد 88 اگست 1961ء
دارالمصنفین اعظم گڑھ

2 - معارف - سید سلیمان ندوی - جلد 37 مئی 1936ء
دارالمصنفین اعظم گڑھ

3 - معارف - سید سلیمان ندوی - جلد 56 جولائی تا دسمبر 1945ء
مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ

4 - معارف - شاہ معین الدین احمد ندوی - ج 91 جنوری تا جون
1963ء دفتر دارالمصنفین اعظم گڑھ

5 - معارف - شاہ معین الدین احمد ندوی - جلد 101 جون 1968ء
دار المصنفین اعظم گڑھ

6 - معارف - شاہ معین الدین احمد ندوی - جلد 102 - جولائی تا دسمبر
1968ء دارالمصنفین اعظم گڑھ

7 - معارف - شاہ معین الدین احمد ندوی - جلد 111 جون 1973ء
دار المصنفین اعظم گڑھ

8 - معارف - شاہ معین الدین احمد ندوی - جلد 112 - نومبر 1973ء
دار المصنفین اعظم گڑھ

9 - معارف - ضیاء الدین اصلاحی - جلد 151 جنوری تا جون 1993ء
دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

10 - المعارف - ڈاکٹر شیخ محمد اکرام - جلد 10 - مارچ تا مئی 1968ء
ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور

11 - ماہنامہ ثقافت - ڈاکٹر شیخ محمد اکرام جلد 16 اپریل تا جون
1967ء ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور

12 - اورینٹل کالج میگزین لاہور - مولوی محمد شفیع - جلد 4 مئی اگست
1927ء مطبع کریمی لاہور

The Journal of the Research Society of Pakistan, Vol.I - 13
Part II, Oct. 1964, Research Society of Pakistan.

The Journal of the Research Society of Pakistan, Vol.II - 14
Part II, April 1965, Research Society of Pakistan.